محدثین عظام اور ان کی کتابوں کا تعارف

صحاح ستہ ان کے مصنفین، مشہور محدثین
اور ان کی کتابوں کا تفصیلی تعارف

شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان
مہتمم جامعہ فاروقیہ کراچی

ناشر
مکتبہ فاروقیہ
شاہ فیصل کالونی ۴ ○ کراچی

محدثین عظام اور ان کی کتابوں کا تعارف

صحاح ستہ، ان کے مصنفین، مشہور محدثین
اور ان کی کتابوں کا تفصیلی تعارف

شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان
مہتمم جامعہ فاروقیہ، کراچی

ناشر
مکتبہ فاروقیہ
شاہ فیصل کالونی ۴ ○ کراچی

محدثین عظام

1426ھ / 2005ء

m_farooqia@hotmail.com

ناشر

مکتبہ فاروقیہ

نزد جامعہ فاروقیہ، شاہ فیصل کالونی نمبر 4
کراچی 75230، پاکستان
فون: 021-4575763

Near Jamia Farooqia, Shah
Faisal Colony # 4, Karachi
Tel:021-4575763

بسم الله الرحمن الرحیم
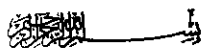
نحمده و نصلی علی رسو له الکریم

اللہ جل شانہ نے محض اپنے فضل وکرم سے گزشتہ تقریباً نصف صدی سے احادیث کی کتابیں پڑھانے کی توفیق عطا فرمائی ہے، صحاح ستہ اور دوسری کتب حدیث کا سالہا سال درس ہوتا رہا، ہر کتاب کی ابتدا میں مصنف اور کتاب کا تعارف کرانے کا معمول عام ہے، ہمارے درس میں بھی یہ معمول جاری رہا اور کتاب کو شروع کرنے سے پہلے اس کتاب کے مصنف کے حالات تفصیل کے ساتھ بیان کئے جاتے اور کتاب کی خصوصیات اور تعارف پر مفصل گفتگو کی جاتی، مختلف سالوں میں طلبہ اس کو قلمبند کرتے رہے، اس طرح صحاح ستہ (صحیح بخاری ، صحیح مسلم، سنن ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ) کے علاوہ مؤطا امام مالک، مؤطا امام محمد اور طحاوی شریف...... حدیث کی ان نو معیاری کتب اور ان کے مصنفین کے تفصیلی حالات الحمدللہ قلمبند ہو گئے، کئی سال پہلے کتابی شکل میں یہ مرتب بھی ہو گئے اور اس کی کتابت بھی ہو گئی تھی لیکن تحقیق وتخریج اور حوالہ جات کا کام اس پر نہیں ہوا تھا اور اس کے بغیر کتاب کی اشاعت پر دل مطمئن نہیں ہو رہا تھا۔

اللہ جزائے خیر دے جامعہ فاروقیہ کے سابق استاذ مولانا عبدالاحد صاحب کو انہوں نے اس کی تحقیق وتخریج کی ذمہ داری قبول کی اور بڑی محنت اور دلچسپی کے ساتھ اس کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا، مولوی حبیب اللہ زکریا اور مولوی سلیم اللہ زکریا نے پروفوں کی تصحیح میں تعاون کیا۔

امید ہے کہ یہ کتاب نہ صرف دورۂ حدیث کے اساتذہ اور طلبہ کے لیے مفید ہو

گی بلکہ عام لوگ بھی ان عظیم شخصیات کے حالات اور علمی کارناموں کو پڑھ کر اپنے ایمان میں تازگی اور قلب و روح میں بالیدگی محسوس کریں گے۔

اللہ جل شانہٗ اس کو قبولیت عطا فرمائیں اور ہمارے لیے اور پڑھنے والوں کے لیے اس کو ذخیرۂ آخرت بنائیں۔ آمین

وصلى الله تعالىٰ على خير خلقه محمد وعلى آله وصحبه أجمعين۔

مسلم رشید خان

۱۰/۱۰/۲۲۱۱ء

فہرست

نمبر شمار	عنوان	صفحہ

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
	امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ	

صفحہ	عنوان	نمبر شمار
	امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ	

صفحہ	عنوان	نمبر شمار
۲۶۴	امام طحاوی بحیثیتِ مفسر	۲۱۲
۲۶۵	امام طحاوی اور علمِ قرات	۲۱۳
۲۶۵	امام طحاوی اور علمِ لغت	۲۱۴
۲۶۶	امام طحاوی ائمۂ فن کی نظر میں	۲۱۵
۲۶۷	امام طحاوی مخالفین کی عبارت میں	۲۱۶
۲۶۸	تصانیف	۲۱۷
۲۷۰	معانی الآ ثار کا مختصر تعارف	۲۱۸
۲۷۲	شروح معانی الآ ثار	۲۱۸
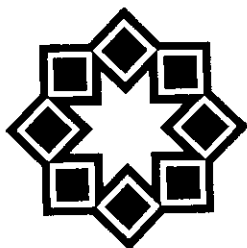
امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب

محمد بن اسمٰعیل بن ابراہیم بن المغیرہ بن بردزبہ(۱) بن بذذبہ الجعفی البخاری......

عام طور پر تاریخ کی کتابوں میں امام صاحب کا نسب بردزبہ تک مذکور ہے، البتہ علامہ تاج الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ نے "طبقات کبریٰ" میں بذذبہ(۲) کا اضافہ فرمایا ہے۔

بذذبہ اور بردزبہ کے احوال سے تاریخ خاموش ہے، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ " بردزبہ "فارسی کا لفظ ہے اور اہلِ بخارا یہ لفظ کاشتکار کے لیے استعمال کرتے ہیں، بردزبہ فارسی تھا اور اپنی قوم کے دین پر تھا، گویا یہ آتش پرست تھا۔(۳)۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے پردادا مغیرہ بخارا کے حاکم یمان بن اخنس جعفی کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہوئے۔(۴)، یمان عربی النسل تھے، قبیلۂ جعفی سے ان کا تعلق تھا اور جعفی بن سعد العشیرۃ قبیلۂ مذحج کی شاخ ہے۔(۵) یمان بن اخنس، عبداللہ محمد مُسنَدی

۱)...... قوله: " بردزبه" بفتح الباء الموحدة، وسكون الراء المهملة، وكسر الدال المهملة، وسكون الزاي المعجمة، وفتح الباء الموحدة، بعدها هاء، هدى السارى (ص ۴۷۷)۔

۲)...... قوله " بذذبه" بباء موحدة، ثم ذال معجمة مكسورة، ثم ذال ثانية معجمة ساكنة، ثم باء موحدة مكسورة ثم هاء" دیکھیے طبقات الشافعیۃ الکبری (ج ۲ ص ۲)۔

۳)......ھدی الساری (ص ۴۷۷)۔

۴)......حوالۂ بالا۔

۵)......دیکھیے عمدۃ القاری (ج ۱ ص ۱۲۴) كتاب الإيمان، باب أمور الإيمان۔

استاذِ بخاری کے دادا کے دادا ہیں۔(۱)...... دستور کے مطابق ولاء اسلام کے پیش نظر مغیرہ فارسی کو جعفی کہا جانے لگا کیونکہ وہ یمانِ جعفی کے ہاتھ پر اسلام لائے تھے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو بھی اسی لیے جعفی کہا جاتا ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے دادا ابراہیم کے حالات سے بھی تاریخ خاموش ہے چنانچہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: " وأما ولده إبراهيم بن المغيرة فلم نقف على شيء من أخباره"۔(۲)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے والد ابوالحسن اسمٰعیل بن ابراہیم علمائے محدثین میں سے ہیں، ابن حبانؒ نے کتاب الثقات میں ان کا ذکر کیا ہے،(۳) یہ حماد بن زید اور امام مالک رحمہما اللہ سے روایت کرتے ہیں (۴) اور ان سے عراق کے حضرات نے روایتِ حدیث کی ہے(۵)، حضرت عبداللہ بن المبارک رحمۃ اللہ علیہ سے انھوں نے ملاقات کی ہے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں " صافَح ابنَ المبارك بكلتا يديه"(٦)۔

حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں " كان أبوالبخاری من العلماء الورعين"(۷) تقوے کا یہ عالم تھا کہ انتقال کے وقت کثیر مال ترکہ میں چھوڑا، لیکن فرماتے

---

۱)...... چنانچہ ان کا نسب نامہ ہے: عبداللہ بن محمد بن عبداللہ بن جعفر بن الیمان بن اخنس بن خنیس الجعفی البخاری۔ دیکھیے عمدۃ القاری (ج۱ص۱۲۳) کتاب الإيمان، باب أمور الإيمان۔

۲)...... ھدی الساری (ص۴۷۷)۔

۳)...... الثقات لابن حبان (ج۸ص۹۸)۔

۴)...... ھدی الساری (۴۷۷)۔

۵)...... حوالۂ بالا۔

٦) تاریخِ کبیر بخاری (ج۱ص۳۴۳) رقم (۱۰۸۴)۔

۷)...... مقدمۂ شرح قسطلانی (ج۱ص۳۱)۔

تھے کہ اس میں ایک درہم بھی حرام یا مشتبہ نہیں۔(۱) یہی حلال طیب مال امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی پرورش میں استعمال ہوا۔

ولادت ووفات

بعض حضرات کا خیال ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت ۱۲ شوال ۱۹۴ھ کو ہوئی، جبکہ راجح قول کے مطابق آپ کی ولادت ۱۳ شوال ۱۹۴ھ بعد نمازِ جمعہ ہوئی۔(۲) اللہ تعالیٰ نے شوال کا مہینہ عطا فرمایا جو اشہرِ حج میں پہلا مہینہ اور رمضان المبارک و ذوالقعدہ شہرِ حرام کے درمیان واقع ہے، پھر جمعہ کا دن ولادت کے لیے مقرر فرمایا جو سید الایام ہے۔

وفات ۲۵۶ھ میں ہفتہ کی رات میں ہوئی جو عید الفطر کی شب تھی، اس طرح کل عمر ۱۳ دن کم ۶۲ سال ہوئی، عید الفطر کے دن یکم شوال ۲۵۶ھ بعد نماز ظہر مقام خرتنگ میں مدفون ہوئے، کسی نے مختصر طور پر ولادت ووفات اور عمر کا یوں ذکر کیا ہے:

کان البخاری حافظا ومحدثا
جمع الصحیح مکمل التحریر
میلاده صدق (۱۹٤) ومدة عمره
فیها (٦٢) حمید وانقضی (٢٥٦) فی نور. (۳)

---

۱)......ھدی الساری (ص ۴۷۷) ومقدمۂ شرح قسطلانی (ج ۱ ص ۳۱)۔

۲)...... قال الحافظ رحمه الله فی " ھدی الساری" (ص ٤٧٧) "قال المستنیر بن عتیق: "أخرج لی ذلك محمد بن إسماعیل بخط أبیه، وجاء ذلك عنه من طرق" ۱۲ شوال کا قول ابو یعلیٰ خلیلی نے "الإرشاد" میں نقل کیا ہے۔ دیکھیے مقدمۂ لامع الدراری (ص ۲۸)

۳)......مقدمۂ صحیح بخاری از حضرت مولانا احمد علی صاحب سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ (ص ۳)۔

مختصر حالات اور تعلیم

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا ابھی بچپن ہی تھا کہ ان کے والد اسماعیل بن ابراہیم کا انتقال ہو گیا اور تربیت کی ساری ذمہ داری والدہ ماجدہ پر آ گئی، ادھر اسی بچپن کے زمانے میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی بینائی زائل ہو گئی جس سے والدہ کو بہت صدمہ ہوا، وہ بڑی عبادت گذار اور خدا رسیدہ خاتون تھیں، الحاح وزاری کے ساتھ انہوں نے دعائیں کیں، ایک مرتبہ رات کو خواب میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زیارت ہوئی تو انہوں نے بشارت سنائی کہ تمہاری دعا کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے تمہار بیٹے کی بینائی لوٹا دی ہے۔(۱)۔

علامہ تاج الدین سبکی نے لکھا ہے کہ گرمی اور دھوپ میں طلب علم کے لیے سفر سے پھر دوبارہ بینائی جاتی رہی، خراسان پہنچے، کسی نے سر کے بال صاف کرانے اور گلِ خطمی کے ضماد کا مشورہ دیا، اس سے بینائی پھر واپس لوٹ آئی۔(۲)۔

ایک دن امام داخلی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک سند بیان کی" سفیان عن أبی الزبیر عن إبراهیم" امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے جو ایک گوشہ میں بیٹھے ہوئے تھے، عرض کیا"أبو الزبیر لم یرو عن إبراهیم" استاذ نے طفل نو آموز سمجھ کر توجہ نہیں دی بلکہ جھڑک دیا تو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے سنجیدگی سے عرض کیا کہ آپ کے پاس اصل ہو تو مراجعت فرمالیں، بات معقول تھی، محدث داخلی اندر گھر میں گئے اور اصل کو ملاحظہ فرمایا تو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی بات درست نکلی، واپس آئے تو پوچھا: لڑکے! اصل سند کیا ہے؟ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا" هو الزبیر۔ وهو ابن عدی۔ عن إبراهیم" محدث داخلی رحمۃ اللہ علیہ نے قلم لے کر اصلاح کرتے ہوئے فرمایا "صدقت" کسی نے پوچھا کہ اس وقت آپ کی

---

۱)......هدی الساری (ص ۴۷۸)۔

۲)......طبقات الشافعیة الکبریٰ (ج ۲ ص ۴)۔

عمر کیا تھی؟ فرمایا گیارہ برس۔(۱)۔

علامہ بیکندیؒ فرماتے تھے کہ محمد بن اسماعیل جب درس میں آ جاتے ہیں تو مجھ پر تحیر کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے اور میں حدیث بیان کرتے ہوئے ڈرتا ہوں۔(۲)۔

بے مثال حافظہ

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے مقدمہ فتح الباری میں لکھا ہے کہ حاشد بن اسماعیل کا بیان ہے کہ ہم امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ بصرہ کے مشائخ کے پاس جایا کرتے تھے، ہم لوگ لکھا کرتے تھے اور بخاری نہیں لکھتے تھے، بطورِ طعن رفقاءِ درس امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کرتے تھے کہ آپ خواہ مخواہ اپنا وقت ضائع کرتے ہیں، احادیث لکھتے نہیں!! زیادہ چھیڑ چھاڑ جب ہوئی تو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو غصہ آ گیا اور فرمایا اپنی لکھی ہوئی حدیثیں لاؤ، اس وقت تک پندرہ ہزار احادیث لکھی جا چکی تھیں، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ان احادیث کو سنانا شروع کر دیا تو سب حیران رہ گئے، پھر تو حدیثیں لکھنے والے حضرات اپنے نوشتوں کی تصحیح کے لیے امام بخاریؒ کے حفظ پر اعتماد کرنے لگے۔(۳)۔

اسی طرح ایک مرتبہ جب امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ بغداد تشریف لائے، وہاں کے محدثین نے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے امتحان کا ارادہ کیا اور دس آدمی مقرر کیے، ہر ایک کو دس دس احادیث سپرد کیں جن کے متون واسانید میں تبدیلی کر دی گئی تھی، جب امام تشریف لائے تو ایک شخص کھڑا ہوا اور اس نے وہ حدیثیں پیش کیں جن میں تبدیلی کر دی گئی

---

۱)......حوالۂ بالا۔

۲)......ھدی الساری (ص۴۸۳)۔

۳)......ھدی الساری (ص۴۷۸)۔

تھی، امام ہر ایک کے جواب میں "لا أعرفه" کہتے رہے، عوام تو یہ سمجھنے لگے کہ اس شخص کو کچھ نہیں آتا لیکن ان میں جو علماء تھے وہ سمجھ گئے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ان کی چال سمجھ گئے ہیں، اس طرح دس آدمیوں نے سو حدیثیں پیش کر دیں جن کی سندوں اور متنوں میں تغیر کیا گیا تھا اور امام نے ہر ایک کے جواب میں "لاأعرفه" فرمایا، اس کے بعد امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نمبروار ایک ایک کی طرف متوجہ ہوتے گئے اور بتاتے گئے کہ تم نے پہلی روایت اس طرح پڑھی تھی جو غلط ہے اور صحیح اس طرح ہے، اسی طرح ترتیب وار تمام دس افراد کی اصلاح فرمائی، اب سب پر واضح ہو گیا کہ یہ کتنے ماہرِ فن ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "تعجب اس پر نہیں کہ انہوں نے غلطی پہچان لی اور اس کی اصلاح کر دی، کیونکہ وہ حافظِ حدیث تھے ان کا تو کام ہی یہ ہے، لیکن تعجب درحقیقت اس بات پر ہے کہ غلط احادیث کو ایک ہی مرتبہ سن کر ترتیب وار محفوظ رکھا اور پھر ترتیب کے ساتھ ان کو بیان کر کے اصلاح کی"۔(۱)

امام صاحب کے علمی اسفار

امام صاحبؒ نے پہلے تمام کتبِ متداولہ اور مشائخِ بخارا کی کتابوں کو محفوظ کیا، پھر سولہ برس کی عمر میں حجاز کا قصد کیا۔(۲) والدہ اور بھائی احمد بن اسمٰعیل ساتھ تھے، والدہ اور بھائی حج سے فراغت کے بعد وطن واپس آ گئے اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ طلبِ علم کے

---

۱)......ھدی الساری (ص ۴۸۶)۔

۲)......کیونکہ امام صاحب خود فرماتے ہیں، " فلما طعنت فی ست عشرة سنة حفظت كتب ابن المبارك ووكيع وعرفت كلام هؤلاء يعني أصحاب الرأي قال: ثم خرجت مع أمي وأخي إلى الحج۔ قلت (القائل هو الحافظ ابن حجر)۔: فكان أول رحلته على هذا سنة عشر ومائتين......"ھدی الساری (ص ۴۷۸)۔

لیے مکہ مکرمہ میں ٹھہر گئے، مکہ مکرمہ کے آپ کے اساتذہ ابوالولید احمد بن محمد ازرقی، امام حمیدی، حسان بن حسان بصری، خلاد بن یحیی اور ابوعبدالرحمان مقری رحمہم اللہ تھے۔(۱)

پھر اٹھارہ سال کی عمر میں مدینہ منورہ کا سفر کیا اور وہاں کے مشہور محدثین عبدالعزیز اویسی، ایوب بن سلیمان بن بلال اور اسماعیل بن ابی اویس رحمہم اللہ تعالی وغیرہ سے استفادہ کیا۔ ۱۸ برس کی ہی عمر میں "قضا یا الصحابة و التابعين" لکھی، اسی سفر میں مدینہ طیبہ میں چاندنی راتوں میں " التاريخ الكبير" کا مسودہ لکھا، یہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی دوسری تصنیف ہے۔(۲)

پھر امام صاحب بصرہ تشریف لے گئے وہاں ابوعاصم النبیل، محمد بن عبداللہ انصاری، بدل بن المحبّر، عبدالرحمٰن بن حماد الشعیثی، محمد بن عرعرہ، حجاج بن منہال، عبداللہ بن مرجاء غدانی اور عمر بن عاصم کلابی رحمہم اللہ وغیرہ سے احادیث کا سماع کیا۔(۳)

امام صاحب حجاز میں چھ سال رہے، بصرہ کا چار دفعہ سفر کیا اور کوفہ و بغداد کے متعلق تو خود امام صاحب فرماتے ہیں " ولاأحصى كم دخلت إلى الكوفة وبغداد مع المحدثين" (۴)۔

کوفہ کے مشائخ جن پر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اعتماد کیا ہے وہ یہ ہیں: عبیداللہ بن موسی، ابونعیم احمد بن یعقوب، اسماعیل بن ابان، الحسن بن الربیع، خالد بن مخلد، سعید بن حفص، طلق بن غنام، عمرو بن حفص، عروہ، قبیصہ بن عقبہ، ابوغسان اور خالد بن

---

۱)......دیکھیے سیر اعلام النبلاء (ج ۱۲ ص ۳۹۵) و مقدمہ شرح قسطلانی (ص ۳۲)۔

۲)......دیکھیے سیر اعلام النبلاء (ج ۱۲ ص ۳۹۵) وھدی الساری (ص ۴۷۸)۔

۳)......سیر اعلام النبلاء (ج ۱۲ ص ۳۹۴) و مقدمہ شرح قسطلانی (ص ۳۲)۔

۴)......ھدی الساری (۴۷۸)۔

یزید مقری رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ۔(۱)

بغداد کے مشائخ میں امام احمد بن حنبل، محمد بن سابق، محمد بن عیسی بن الطباع اور سریج بن النعمان رحمہم اللہ تعالی وغیرہ قابل ذکر ہیں۔(۲)

شام کے مشائخ میں محمد بن یوسف فریابی، ابونصر اسحاق بن ابراہیم، آدم بن ابی ایاس، ابوالیمان الحکم بن نافع، حیوۃ بن شریح، علی بن عباس اور بشر بن شعیب رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ ہیں۔(۳)

مصر کے مشائخ میں عثمان بن صالح، سعید بن ابی مریم، عبداللہ بن صالح، احمد بن صالح، احمد بن شعیب، اصبغ بن الفرج، سعید بن عیسی، سعید بن کثیر، یحیی بن عبداللہ بن بکیر، احمد بن اشکاب اور عبداللہ بن یوسف وغیرہ ہیں۔(۴)

جبکہ الجزیرہ کے مشائخ میں احمد بن عبدالملک حرانی، احمد بن یزید الحرانی، عمرو بن خلف اور اسماعیل بن عبداللہ الرقی قابل ذکر ہیں۔(۵)

مرو میں علی بن الحسن بن شقیق، عبدان اور محمد بن مقاتل رحمہم اللہ وغیرہ سے سماع کیا۔(۶)

بلخ میں مکی بن ابراہیم، یحی بن بشر، محمد بن ابان، یحیی بن موسی اور قتیبہ وغیرہ سے احادیث کا سماع کیا۔(۷)

---

۱)......دیکھیے سیر اعلام النبلاء (ج۱۲ص۳۹۴) وتہذیب الاسماء (ج۱ص۷۲)۔
۲)......تہذیب الاسماء (ج۱ص۷۲) وسیر اعلام النبلاء (ج۱۲ص۳۹۴)
۳)......سیر (ج۱۲ص۳۹۵) وتہذیب الاسماء (ج۱ص۷۱)
۴)......حوالہ جاتِ بالا۔
۵)......تہذیب الاسماء (ج۱ص۷۲)۔
۶)......حوالۂ بالا۔
۷)......حوالۂ بالا۔

ہرات میں احمد بن ابی الولید حنفی سے احادیث کا سماع کیا۔(۱)

نیشاپور میں یحیی بن یحیی، بشر بن الحکم، اسحاق بن راھویہ، محمد بن رافع، محمد بن یحیی ذہلی رحمہم اللہ وغیرہ سے حدیثیں سنیں۔(۲)

الغرض امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے تقریباً تمام ممالکِ اسلامیہ کا سفر کیا اور ایک ہزار اسّی مشائخ سے حدیثیں سنیں۔(۳)

تنبیہ

علامہ سبکی رحمۃ اللہ علیہ نے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے سفرِ الجزیرہ کا انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ امام صاحب الجزیرہ میں داخل نہیں ہوئے۔(۴)

لیکن امام نووی اور حافظ ابن حجر رحمہما اللہ اس سفر کے قائل ہیں۔(۵)

ان رحلات میں امام صاحب کی تنگدستی

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے طلبِ علم کے دوران فاقے بھی کیے اور پتے اور گھاس کھا کر گذارا کیا، بعض اوقات اپنا لباس تک فروخت کر دینے کی نوبت بھی آئی،

۱)......حوالۂ بالا۔

۲)......حوالۂ بالا۔

۳)......دیکھیے سیر اعلام النبلاء (ج۱۲ص۳۹۵)۔مقدمۂ فتح الباری (ص۴۷۹)۔

۴)......دیکھیے طبقات الشافعیۃ الکبری (ج۲ص۳)۔

۵)......چنانچہ حافظ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:" وقال سهل بن السری: قال البخاری: دخلت إلی الشام ومصر والجزیرة مرتین......" (ھدی الساری ۴۷۸) اور امام نووی رحمۃ اللہ علیہ الجزیرہ سمیت اور بہت سارے ملکوں اور وہاں کے مشائخ کا ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں" قدرحل البخاری رحمه الله إلی هذه البلاد المذكورة فی طلب العلم، وأقام فی كل مدينة منها علی مشايخها...... "(تہذیب الأسماء ج۱ص۶۷)۔

زندگی کے ایک بڑے حصے میں سالن استعمال نہیں کیا، ایک مرتبہ بیمار ہوئے، اطباء نے ان کا قارورہ دیکھ کر کہا کہ یہ قارورہ ایسے پادری کا معلوم ہوتا ہے جو سالن استعمال نہیں کرتا۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں نے چالیس سال سے سالن استعمال نہیں کیا، اطباء نے ان کا علاج سالن تجویز کیا تو امام نے انکار فرمادیا اور جب علماء ومشائخ نے بہت اصرار کیا تو یہ منظور فرمایا کہ روٹی کے ساتھ شکر استعمال کرلونگا۔(۱) واقعی سچ ہے" لایستطاع العلم براحة الجسم"(۲) یہی وجہ ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس عظیم مرتبہ پر پہنچے کہ بڑے اور چھوٹے سب ان کی تعریف میں رطب اللسان نظر آتے ہیں۔ چنانچہ امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں" ماأخرجت خراسان مثل محمد بن إسمعیل" (۳)۔

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "أشهد أنه لیس فی الدنیا مثلك"(۴)

امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ سے امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے کہ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آئے اور پیشانی پر بوسہ دے کر فرمایا "دعنی أقبل رجلیك یا أستاذ الأستاذین وسید المحدثین وطبیب الحدیث فی علله......"(۵)۔

---

۱)......هدی الساری (ص ۴۸۱)، وتهذیب الاسماء (ج ۱ ص ۶۸)۔

۲)...... قاله الإمام یحیی بن أبی کثیر، کمارواه مسلم فی صحیحه (ج ۱ ص ۲۲۳) کتاب الصلاة، باب أوقات الصلوات الخمس۔

۳)......هدی الساری (ص ۴۸۲، ۴۸۳) وسیر اعلام النبلاء (ج ۱۲ ص ۴۲۱) وتاریخ بغداد (ج ۲ ص ۲۱) وتهذیب الأسماء واللغات (ج ۱ ص ۶۸)۔

۴)...... هدی الساری (ص ۴۸۵)۔ وتاریخ بغداد (ج ۲ ص ۲۹)۔

۵)...... هدی الساری (ص ۴۸۸) وسیر أعلام النبلاء (ج ۱۲ ص ۴۳۲) وتهذیب الأسماء (ج ۱ ص ۷۰) وطبقات الشافعیة للسبکی (ج ۲ ص ۲۲۳)۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا فضل وشرف

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اہل فارس میں سے ہیں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف اشارہ کرکے فرمایا تھا: "لو كان الدين عندالثريا لذهب به رجل من فارس أو قال من أبناء فارس" (۱) حضرات محدثین کا ارشاد ہے کہ اس کے اولین مصداق امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں اور پھر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

اسی طرح قرآن کریم میں ارشاد ہے ﴿ وآخرين منهم لَمَّا يلحقوابهم﴾ (۲) جب صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اس آیت کے متعلق آپ سے سوال کیا تو حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ پر ہاتھ رکھ کر فرمایا: "لو كان الإيمان عندالثريا، لناله رجال من هؤلاء" (۳) اس کے مصداق بھی امام ابوحنیفہ اور امام بخاری رحمہما اللہ ہیں۔

فربری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے فرما رہے ہیں۔ " أين تريد؟" میں نے عرض کیا" أريد محمد بن اسمعيل" آپ نے فرمایا" اقرأه منی السلام" (۴)۔

---

۱)...... صحیح مسلم (ج۲ص۳۱۲) کتاب الفضائل، باب فضل فارس۔

۲)...... سورۂ جمعہ/۳۔

۳)...... صحیح بخاری، کتاب التفسیر، سورۃ الجمعۃ، باب قولہ: ﴿وآخرين منهم لما يلحقوابهم﴾ رقم (۴۸۹۷) وصحیح مسلم (ج۲ص۳۱۲) کتاب الفضائل، باب فضل فارس۔

۴)...... ھدی الساری (ص۴۸۹) وتاریخ بغداد (ج۲ص۱۰) وسیر اعلام النبلاء (ج۱۲ص۴۴۳)۔ وتہذیب الاسماء (ج۱ص۶۸) وطبقات السبکی (ج۲ص۲۲۳)۔

احتیاط وتقوی

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے "ما اغتبت أحدا قط منذ علمت أن الغيبة حرام"(۱)۔ نیز فرمایا"إني لأرجو أن ألقى الله ولا يحاسبني أني اغتبت أحدا"(۲)۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے معاصی ومنکرات سے بچنے کا بڑا اہتمام فرمایا ہے کیونکہ گناہوں سے حافظہ خراب ہوجاتا ہے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے گناہوں سے حددرجہ احتیاط کی اس لیے ان کا حافظہ متاثر نہیں ہوا اور حفظ میں ان کو زبردست کمال حاصل ہوا، حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

شكوت إلى وكيع سوء حفظي
فأوصاني إلى ترك المعاصي
فإن العلم نور من إله
ونور الله لا يعطى لعاص

علمی وقار کی حفاظت

کہا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ دریائی سفر کررہے تھے اور ایک ہزار اشرفیاں ان کے ساتھ تھیں، ایک شخص نے کمال نیازمندی کا طریقہ اختیار کیا اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو اس پر اعتماد ہوگیا، اپنے احوال سے اس کو مطلع کیا، یہ بھی بتادیا کہ میرے پاس ایک ہزار اشرفیاں ہیں، ایک صبح کو جب وہ شخص اٹھا تو اس نے چیخنا چلانا شروع

۱)...... ھدی الساری (ص ۴۸۰)۔

۲)...... ھدی الساری (ص ۴۸۰) وتاریخ بغداد (ج ۲ ص ۱۳) وسیر اعلام النبلاء (ج ۱۲ ص ۴۳۹) وتہذیب الاسماء (ج ۱ ص ۶۸) وطبقات السبکی (ج ۲ ص ۲۲۳، ۲۲۴)۔

کیا اور کہنے لگا کہ میری ایک ہزار اشرفی کی تھیلی غائب ہے، چنانچہ جہاز والوں کی تلاشی شروع ہوئی، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے موقعہ پاکر چپکے سے وہ تھیلی دریا میں ڈال دی، تلاشی کے باوجود تھیلی دستیاب نہ ہوسکی تو لوگوں نے اس کو ملامت کی، سفر کے اختتام پر وہ شخص امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھتا ہے کہ آپ کی وہ اشرفیاں کہاں گئیں؟ امام نے فرمایا کہ میں نے ان کو دریا میں ڈال دیا، کہنے لگا کہ اتنی بڑی رقم کو آپ نے ضائع کردیا؟ فرمایا کہ میری زندگی کی اصل کمائی تو ثقاہت کی دولت ہے، چند اشرفیوں کے عوض میں اس کو کیسے تباہ کرسکتا تھا؟(۱)۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے والد نے ترکہ میں کافی مال چھوڑا تھا، امام نے وہ مال مضاربت پر دیدیا، ایک مرتبہ ایک مضارب پچیس ہزار درہم لے کر دوسرے شہر میں جاکر آباد ہوگیا اور اس طرح امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی رقم ضائع ہونے لگی، لوگوں نے کہا کہ مقامی حاکم سے خط لکھوا کر اس علاقے کے حاکم کے پاس بھجوادیجئے تو رقم آسانی سے مل جائے گی، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اگر آج میں حکام کی سفارش کے ذریعہ اپنی رقم حاصل کرونگا تو کل یہی حاکم میرے دین میں دخل اندازی کریں گے اور میں اپنے دین کو دنیا کے عوض ضائع کرنا نہیں چاہتا...... پھر یہ طے ہوا کہ مقروض دس درہم ماہوار ادا کرے گا، لیکن اس میں سے ایک درہم بھی امام کو نہیں ملا۔(۲)

---

۱)...... یہ واقعہ امداد الباری (ج ا ص ۴۶۱) اور فضل الباری (ج ا ص ۵۵) میں حافظ رحمۃ اللہ علیہ کی فتح الباری کے حوالہ سے منقول ہے، لیکن باوجود تلاش کے نہ مل سکا، نیز تاریخ بغداد، تہذیب الکمال، سیر اعلام النبلاء، تہذیب التہذیب، تہذیب الاسماء واللغات، مقدمۂ فتح، مقدمۂ قسطلانی اور مقدمۂ لامع میں امام کے ترجمہ کے تحت اس واقعہ کا ذکر نہیں ہے۔

۲)...... دیکھیے ھدی الساری (ص ۴۷۹) وطبقات السبکی (ج ۲ ص ۲۲۷) وسیر اعلام النبلاء (ج ۱۲ ص ۴۴۶)۔

وراقِ بخاری محمد بن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں طلب حدیث کے لیے آدم بن ابی ایاس کے پاس گیا اور خرچہ ختم ہو گیا تو میں نے گھاس اور پتے کھانا شروع کیے اور کسی کو خبر نہ ہونے دی، تیسرے دن ایک اجنبی شخص میرے پاس آیا اور اشرفیوں کی ایک تھیلی تھما دی۔(۱)

عمر بن حفص الاشقر کا بیان ہے کہ ہم چند ہم سبق بصرہ میں احادیث لکھتے تھے، ہمارے ساتھ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ بھی تھے، ایک مرتبہ بخاری کئی دن تک نہیں آئے، تفتیش کرنے سے معلوم ہوا کہ ان کے پاس خرچ ختم ہو گیا اور نوبت یہاں تک پہنچ چکی تھی کہ امام کو کپڑے بھی فروخت کرنے پڑے، ہم نے چندہ کیا اور کپڑے کا انتظام کیا۔(۲)

حسن سلوک اور ایثار

خود تو کئی دن بغیر کھائے پیے گذار دیا کرتے تھے اور کبھی صرف دو تین بادام کھا لینا بھی ان کے لیے کافی ہوتا تھا لیکن دوسروں کے ساتھ حسن سلوک کے معاملہ میں پیش پیش رہتے تھے۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری کو ہر ماہ پانچ سو درہم کی آمدنی ہوتی تھی، یہ ساری رقم وہ فقراء ومساکین اور طلبہ ومحدثین پر خرچ کر دیا کرتے تھے۔(۳)

بے نفسی

بے نفسی کا یہ عالم تھا کہ عبداللہ بن محمد صیارفی کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ امام کی باندی ان کے پاس سے گذری تو دوات کو ٹھوکر لگ گئی اور روشنائی گر گئی، امام نے باندی سے

۵۲)...... ھدی الساری (ص ۴۸۰) وسیر اعلام النبلاء (ج ۱۲ ص ۴۴۸) وطبقات السبکی (ج ۲ ص ۲۲۷)۔

۵۳)...... سیر اعلام النبلاء (ج ۱۲ ص ۴۴۸) وتاریخ بغداد (ج ۲ ص ۱۳) وطبقات السبکی (ج ۲ ص ۲۱۷)۔

۵۴)...... مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح (ج ۱ ص ۱۵)۔

کہا کہ کس طرح چلتی ہو؟ باندی نے جواب دیا کہ جب راستہ ہی نہ ہو (چونکہ ہر طرف کتابیں پھیلی ہوئی تھیں) تو کیا کیا جائے، یہ سن کر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا "اذهبی فقد أعتقتك" کسی نے کہا اے ابوعبداللہ! اس نے آپ کی شان میں گستاخی کی اور آپ کو ناراض کر دیا لیکن آپ نے اسے آزاد کر دیا؟ امام نے فرمایا کہ میں نے اس کام سے اپنے آپ کو راضی کر لیا۔(۱)

حدیث پر عمل کا اہتمام

عام طور پر محدثین کے یہاں اس کا بہت اہتمام ہوتا ہے کہ جو حدیث پڑھیں اس پر عمل کریں، چنانچہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں " ما كتبت حديثا إلا وقد عملت به، حتى مرّبى أن النبى صلى الله عليه وسلم احتجم وأعطى أباطيبة ديناراً، فأعطيت الحجام ديناراً حين احتجمت" (۲)۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ بھی اس میں بہت مستعد تھے، انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تقلید میں اینٹیں اور پتھر اٹھائے، گھاس اور پتے کھائے اور نشانہ بازی کی مشق کی۔

---

۱)......ھدی الساری (ص ۴۸۰) وسیر اعلام النبلاء (ج ۱۲ ص ۴۵۲)۔

۲)...... سیر اعلام النبلاء (ج ۱ ص ۲۱۳) ترجمہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ۔ مشہور محقق شعیب الارنوؤط حدیث " أن النبى صلى الله عليه وسلم احتجم وأعطى أباطيبة ديناراً" کی تخریج کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "یہ حدیث امام مالک نے مؤطا میں، امام بخاری اور امام مسلم نے اپنی اپنی صحیح میں ، امام ابوداؤد، امام ترمذی اور امام دارمی نے اپنی اپنی سنن میں اور امام احمد نے اپنی مسند میں ذکر کی ہے لیکن ان میں سے بعض میں تو " فأمر بصاع من طعام" ہے، بعض میں " بصاع من شعير" ہے اور بعض میں " بصاعين من طعام" ہے، کسی طریق میں یہ نہیں ہے کہ آپ نے ایک دینار دیا ہو۔ دیکھیے حاشیۂ سیر اعلام النبلاء (ج ۱۱ ص ۲۱۳)۔

نشانہ بازی میں مہارت

وراقِ بخاری کا بیان ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ تیر اندازی اور نشانہ بازی کی مشق کے لیے بہت زیادہ نکلا کرتے تھے، میں نے اپنی زندگی میں صرف دو مرتبہ دیکھا کہ ان کا نشانہ خطا گیا ہے ورنہ ٹھیک ہدف پر وہ تیر پھینکتے تھے...... ایک مرتبہ فربر سے باہر تیر اندازی کے لیے نکلے، تیر اندازی شروع ہوئی تو امام کا تیر پل کی میخ پر جا لگا اور پل کو نقصان پہنچا، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سواری سے اتر گئے اور میخ سے تیر نکالا اور لوٹ آئے، اور مجھ سے فرمایا کہ میرا ایک کام کر دو، پل والے کے پاس جا کر کہو کہ ہمیں یا تو نقصان کا ازالہ کرنے کی جازت دے دے یا قیمت لے لے اور معاف کر دے۔ کہتے ہیں کہ پل کے مالک حمید بن الاخضر کو جب یہ بات پہنچی تو انھوں نے کہا کہ ابو عبداللہ کو میری طرف سے سلام کہو اور کہو کہ جو کچھ ہوا وہ معاف ہے اور یہ کہ اپنی تمام دولت اور جائیداد آپ پر قربان کرنے کے لیے تیار ہوں۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ یہ سن کر بہت خوش ہوئے اور بطور شکر اس دن پانچ سو حدیثیں سنائیں اور تین سو درہم صدقہ کیے۔ (۱)

شوقِ عبادت

ہمیشہ کا معمول تھا کہ آخر شب میں تیرہ رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔ (۲) اور رمضان میں اس پر بہت اضافہ ہو جاتا تھا۔

حافظ ابو عبداللہ حاکم رحمۃ اللہ علیہ اپنی سند سے بیان فرماتے ہیں کہ جب رمضان شروع ہوتا تو امام ایک مرتبہ قرآن تو عام تراویح کی جماعت میں ہر رکعت میں بیس بیس

---

۱)...... ھدی الساری (ص ۴۸۰)۔

۲)...... ھدی الساری (ص ۴۸۱) وتاریخ بغداد (ج ۲ ص ۱۳) وسیر اعلام النبلاء (ج ۱۲ ص ۴۴۱)۔

آیات پڑھ کر ختم کیا کرتے تھے، پھر خود تنہا آخر شب میں نصف یا ثلثِ قرآن پڑھتے، اس طرح ہر تیسری دن ایک قرآن ختم فرماتے تھے، پھر دن بھر بھی تلاوت کرتے رہتے تھے اور روزانہ افطار کے وقت قرآن کریم ختم فرماتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ ہر ختم پر دعا قبول ہوتی ہے۔(۱)

قبولیتِ دعاء

امام نے فرمایا کہ میں نے دو مرتبہ اپنے رب سے دعا مانگی فوراً قبول ہوئی، اس کے بعد سے مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں میرے اعمال کی جزا دنیا ہی میں تو نہیں دی جارہی، اس لیے میں اس کے بعد سے دنیا کے لیے کچھ مانگنا پسند نہیں کرتا۔(۲)

عللِ حدیث کی معرفت میں انفرادیت

اصطلاح میں ''علت'' پوشیدہ سببِ جرح کو کہتے ہیں، اس علم میں مہارت کے لئے بے پناہ حافظہ، سیّال ذہن، اور نقد میں کامل مہارت ضروری ہے، رواۃِ حدیث کی معرفت، ولادت ووفات کے اوقات کا علم، اسماء، القاب، کنیتوں اور ان کی ملاقات کی تفصیل کا علم لازم ہے، الفاظِ حدیث پر پوری نظر ضروری ہے۔(۳)

اسماء وکُنی کی معرفت کے سلسلے میں واقعہ مشہور ہے کہ امام فریابی رحمۃ اللہ علیہ نے امام بخاری کی موجودگی میں ایک حدیث بیان کی " حدثنا سفیان عن أبی عروة، عن

۱)...... ھدی الساری (ص ۴۸۱)۔

۲)...... سیر اعلام النبلاء (ج ۱۲ ص ۴۴۸) وھدی الساری (ص ۴۸۰)۔

۳)......مقدمۃ ابن الصلاح ص ۴۲ النوع الثامن عشر: معرفۃ الحدیث المعلل۔

أبی الخطاب، عن أبی حمزة" حاضرین سفیان کے بعد مشائخ میں سے کسی کو نہ پہچان سکے تو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ابو عروہ معمر بن راشد ہیں، ابو الخطاب قتادہ بن دِعامہ سدوسی ہیں اور ابو حمزہ سے مراد حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ ہیں۔ نیز فرمایا کہ سفیان کی یہ عادت ہے کہ وہ مشہور شیوخ کی کنیت ذکر کرتے ہیں۔(۱)

نقد و جرح کے سلسلے میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا طریقہ

جرح و تعدیل کے باب میں محدثین نے ان کے مراتب مقرر کئے اور پھر ہر ایک کے لیے مخصوص اصطلاحیں مقرر ہوئیں، چنانچہ جرح کے مراتب میں "فلان کذّاب" وغیرہ الفاظ شائع و ذائع ہیں۔

لیکن امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ عام محدثین کی طرح وضّاع اور کذّاب کا لفظ بہت کم استعمال کرتے ہیں۔(۲) وہ " منکر الحدیث" "فیه نظر" اور "سکتوا عنه" کے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔(۳) چنانچہ وہ فرماتے ہیں "إذا قلت: فلان فی حدیثه نظر،

۱)...... ھدی الساری (ص ۴۷۸)۔

۲)...... چنانچہ حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ "سیر اعلام النبلاء" (ج ۱۲ ص ۴۳۹ و ۴۴۰) میں فرماتے ہیں:" وقل أن یقول: فلان کذاب، أو کان یضع الحدیث" شیخ عبدالفتاح ابوغدہ رحمہ اللہ تعالیٰ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے چند راویوں کے بارے میں "کذاب یذکر بوضع الحدیث" وغیرہ الفاظ نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں " ویلاحظ من هذه الأمثله القلیلة ، أن البخاری یحرص علی أن یکون لفظ الجرح الذی یرتضیه من قول غیره إذا وجده، فینقله عنه، وإلاقاله من قبل نفسه، وذلك من دقیق ورعه رحمة اللّٰه تعالیٰ علیه" دیکھیے تعلیقات "الرفع والتکمیل فی الجرح والتعدیل (ص ۴۰۱ و ۴۰۲)۔

۳)...... دیکھیے سیر اعلام النبلاء (ج ۱۲ ص ۴۳۹) وطبقات الشافعیة (ج ۲ ص ۹) وھدی الساری (ص ۴۸۰)۔

فھو متّھم واہٍ"(۱)۔نیز فرماتے ہیں" کلّ من قلت فیه: منکر الحدیث، فلاتحل الروایة عنه" (۲)۔

گویا امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے جرح کے باب میں بھی احتیاط کا دامن نہیں چھوڑا۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے وراق نے آپ سے کہا کہ لوگ آپ کی تاریخ پر اعتراض کرتے ہیں کہ اس میں غیبت کی گئی ہے..... تو آپ نے فرمایا ہم نے تاریخ میں متقدمین کے اقوال نقل کیے ہیں، اپنی طرف سے تو ہم نے کچھ بھی نہیں کہا۔(۳)

پھر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اخذِ حدیث میں بھی بہت احتیاط سے کام لیا، ایک مرتبہ کسی شخص نے ایک حدیث کے بارے میں پوچھا جس میں تدلیس کا گمان تھا تو امام نے فرمایا کہ تم میرے بارے میں تدلیس کا شبہہ کر رہے ہو؟ میں نے تو ایک محدث کی دس

---

۱)...... سیر اعلام النبلاء (ج ۱۲ ص ۴۴۱) ومیزان الاعتدال (ج ۲ ص ۴۱۶) ترجمہ عبداللہ بن داؤد واسطی۔

۲)...... دیکھیے میزان الاعتدال (ج ۱ ص ۶) ترجمہ اَبان جبلۃ الکوفی، حافظ ذہبی نے میزان الاعتدال (ج ۲ ص ۴۱۶)۔ترجمہ عبداللہ بن داؤد واسطی میں فرمایا ہے۔ "وقد قال البخاری فیه نظر، ولا یقول ھذا إلافیمن یتھمه غالباً" اسی طرح حافظ عراقی رحمۃ اللہ علیہ شرح الفیہ (ص ۱۷۶) میں فرماتے ہیں " فلان فیه نظر، وفلان سکتوا عنه، وھاتان العبارتان یقولھما البخاری فیمن ترکوا حدیثه"۔

لیکن محدثِ جلیل حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی رحمۃ اللہ علیہ نے حافظ ذہبی اور حافظ عراقی رحمہما اللہ کے قول کو محقق اور مفصل طور پر رد کیا ہے، دیکھیے حاشیۂ "الرفع والتکمیل" (ص ۳۸۹۔۳۹۱) وحاشیۂ قواعد فی علوم الحدیث (ص ۱۵۵۔۱۵۷) وحاشیۂ سیر اعلام النبلاء (ج ۱۲ ص ۴۳۹ و ۴۴۰)۔

۳)...... سیر اعلام النبلاء (ج ۱۲ ص ۴۴۱) وھدی الساری (ص ۴۸۰) ومقدمۂ قسطلانی (ص ۳۷)۔

ہزار احادیث اسی اندیشے کی وجہ سے ترک کردیں اور شبہہ ہی کی بنیاد پر ایک اور محدث کی اُتنی ہی یا اس سے زائد حدیثیں چھوڑ دیں۔(۱)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اہلِ علم کی نظر میں

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے استاذ محمد بن سلام بیکندی رحمۃ اللہ علیہ نے امام سے فرمایا" انظر فی کتبی، فما وجدت فیها من خطأ فاضرب علیه، کی لا أرویه" امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی حدیثوں پر نظر ثانی کی، چنانچہ جن احادیث کے بارے میں امام نے اطمینان ظاہر کیا ان پر ان کے استاذ نے لکھ دیا " رضی الفتی "اور جو احادیث ضعیف تھیں ان پر لکھا" لم یرض الفتی"(۲)۔

اسی طرح ان کے ایک دوسرے استاذ عبداللہ بن یوسف تنیسی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ان سے فرمایا"انظر فی کتبی وأخبرنی بما فیها من السقط" (۳)۔

آپ کے استاذ اسماعیل بن ابی اویس رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جس لطیف طریقے سے بخاری نے میری حدیثوں کی اصلاح کی اس طرح کسی نے نہیں کی، انہوں نے کہا کہ " أتاذن لی أن أجددها؟"یعنی میں ان کو دوبارہ لکھ دوں؟ انھوں نے اجازت دیدی، فرماتے ہیں "فاستخرج عامة حدیثی بهذه العلة"(۴) نیز خود امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں اسماعیل بن ابی اویس کی جن احادیث کا انتخاب کرتا تھا ان پر وہ

---

۱)...... ھدی الساری (ص۴۸۱) وتاریخ بغداد (ج۲ص۲۵)۔

۲)......تاریخ بغداد (ج۲ص۲۴)۔

۳)...... ھدی الساری (ص۴۸۳) وسیر اعلام النبلاء (ج۱۲ص۴۱۹)۔

۴)......سیر اعلام النبلاء (ج۱۲ص۴۳۰)۔

لکھ لیتے تھے " هذه الأحاديث انتخبها محمد بن إسمٰعيل من حديثی "(۱)۔

اسماعیل بن ابی اویس ہی کا قول ہے انھوں نے اپنے شاگرد امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا "انظر فی کتبی، وما أملكه لك، وأناشاكرلك مادمتُ حيّا" (۲)۔

حافظ رجاء بن مرجی فرماتے ہیں " فضل محمد بن إسمٰعيل على العلماء كفضل الرجال على النساء" (۳)۔

نیز فرمایا " هو آية من آيات الله يمشى على ظهر الأرض " (۴)۔

امام محمد بن اسحٰق بن خزیمہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں " ماتحت أديم السماء أعلم بالحديث من محمد بن إسماعيل" (۵)۔ حافظ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "ولوفتحت باب ثناء الائمة عليه ممن تاخر عن عصره لفنى القرطاس ونفدت الانفاس فذاك بحر لاساحل له......"(۶)۔

ابتلاء ووصال

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ بہت بڑے آدمی تھے اور قاعدہ یہ ہے کہ جب آدمی ترقی کرتا ہے تو اس کے حاسد پیدا ہو جاتے ہیں اور اس کو طرح طرح سے تکلیف واذیت پہنچائی جاتی ہے۔

---

۱)...... ھدی الساری (ص ۴۸۲)۔

۲)......سیر اعلام النبلاء (ج ۱۲ص ۴۲۹) وھدی الساری (ص ۴۸۲)۔

۳)......تاریخ بغداد (ج ۲ص ۲۵) وھدی الساری (ص ۴۸۳) وسیر اعلام النبلاء (ج ۱۲ص ۴۲۷)۔

۴)...... حوالۂ بالا۔

۵)...... ھدی الساری (ص ۴۸۵) وتاریخ بغداد (ج ۲ص ۲۷) وسیر اعلام النبلاء (ج ۱۲ص ۴۳۱)۔

۶)......ھدی الساری (ص ۴۸۵)۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو بھی اس صورتِ حال کا سامنا رہا، چنانچہ ان کو اپنے وطن سے بھی نکلنا پڑا۔

پہلی جلاوطنی

صاحب جواہرِ مضیئہ نے لکھا ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ بغداد سے واپس آئے تو فتویٰ دینا شروع کیا، بخارا کے مشہور امام اور عالم ابوحفص کبیر جو امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے، انھوں نے ان کو منع کیا کہ فتویٰ مت دیا کرو، لیکن وہ نہ مانے، چنانچہ ان سے کسی نے رضاعت کا مسئلہ پوچھا کہ آیا اگر دو بچے ایک بکری یا گائے کا دودھ پی لیں تو حرمتِ رضاعت ثابت ہو جائے گی یا نہیں؟ انھوں نے حرمت کا فتویٰ دیدیا، چنانچہ اس کے نتیجے میں ہنگامہ کھڑا ہو گیا اور امام بخاری کو اپنے وطن کو خیرباد کہنا پڑا۔ یہ واقعہ اگرچہ بڑے بڑے علماء نے نقل کیا ہے(۱) لیکن اس کے باوجود اس کی صداقت مشکوک ہے، یقیناً اس کی روایت میں وہم کا دخل ہے، ایک معمولی دین کی سمجھ رکھنے والا انسان بھی ایسی حماقت نہیں کرسکتا چہ جائیکہ اتنا بڑا امام، فقیہ، محدث ومفسر جس نے سولہ سال کی عمر میں وکیع بن جراح اور ابن المبارک کی کتابیں حفظ کرلی ہوں، وہ ایسا غلط فتویٰ کیسے دے سکتا ہے؟! اس لیے یہ

---

۱)...... چنانچہ یہ واقعہ امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ نے مبسوط میں نقل کیا ہے، صاحب جواہر مضیۂ نے ''جواہر مضیئہ'' (ج ۱ ص ۶۷۔ ترجمہ احمد بن حفص) میں شمس الائمہ سے نقل کیا ہے، اسی طرح یہ واقعہ عنایہ شرح ہدایہ، کفایہ شرح ہدایہ اور فتح القدیر میں بھی منقول ہے (دیکھیے ج ۳ ص ۳۱۹، ۳۲۰) اسی طرح علامہ حسین بن محمد بن الحسن دیار بکری نے بھی اپنی تاریخ خمیس میں (ج ۲ ص ۳۴۲) پر کشف الاسرار شرح المنار کے حوالہ سے یہ واقعہ ذکر کیا ہے۔ نیز دیکھیے فوائد بہیہ (ص ۱۸) تعلیقات دراسات اللبیب (ص ۳۰۴)۔

معلول ہے(۱)۔

دوسری دفعہ اخراج

دوسری مرتبہ اس وقت نکالے گئے جب انہوں نے فتویٰ دیا تھا کہ ایمان مخلوق ہے، ابوبکر بن حامد، ابوحفص الزاهد اور شیخ ابوبکر الاسماعیلی حنفیہ کے اکابر میں سے تھے انہوں نے ایک محضر پر دستخط کیے کہ ایمان مخلوق نہیں اور جو اس کے مخلوق ہونے کا قائل ہو وہ کافر ہے، چونکہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس کے مخلوق ہونے کے قائل تھے، اس لیے ان کو بخارا سے نکالا گیا، صاحب ''فصول عمادیہ'' نے اس کا تذکرہ کیا ہے۔(۲)

لیکن یہ مسئلہ مختلف فیہا ہے، احناف کے یہ اکابر غیر مخلوق ہونے کے قائل ہیں لیکن دوسری جماعت مخلوق ہونے کی قائل ہے، امام بخاری اور محمد بن نصر مروزی رحمہما اللہ وغیرہ اسی طرف ہیں۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے دونوں پر نکیر کی ہے، وہ فرماتے ہیں جو ایمان کو مخلوق کہتا ہے وہ کافر ہے اس لیے کہ اس میں کلام اللہ کی طرف تعریض ہے اور جو ایمان کو غیر مخلوق کہتا ہے وہ مبتدع ہے۔(۳)

حقیقت یہ ہے کہ اس مسئلہ میں تفصیل ہے، اگر کوئی ایمان بول کر کلمۂ شہادت مراد لیتا ہے اور اس کو مخلوق کہتا ہے تو غلط ہے کیونکہ "لا إله إلا الله محمد رسول الله''

۱)...... چنانچہ علامہ عبدالحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ فوائد بہیہ (ص۱۸) میں لکھتے ہیں "لکنی أستبعد وقوعها بالنسبة إلیٰ جلالة قدر البخاری ودقة فهمه وسعة نظره وغور فکره مما لایخفی علی من انتفع بصحیحه، وعلی تقدیر صحتها فالبشر یخطئ"۔

۲)......دیکھیے تعلیقات " دراسات اللبیب"(ص۲۰۴، ۳۰۵)۔

۳)...... دیکھیے " مجموع فتاوی شیخ الاسلام ابن تیمیه" (ج۷ص٦٥٥ ـ ٦٦١) فصل: وأما الإیمان هل هو مخلوق أو غیر مخلوق۔

قرآن کا دستور ہے اور اگر کوئی آدمی ایمان سے اقرارِ لسانی، تصدیق بالقلب اور عمل بالارکان مراد لیتا ہے تو یہ بالکل صحیح ہے اس لیے کہ انسان اپنی ذات وصفات کے ساتھ مخلوق ہے۔ مسئلہ کی تنقیح نہیں کی گئی، اجمال سے کام لیا گیا اس لیے اختلاف وتشدد کی نوبت آئی۔

تیسری مرتبہ جلاوطنی

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ جب ۲۵۰ھ میں نیشاپور تشریف لے گئے تو امام محمد بن یحیی ذہلی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ کل محمد بن اسمٰعیل کے استقبال کے لیے چلنا ہے جو چلنا چاہے چلے۔

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری کا ایسا استقبال ہوا کہ کسی والی یا حاکم وعالم کا ایسا کبھی استقبال نہیں ہوا تھا، دو تین منزل آگے بڑھ کر لوگوں نے امام سے ملاقات کی، آپ نیشاپور تشریف لائے اور اہلِ بخارا کے محلّہ میں قیام ہوا، امام ذہلی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے شاگردوں کو ان کے پاس جانے اور احادیث کے سماع کی ہدایت کی اور ساتھ ساتھ یہ بھی فرمایا کہ علمِ کلام کا کوئی مسئلہ دریافت نہ کرنا، کیونکہ اگر انھوں نے ہمارے خلاف کوئی بات کہہ دی تو نیشاپور اور خراسان کے ناصبی، رافضی، جہمی، مرجہ سب خوش ہونگے اور انتشار بڑھے گا۔

لیکن قاعدہ ہے " الإنسان حريص فيما مُنِع" چنانچہ ایک شخص نے برسرِ مجلس سوال کرلیا کہ آپ قرآن کریم کے الفاظ کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ امام صاحب جواب سے برابر اِعراض کرتے رہے پھر اس کے اصرار پر فرمایا " القرآن كلام الله غير مخلوق، وأفعال العباد مخلوقة، والامتحان بدعة"(۱)۔

۸۲)......ھدی الساری (ص ۴۹۰) وسیر اعلام النبلاء (ج ۱۲ ص ۴۵۴)۔

بعض لوگوں نے نقل کیا ہے کہ اول تو محمد بن یحیی ذُہلی نے لوگوں کو بخاریؒ سے سماع کی ترغیب دی تھی مگر جب ان کی طرف رجوع بڑھا تو ذُہلی کو سخت ناگوار ہوا اور انھوں نے بخاری پر تنقید کی تدابیر اختیار کیں۔(۱)

بہر حال امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے اس جواب پر شور مچ گیا، لوگوں میں اختلاف ہو گیا کہ انھوں نے "لفظی بالقرآن مخلوق" کہا ہے جبکہ لوگ انکار کرنے لگے۔ میزبانوں نے مفسدین کو نکال باہر کیا۔

یہ بات شدہ شدہ امام ذہلی تک پہنچی، انھوں نے اعلان کیا" القرآن کلام اللّٰہ غیر مخلوق من جمیع جھاته، وحیث تُصُرِّفَ، فمن لزم ھذا استغنیٰ عن اللفظ وعما سواہ من الکلام فی القرآن، ومن زعم أن القرآن مخلوق فقد کفر وخرج عن الإیمان، وبانت منه إمرأته، یستتاب، فإن تاب وإلّاضربت عنقه، وجعل ماله فیئا بین المسلمین، ولم یدفن فی مقابرھم، ومن وقف فقال: لا أقول: مخلوق ولاغیر مخلوق، فقد ضاھیَ الکفر، ومن زعم أن لفظی بالقران مخلوق، فھذا مبتدع، لایجالس، ولا یکلم، ومن ذھب بعد ھذا إلی محمد بن إسماعیل البخاری فاتھموہ فإنه لایحضر مجلسه إلا من کان علی مثل مذھبه" (۲)

نیز یہ بھی اعلان فرمایا" ألامن قال باللفظ فلا یحل له أن یحضر مجلسنا" (۳)

---

۱)...... ھدی الساری (ص۴۹۰) وتاریخ بغداد (ج۲ ص۳۰) وسیر اعلام النبلاء (ج۱۲ ص۴۵۳) وطبقات السبکی (ج۲ ص۱۱)

۲)......تاریخ بغداد (ج۲ ص۳۱،۳۲) سیر اعلام النبلاء (ج۱۲ ص۴۵۵۔۴۵۶)

۳)......سیر اعلام النبلاء (ج۱۲ ص۴۶۰) وھدی الساری (ص۴۹۱)۔

اس اعلان کے بعد امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اسی وقت اپنی چادر اپنے سر پر ڈالی اور اٹھ کر چل دیے، ان کے پیچھے پیچھے امام احمد بن سلمہؒ بھی مجلس سے اٹھ گئے...... امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے جتنی حدیثیں لی تھیں ساری واپس کر دیں۔(۱)

ادھر احمد بن سلمہؒ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آئے اور کہا کہ حضرت! خراسان میں ایک شخص بہت مقبول ہے اور اس مسئلہ میں وہ اڑ گیا ہے اب کیا کیا جائے؟ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ڈاڑھی پر ہاتھ پھیرا اور فرمایا "وأفوض أمری إلی اللہ إن اللہ بصیر بالعباد، اللھم إنك تعلم أنی لم أردِ المُقام بنیسابور أشرا، ولا بطرا، ولا طلباً للرئاسة، وانما أبت علی نفسی فی الرجوع إلی وطنی لغلبة المخالفین، وقد قصدنی ھذا الرجل حسداً لما آتانی اللہ، لاغیر" پھر فرمایا کہ اے احمد! میں کل ہی یہاں سے نکل جاؤں گا تا کہ میری وجہ سے آپ لوگ ان کی باتوں سے خلاصی پالیں (۲)۔

ادھر یہ ہوا کہ جب امام مسلم اور امام احمد بن سلمہ رحمہما اللہ امام ذہلی کی مجلس سے اٹھ گئے تو ذہلی نے کہہ دیا" لایساکننی ھذا الرجل فی البلد" امام بخاری وہاں سے روانہ ہو کر بخارا تشریف لے گئے۔(۳)

اب یہاں دو باتوں کی تحقیق ضروری ہے:۔

اول یہ کہ بخاری نے "لفظی بالقرآن مخلوق" کہا بھی ہے یا نہیں، امام سے "لفظی بالقرآن......" کہنا کہیں منقول نہیں ہے، تاریخ بغداد وغیرہ میں مذکور ہے کہ امام نے اس قول کی نسبت اپنی طرف غلط قرار دی ہے، چنانچہ غنجار نے تاریخِ بخارا میں اپنی سند

۱)...... سیر اعلام النبلاء (ج ۱۲ص ۴۶۰) وھدی الساری (ص ۴۹۱)۔

۲)...... سیر اعلام النبلاء (ج ۱۲ص ۴۵۹) وھدی الساری (ص ۴۹۱)۔

۳)...... سیر اعلام النبلاء (ج ۱۲ص ۲۶۰) وھدی الساری (ص ۴۹۱)۔

سے ابوعمرو احمد بن نصر خفاف سے نقل کیا ہے کہ ہم ابواسحاق قیسی کی مجلس میں تھے، ہمارے ساتھ محمد بن نصر مروزی بھی موجود تھے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر چل نکلا تو محمد بن نصر نے کہا کہ میں نے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے " من زعم أنی قلت: لفظی بالقرآن مخلوق، فهو كذاب فإنی لم أقله" خفاف نے کہا کہ لوگوں میں تو اس بات کی بڑی شہرت ہے!! محمد بن نصر نے جواب دیا کہ بات وہی ہے جو میں کہہ رہا ہوں۔

ابوعمرو خفاف کہتے ہیں کہ میں امام بخاری کے پاس پہنچا ان سے پہلے کچھ حدیثوں کے بارے میں بحث کی یہاں تک کہ وہ کھل گئے، پھر میں نے ان سے عرض کیا کہ یہاں کچھ لوگ آپ سے ایسی ایسی بات نقل کرتے ہیں، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں " يا أبا عمرو، احفظ ما أقول لك: من زعم من أهل نيسابور، وقومس، والری، وهمدان، وحلوان، وبغداد، والكوفة، والبصرة، ومكة، والمدينة، أنی قلت: لفظی بالقرآن مخلوق، فهو كذاب، فإنی لم أقله، ألا إنی قلت: أفعال العباد مخلوقة"(۱)۔

دوسری بات ہے مسئلہ اور اس کی تحقیق ...... سو اہلِ حق کا سلفاً وخلفاً اس بات پر اتفاق ہے کہ قرآن کریم اللہ تعالی کا کلام ہے، قدیم ہے اور غیر مخلوق ہے۔(۲)

---

۸۹)...... تاریخ بغداد (ج ۲ ص ۳۲) وطبقات السبکی (ج ۲ ص ۱۳) وسیر اعلام النبلاء (ج ۱۲ ص ۴۵۷، ۴۵۸) وھدی الساری (ص ۴۹۱)

۹۰)...... تحقیق کے لیے دیکھیے کشف الباری (ص ۱۴۹) مقدمۃ الکتاب۔

اپنے وطن بخارا میں آزمائش

پھر جب امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نیشاپور سے بخارا آئے تو اہلِ بخارا نے ان کی آمد پر زبردست استقبال کیا، امام بخاری نے وہاں درس شروع کیا، لوگ جوق در جوق حدیثیں سننے کے لیے آنے لگے۔

ادھر خالد بن احمد ذہلی حاکمِ بخارا نے امام سے درخواست کی کہ آپ دربارِ شاہی میں تشریف لاکر مجھے بخاری شریف اور تاریخ کا درس دیں، امام صاحب نے کہلا بھیجا" أنا لاأذلّ العلم و لا أحمله إلى أبواب الناس " اور فرمایا اگر تمہیں ضرورت ہو تو میری مسجد یا گھر میں حاضر ہوکر درس میں شرکت کرو، اگر تمہیں یہ بات پسند نہ ہو تو تم حاکم ہو مجھے درس سے روک دو تاکہ قیامت کے دن اللہ تعالی کے سامنے میں اپنا عذر پیش کرسکوں، کیونکہ میں علم کو چھپا نہیں سکتا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے " من سئل عن علم، فكتمه ألجم بلجام من نار"(۱)۔

بہر کیف امام صاحب وہاں سے نکل کر بیکند پہنچے، وہاں بھی آپ کے بارے میں لوگوں میں اختلاف ہوگیا، ایک فریق آپ کے موافق تھا اور دوسرا فریق آپ کے مخالف، اس لیے وہاں بھی قیام مناسب نہیں سمجھا، اسی دوران اہلِ سمرقند نے آپ کو دعوت دی، آپ نے ان کی دعوت قبول فرمالی، بیکند سے روانہ ہوئے راستہ میں ''خرتنگ'' میں رک گئے جہاں آپ کے کچھ رشتہ دار تھے۔

غالب بن جبریل جو آپ کے میزبان تھے، ان کا بیان ہے کہ میں نے امام

---

۱)...... سنن أبي داود، كتاب العلم، باب كراهية منع العلم، رقم (٣٦٥٨)۔ جامع ترمذی كتاب العلم، باب ماجاء فی كتمان العلم، رقم (٢٦٤٩) وسنن ابن ماجه، مقدمه، باب من سئل عن علم فكتمه، رقم(٢٦١) و (٢٦٤) و(٢٦٥) و(٢٦٦) ومسند أحمد (ج٢ ص٢٦٣ و ٣٠٥ و٣٤٤ و ٣٥٣ و٤٩٥)۔

بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو رات کے وقت تہجد کے بعد دعا کرتے ہوئے سنا" اللهم إنه قد ضاقت عليّ الأرض بما رحبت فاقبضني إليك" اس کے بعد مہینہ بھی پورا نہیں ہوا تھا کہ آپ کا انتقال ہو گیا......رمضان کے آخر میں اہلِ سمرقند کی متفقہ دعوت پر آپ سمرقند کے لیے روانہ ہونے لگے، امام نے سواری طلب کی، دو آدمیوں کے سہارے چند قدم چلے تھے کہ فرمایا کہ مجھے بٹھاؤ، ضعف بہت بڑھتا جا رہا تھا، آپ نے کچھ دعا کی اور وہیں ''خرتنگ'' میں شبِ عید الفطر ۲۵۶ھ میں وصال فرمایا، عید کے دن ظہر کے بعد وہیں آپ کو سپردخاک کر دیا گیا۔(۱)

ایک بشارت

عبدالواحد بن آدم طواویسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک جگہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کے ساتھ کھڑے ہیں، میں نے سلام کیا، آپ نے سلام کا جواب دیا، میں نے پوچھا یا رسول اللہ! آپ یہاں کیوں کھڑے ہیں؟ آپ نے فرمایا ہم محمد بن اسمٰعیل بخاری کا انتظار کر رہے ہیں...... چند دنوں کے بعد امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کی اطلاع پہنچی تو یہ بعینہ وہی وقت تھا جس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے دیکھا تھا۔(۲)

---

۱)...... دیکھیے ھدی الساری (ص ۴۹۳) وسیر اعلام النبلاء (ج ۱۲ ص ۴۶۶، ۴۶۷) وتاریخ بغداد (ج ۲ ص ۳۴) وطبقات السبکی (ج ۲ ص ۱۴، ۱۵) وتھذیب الکمال (ج ۲۴ ص ۴۶۶)، کشف الباری ص (۱۵۳ مقدمہ)۔

۲)......تھذیب الکمال (ج ۲۴ ص ۴۶۷) تاریخ بغداد (ج ۲ ص ۳۴) وسیر اعلام النبلاء (ج ۱۲ ص ۴۶۸) وھدی الساری (ص ۴۹۳) وطبقات السبکی (ج ۲ ص ۱۴)۔

تصانیف

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اٹھارہ سال کی عمر میں " قضایاالصحابة والتابعین" لکھی (۱) اس کے بعد مدینہ منورہ میں چاندنی راتوں میں "تاریخ کبیر" لکھی (۲) امام اسحاق بن راھویہ رحمۃ اللہ علیہ نے یہ کتاب امیر عبداللہ بن طاہر کے سامنے یہ کہتے ہوئے پیش کی کہ "میں آپ کو جادو نہ دکھاؤں؟" امیر نے دیکھ کر تعجب کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ میں نہیں سمجھتا کہ یہ ان کی تصنیف ہوگی (۳)۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف درج ذیل ہیں:۔

۱۔ صحیح بخاری شریف ۲۔ قضایا الصحابة والتابعین ۳۔ الأدب المفرد ٤۔ جزء رفع الیدین ٥۔ جزء القراء ۃ خلف الإمام ٦۔ تاریخ کبیر ۷۔ تاریخ أوسط ۸۔ تاریخ صغیر ۹۔ خلق أفعال العباد ۱۰۔ کتاب الضعفاء ۱۱۔برالوالدین۔

ان کتابوں کے علاوہ چند تصنیفات اور ہیں جن کا ذکر مختلف محدثین نے کیا ہے:

۱۲۔ جامع کبیر، اس کو محدث ابن طاہر نے ذکر کیا ہے۔۱۳۔ مسند کبیر ۱۴۔ تفسیر کبیر، اس کو فربری نے ذکر کیا ہے ۱۵۔ کتاب الأشربہ، اس کا ذکر امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا ہے۔۱٦۔ کتاب الھبۃ، اسکا ذکر وراقِ بخاری ابن ابی حاتم نے کیا ہے۔۱۷۔ اسامی الصحابہ، اس کا ذکر محدث ابوالقاسم بن مندہ نے کیا ہے۔۱۸۔ کتاب الوُحدان ۱۹۔ کتاب

---

۱)...... ھدی الساری (ص ۴۷۸) وسیر اعلام النبلاء (ج ۱۲ص ۴۰۰) وطبقات السبکی (ج ۲ص ۵) وتاریخ بغداد (ج ۲ص ۷)۔

۲)...... حوالہ جاتِ بالا۔

۳)......ھدی الساری (ص ۴۸۳) وتاریخ بغداد (ج ۲ ص ۷) وسیر اعلام النبلاء (ج ۱۲ص ۴۰۳) وطبقات (ج ۲ص ۷)۔

المبسوط، ذكره الخليلي في الإرشاد ۲۰۔ کتاب العلل اس کا ذکر بھی ابن مندہؒ نے کیا ہے۔ ۲۱۔ كتاب الكنىٰ، ذكره الحاكم أبوأحمد ۲۲۔ كتاب الفوائد، ذكره الترمذي في أثناء كتاب المناقب من جامعه (۱)۔

بخاری شریف کا نام

ان تمام تصانیف میں سب سے مشہور صحیح بخاری ہے، امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا نام " الجامع المسند الصحيح المختصر من أمور رسول صلى الله عليه وسلم وسننه وأيامه" لکھا ہے۔ (۲) جبکہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا نام "الجامع الصحيح المسند من حديث رسول صلى الله عليه وسلم وسننه وأيامه" تحریر کیا ہے (۳)۔

''جامع'' اُمورِ ثمانیہ کی وجہ سے کہا جاتا ہے۔

''مُسنَد'' اس لیے کہ سِندِ متصل کے ساتھ مرفوع روایات نقل کی ہیں اور جو آثار وغیرہ مذکورہ ہیں وہ ضمناً وتبعاً ہیں۔

''صحیح'' اس لیے کہ اس میں ''صحت'' کا التزام کیا گیا ہے۔

''مختصر'' اس لیے کہا کہ تمام صحیح احادیث کا اس میں احاطہ نہیں کیا، خود امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے " ماأدخلت في هذاالكتاب إلاماصح، وتركت من

---

۱)......دیکھیے ھدی الساری (ص ۴۹۱، ۴۹۲)۔

۲)......دیکھیے تہذیب الاسماء واللغات (ج ۱ ص ۷۳) ومقدمۂ لامع الدراری (ص ۸۳)۔

۳)......دیکھیے ھدی الساری (ص ۸) الفصل الثاني في بيان موضوعه والكشف عن مغزاه فيه۔

الصحاح کی لایطول الکتاب" (۱)۔

" من أمور رسول لله صلی اللّٰه علیه و سلم"یا" من حدیث رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم" سے آپ کے اقوال مراد ہیں۔

''سنن'' سے افعال وتقریرات کی طرف اشارہ ہے۔

اور''ایام'' سے غزوات اوران تمام واقعات کی جانب اشارہ ہے جوآپ کے عہد مبارک میں پیش آئے۔

امام نے بہت سی روایتیں ایسی ذکر کی ہیں جن میں آپ کا قول یا فعل یا تقریر مذکورنہیں، ایسے مقامات میں لوگوں کواشکال پیش آتا ہےاگر کتاب کا پورا نام پیش نظر ہوتو اشکال نہیں ہوتا۔

سببِ تالیفِ صحیح بخاری

اس کتاب کی تالیف کےدوسبب بیان کیے جاتے ہیں:

۱۔ابراہیم بن معقِل نسفی کہتے ہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ ہم اپنے استاذ اسحاق بن راھویہ کی مجلس میں تھے کہ ہمارے ساتھیوں میں سے ایک شخص نے کہا " لو جمعتم کتاباً مِختصراً لسنن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم" مقدمہ فتح کے الفاظ ہیں " لوجمعتم کتاباً مختصراً لصحیح سنة رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم"

---

۱)...... سیر اعلام النبلاء (ج ۱۲ ص ۴۰۲) وتاریخ بغداد (ج ۲ ص ۹) وتہذیب الاسماء واللغات (ج ۱ ص ۶۷) وطبقات السبکی (ج ۲ ص ۷) وھدی الساری (ص ۷)۔

اس قول کی وجہ سے میرے دل میں اس کتاب کی تالیف کا داعیہ پیدا ہوا۔(۱)

۲۔محمد بن سلیمان بن فارسؒ کہتے ہیں کہ میں نے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے سنا ہے، وہ فرما رہے تھے کہ میں نے خواب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا، میں آپ کے سامنے کھڑا تھا، میرے ہاتھ میں پنکھا تھا جس سے میں آپ سے مکھیاں اڑا رہا تھا، بعض معبّرین سے میں نے تعبیر پوچھی تو انھوں نے کہا کہ " أنت تذب عنه الكذب" اس خواب کے واقعہ سے میرے دل میں احادیثِ صحیحہ جمع کرنے کا شوق ہوا۔(۲)

ان دونوں اسباب میں منافات نہیں، دونوں سبب ہو سکتے ہیں، خواب بھی محرک بنا ہوگا اور امام اسحٰق بن راھویہ کی مجلس کے واقعہ سے بھی داعیہ پیدا ہوا ہوگا۔

تالیف کی ابتداء وانتہاء

صحیح بخاری کی تالیف کی ابتداء کب ہوئی؟ اور اختتام کب ہوا؟ کتبِ رجال وتاریخ میں اس کی کوئی تصریح نہیں۔البتہ حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بعض واقعات سے اخذ کر کے فرمایا ہے کہ ۲۱۷ھ میں اس کی ابتدا ہوئی اور ۲۳۳ھ میں اختتام

۱)...... دیکھیے تاریخ بغداد (ج ۲ ص ۸) وتہذیب الکمال (ج ۲۴ ص ۴۴۲) وسیر اعلام النبلاء (ج ۱۲ ص ۴۰۱) وطبقات السبکی (ج ۲ ص ۷) وھدی الساری (ص ۷) وتہذیب الاسماء واللغات (ج ۱ ص ۷۴)۔

تنبیہ:۔ان تمام مراجع میں "لو جمعتم......" والا قول ایک مبہم شخص کی طرف منسوب ہے سوائے "ھدی الساری" کے کہ اس میں امام اسحاق بن راھویہ کی طرف منسوب ہے، بظاہر یہ درست نہیں ہے کیونکہ تقریباً حضرات نے خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کی سند سے اس واقعہ کو نقل کیا ہے اور اس میں "فقال بعض أصحابنا" ہے، خود ھدی الساری نے بھی اسی سند سے اس واقعہ کو نقل کیا ہے۔ فانتبہ

۲)......تہذیب الاسماء واللغات (ج ۱ ص ۷۴) وھدی الساری (ص ۷)۔

ہوا...... اس کی تفصیل یہ ہے کہ ابوجعفر محمود بن عمرو عقیلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام بخاریؒ نے جب اپنی کتاب تالیف کی تو امام احمد بن حنبل، یحیی بن معین اور علی بن المدینی رحمہم اللہ تعالی کے سامنے اس کو پیش کیا، سب نے تحسین فرمائی اور صرف چار احادیث میں اختلاف کیا، عقیلی فرماتے ہیں کہ ان چار میں بھی بخاری کی رائے راجح ہے۔ (۱)

ان میں سے یحیی بن معین رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ۲۳۳ھ میں ہوا، (۲) علی بن المدینی رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ۲۳۴ھ میں (۳) اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ۲۴۱ھ میں ہوا، (۴) ان تینوں ائمہ کے سامنے یہ کتاب جب ہی پیش ہوسکتی ہے جب ۲۳۳ھ میں مکمل ہوگئی ہو اور یہ متعین ہے کہ کتاب سولہ سال میں مکمل ہوئی۔ (۵) ۲۳۳ھ میں سے ۱۶ نکال لیں تو ۲۱۷ بچتے ہیں، (۲۳۳-۱۶=۲۱۷) لہذا کہا جائے گا کہ ۲۱۷ھ میں اس کی تالیف کا آغاز ہوا، اس وقت امام کی عمر تیئیس سال تھی اور ۲۳۳ھ میں اس کو مکمل کیا، اس وقت امام کی عمر انتالیس سال تھی۔

پھر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس کے بعد تیئیس سال زندہ رہے تو حسب قاعدہ مصنفین اپنی کتاب میں گھٹاتے بڑھاتے رہے، اسی وجہ سے نسخوں میں اختلاف پایا جاتا ہے، چنانچہ حماد بن شاکر کے نسخہ میں، فربری کے نسخہ کے مقابلہ میں دوسو احادیث کم ہیں اور

۱)...... دیکھیے ھدی الساری (ص ۷)۔
۲)...... تقریب التہذیب (ص ۵۹۷) ترجمہ (۷۶۵۱)۔
۳)...... تقریب (ص ۴۰۳) ترجمہ (۴۷۶۰)۔
۴)...... تقریب (ص ۸۴) ترجمہ (۹۶)۔
۵)...... دیکھیے تاریخ بغداد (ج ۲ ص ۱۴) وسیر اعلام النبلاء (ج ۱۲ ص ۴۰۵) وتہذیب الاسماء واللغات (ج ۲ ص ۷۴) وطبقات السبکی (ج ۲ ص ۷) وھدی الساری (ص ۴۸۹)۔

ابراہیم کے نسخہ میں تو تین سو احادیث کم ہیں۔(۱)

صحیح بخاری کا ایک امتیاز

ابن عدیؒ فرماتے ہیں کہ عبدالقدوس بن ھمام کا بیان ہے کہ میں نے بہت سے مشائخ سے سنا ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح بخاری کے تراجم ریاض الجنۃ میں منبرِ مبارک اور روضۂ مطہرہ کے درمیان لکھے ہیں اور وہ ہر ترجمہ کے لیے دو رکعت نماز ادا کیا کرتے تھے۔(۲)

عمر بن محمد بن بجیر البجیری کہتے ہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا میں نے یہ کتاب مسجدِ حرام میں لکھی ہے، ہر حدیث کو لکھنے سے پہلے استخارہ کیا، دو رکعت نماز پڑھی اور جب تک اس کی صحت کا یقین نہیں ہوا اس کو کتاب میں درج نہیں کیا۔(۳)

ان دونوں باتوں میں کوئی تضاد نہیں، ممکن ہے مسودہ مسجدِ حرام میں لکھا ہو اور تبییض ریاض الجنۃ میں کی ہو، یہ بھی ہوسکتا ہے کہ تراجم تو ریاض الجنۃ میں لکھے ہوں اور احادیث لکھنے کی ابتدا مسجدِ حرام سے کی ہو، کیونکہ پیچھے ذکر کیا جاچکا ہے کہ یہ کتاب سولہ سال میں مکمل کی گئی ہے، اور یہ مدت کسی ایک جگہ بیٹھ کر نہیں گذاری گئی۔(۴)

---

۱)......دیکھیے مقدمہ لامع الدراری (۱۳۴) الفائدۃ السادسۃ۔

۲)......تہذیب الاسماء واللغات (ج۱ ص۷۴) و سیر اعلام النبلاء (ج۱۲ ص۴۰۴) وھدی الساری (ص۴۸۹)۔

۳)......ھدی الساری (ص۴۸۹)۔

۴)......دیکھیے ھدی الساری (ص۴۸۹)...... قال النووی رحمۃ اللہ تعالی: "قال آخرون۔ منہم أبوالفضل محمد بن طاہر المقدسی۔: صنفہ ببخاری، وقیل: بمکۃ، ویقل: بالبصرۃ، و کل ھذا صحیح، ومعناہ أنہ کان یصنف فیہ فی کل بلدۃ من ھذہ البلدان فإنہ بقی فی تصنیفہ ست عشرۃ سنۃ......" تہذیب الأسماء واللغات (ج۱ ص۷۴)۔

تعدادِ روایات صحیح بخاری

حافظ ابن الصلاح رحمۃ اللہ علیہ نے ''مقدمہ'' میں لکھا ہے " جملة مافی کتابه "الصحیح" سبعة آلاف ومائتان وخمسة وسبعون حدیثاً بالأحادیث المکررة، وقد قیل: إنها بإسقاط المکررة أربعة آلاف حدیث" یعنی مکررات کو شمار کرکے صحیح بخاری کی احادیث کی تعداد سات ہزار دو سو پچھتر حدیثیں ہوتی ہیں اور مکررات کو حذف کرنے کے بعد چار ہزار احادیث بنتی ہیں۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے ''تقریب'' میں اور حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے ''اختصار علوم الحدیث'' میں اسی کی اتباع کی ہے۔(۱)

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ''شرح بخاری'' (۲) میں اور تہذیب الاسماء واللغات (۳) میں بھی یہی تعداد ذکر کی ہے لیکن ان دونوں کتابوں میں ''مسندۃ'' کی قید لگا دی، جس سے وہ تمام روایات نکل جاتی ہیں جو تعلیقات و متابعت کی صورت میں ہیں۔ پھر انھوں نے اپنی شرح بخاری میں حافظ ابوالفضل محمد بن طاہر کی کتاب " جواب المتعنت" سے تفصیلاً تمام روایات کی تعداد ذکر کی ہے، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ان تمام تفصیلات کو مقدمہ میں نقل کیا ہے اور جابجا ان پر تنقید کی ہے اور آخر میں فرمایا کہ میری تحقیق کے مطابق بخاری شریف میں مکررات سمیت سات ہزار تین سو ستانوے حدیثیں ہیں۔(۴)

---

۱)...... دیکھیے تقریب النووی مع تدریب الراوی (ج۱ ص۱۰۲) اور اختصار علوم الحدیث مع شرح الباعث الحثیث (ص۲۰)۔

۲)...... دیکھیے مقدمۂ لامع الدراری (ص۱۲۴،۱۲۵)۔

۳)...... تہذیب الأسماء واللغات (ج۱ ص۷۵)۔

۴)...... دیکھیے ھدی الساری (ص۴۶۵۔۴۶۹) الفصل العاشر فی عدّ أحادیث الجامع۔

یہی تعداد قابلِ اعتماد ہے۔ تفصیل سمجھنے سے پہلے یہ سمجھ لیجئے کہ صحیح بخاری میں کچھ روایات مرفوعہ موصولہ ہیں، کچھ معلقات ہیں اور کچھ متابعات، پھر معلقات کی دو قسمیں ہیں ایک قسم وہ معلّقات ہیں جن کی تخریج مؤلف نے خود اپنی صحیح میں کسی جگہ کر دی ہے اور دوسری قسم وہ معلّقات ہیں جن کی تخریج انھوں نے نہیں کی، اب ان میں سے ہر ایک کی تفصیل سمجھ لیجئے۔

روایاتِ مرفوعة موصولة مع مکررات	۷۳۹۷
روایاتِ معلّقة مخرجة المتون فی الصحیح	۱۳٤۱
متابعات (۱)	۳٤٤
میزان	۹۰۸۲
روایاتِ مرفوعة موصولة بدون تکرار	۲٦۰۲
روایاتِ معلقة غیر مخرجة المتون فی الصحیح	۱۵۹
میزان کل احادیث بدون تکرار	۲۷٦۱

حافظ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مذکورہ عدد آثارِ صحابہ ومقطوعاتِ تابعین کے علاوہ ہے جن کی کل تعداد پوری کتاب میں ایک ہزار چھ سو آٹھ ہے۔ (۲)

موضوعِ کتاب

حافظ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صحیح بخاری کا اصل موضوع تو ہے احادیثِ صحیحہ کا جمع کرنا، چنانچہ یہ موضوع اس کے نام سے ظاہر ہے " الجامع الصحیح المسند من

۱۱۶)......مقدمۂ فتح الباری (ص ۴۶۹) میں متابعات کی تعداد تین سو اکتالیس مذکور ہے جو سہوِ کاتب ہے صحیح تعداد تین سو چوالیس ہے جو قسطلانیؒ نے حافظؒ سے نقل کیا ہے، اگر تین سو اکتالیس کا عدد ہو تو مجموعہ نو ہزار بیاسی نہیں بنتا جس کی حافظؒ نے تصریح کی ہے۔ فتنبہ۔

۱۱۷)......دیکھیے فتح الباری (ج ۱۳ ص ۵۴۳) خاتمہ۔

حديث رسول الله صلى الله عليه وسلم وسننه وأيامه" اس کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی اس کتاب میں پیش نظر ہے کہ فقہی استنباطات وفوائد کا بھی اس میں ذکر کیا جائے، چنانچہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے متون حدیث سے جو فقہی استنباطات کئے ہیں ان کو متفرق ابواب میں ذکر کردیا ہے۔(۱)

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ علماءِ حدیث نے سب سے پہلے جب اس علم کو مدون کیا تو چار فنون پر تقسیم کیا ہے۔

۱۔فن السنۃ یعنی فقہ، جیسے مؤطا امام مالک اور جامع سفیان۔

۲۔فن تفسیر، جیسے کتاب ابن جریج۔

۳۔فن سیر، جیسے محمد بن اسحاق کی کتاب۔

۴۔فن زہد ورقائق جیسے امام ابن المبارک کی کتاب۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا ارادہ یہ ہوا کہ ان چاروں فنون کو یکجا کردیا جائے اور صرف ان احادیث کو ذکر کیا جائے جن پر امام بخاری سے پہلے یا ان کے زمانے میں صحت کا حکم لگایا جاچکا ہے، نیز یہ کہ اس کتاب کو مرفوع اور مسند احادیث کے لیے مختص کردیا جائے۔اسی لیے انہوں نے اپنی کتاب کا نام "الجامع الصحیح المسند" رکھا ہے، جہاں تک آثار وغیرہ کا تعلق ہے سو وہ تبعاً ذکر کیے گئے ہیں اصالۃً نہیں۔

پھر امام بخاریؒ کا یہ مقصود بھی ہے کہ احادیث سے خوب استنباط کیا جائے، چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا ہے، ایک ایک حدیث سے وہ بہت سے مسائل مستنبط کرتے ہیں، یہ طریقہ ان سے پہلے کسی نے اختیار نہیں کیا۔(۲)

---

۱)......ھدی الساری (ص ۸)۔الفصل الثانی فی بیان موضوعہ والکشف عن مغزاہ فیہ۔
۲)...... دیکھیے ابتداءِ رسالہ شرح تراجم ابواب صحیح البخاری مطبوعہ مع صحیح بخاری (ص ۱۳)۔

شروطِ صحیح بخاری(۱)

شروط کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ مصنفینِ کتب تالیف کے وقت بعض امور کو پیش نظر رکھتے ہیں، انہی کے مطابق کتاب میں مضامین لاتے ہیں ان سے ہٹ کر کچھ ذکر نہیں کرتے، ائمہ ستہ نے بھی اپنی کتابوں میں کچھ شروط کا لحاظ کیا ہے لیکن ان حضرات سے یہ تصریح منقول نہیں کہ میں نے فلاں شرط پیش نظر رکھی ہے، بعد کے علماء نے ان کی کتابوں کا مطالعہ کر کے ان شروط کا استنباط کیا ہے۔(۲)

امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ ''صحیح متفق علیہ کی پہلی قسم وہ ہے جس کو امام بخاری ومسلم نے اختیار کیا ہے اور وہی اول درجہ کی صحیح ہے، یعنی وہ حدیث جس کو ایسا صحابی بیان کرے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرنے میں مشہور ہو، اس صحابی سے اس

---

۱)...... قال الإمام الكوثري رحمه الله تعالى في تعليقه على "شروط الأئمة الخمسة للحازمي" (ص۷۳) المطبوع مع سنن ابن ماجه): " أول من ألف في شروط الأئمة۔ فيما نعلم۔ هو الحافظ أبوعبدالله محمد بن إسحاق بن منده المتوفى سنة خمس وتسعين وثلاثمائة، وقد ألف جزء اً سماه" شروط الأئمة في القراء ة والسماع والمنازلة والإجازة" ثم الحافظ محمد بن طاهر المقدسي التوفى سنة سبع وخمس مائة ألف جزء اً سماه " شروط الأئمة الستة" وهما موضع أخذ وردّ، ثم أتى الحافظ البارع، فألف هذا الجزء وأجاد، وهو جمّ العلم، جليل الفوائد، على صِغرِ حجمه، يفتح للمطلعين عليه أبواب السبر والفحص وينبههم على نكت قلما ينتبه إليها"۔

۲)...... چنانچہ حافظ ابوالفضل محمد بن طاہر مقدسی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں'' اعلم أن البخاري ومسلما ومن ذكرنا بعدهم لم ينقل عن واحد منهم أنه قال: شرطت أن أخرج في كتابي مايكون على الشرط الفلاني، وإنما يعرف ذلك من سبر كتبهم، فيعلم بذلك شرط كل رجل منهم" دیکھیے ابتداء شروط الأئمة الستة (ص۷۰) مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی مع سنن ابی ماجہ۔

حدیث کے دو ثقہ راوی ہوں، پھر اس حدیث کو وہ تابعی بیان کرے جو صحابہ سے روایت کرنے میں مشہور ہو اور اس کے بھی دو ثقہ راوی ہوں، پھر تبع تابعین میں سے حافظ متقن مشہور اسے روایت کرے، اور چوتھے طبقہ میں اس حدیث کے دو سے زیادہ راوی ہوں، پھر بخاری یا مسلم کا شیخ حافظ و متقن ہو اور اپنی روایت میں عادل ہونے کی شہرت رکھتا ہو۔'' (۱)

اس لحاظ سے حاکم کے نزدیک حدیث صحیح کے لیے تین باتوں کا پایا جانا ضروری ہے، جو بقول ان کے شیخین کی شرط میں سے ہے۔

۱۔ صحابی اور تابعی سے اس حدیث کے دو ثقہ راوی ہوں اور طبقۂ رابعہ میں اس کے دو سے زائد راوی ہوں، گویا کہ ہر طبقہ میں دو راوی ہونے ضروری ہیں۔

۲۔ امام بخاری و مسلم کے شیخ سے لے کر صحابی تک ہر ایک راوی ثقہ اور روایتِ حدیث میں مشہور ہو۔

۳۔ شیوخِ شیخین اور اَتباعِ تابعین میں سے جو بھی اس حدیث کو روایت کرے وہ ثقہ اور مشہور ہونے کے ساتھ ساتھ حافظ اور متقن بھی ہو۔

یہاں ہم ان شروط کو ذکر کرتے ہیں جو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے خاص طور پر اپنی صحیح میں ملحوظ رکھی ہیں:۔

۱۔ سند متصل ہو، راوی مسلمان، صادق، غیر مدلّس اور غیر مختلط ہو، عدالت کی صفات سے متصف ہو، ضابط ہو، سلیم الذہن اور قلیل الوھم ہو اور عقیدہ اس کا درست ہو۔ (۲)

۲۔ راوی کی مروی عنہ سے کم از کم ایک دفعہ ملاقات ثابت ہو۔ (۳)

---

۱)...... دیکھیے معرفۃ علوم الحدیث للحاکم (ص ۶۲) ذکر النوع التاسع عشر من علوم الحدیث وھو معرفۃ الصحیح والسقیم۔ والمدخل فی أصول الحدیث (ص ۹)۔

۲)...... دیکھیے ھدی الساری (ص ۹) وشروط الائمۃ الخمسۃ للحازمی (ص ۷۸، ۷۹)۔

۳)...... مقدمۃ فتح الملہم (ص ۱۷۲) نیز دیکھیے النکت علی کتاب ابن الصلاح (ج ۱ ص ۲۸۹) النوع الأول: الصحیح۔

۳۔ رواۃ ایسے ہوں جو اہلِ حفظ واتقان میں سے ہوں اور اپنے اساتذہ کی طویل صحبت پائی ہو، کبھی ان رواۃ سے بھی حدیث لے لیتے ہیں جو طویل الملازمۃ نہیں ہوتے، لیکن یہ عمومی شرط ہے۔(۱)

۴۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اپنی صحیح میں کسی مدلس کی روایت اس وقت تک ذکر نہیں کرتے جب تک وہ تحدیث کی صراحت نہیں کرتا خواہ اس حدیث میں یا کسی اور سند میں۔(۲)

۵۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اگر کسی ایسے شخص کی روایت تخریج کرتے ہیں جس پر کلام ہو تو اس کی وہ روایت نہیں لیتے جس پر نکیر کی گئی ہو۔(۳)

۶۔ اگر راوی میں کسی قسم کا قصور ہو، اور پھر وہ روایت دوسرے طریق سے بھی مروی ہو جس سے قصور کی تلافی ہو جاتی ہو تو ایسی حدیث بھی امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی شرط کے تحت داخل ہو جاتی ہے۔(۴)

یہ چند شروط ہیں، کچھ مزید شروط بھی ہیں جو فتح الباری اور ھدی الساری وغیرہ کے تتبع سے نکل سکتی ہیں۔

---

۱)......دیکھیے شروط الأئمۃ الخمسۃ للحازمی (ص۷۹،۸۰) وھدی الساری (ص۹) ومقدمہ لامع الدراری (ص۸۹)۔

۲)......دیکھیے ھدی الساری (ص۴۴۹)۔

۳)......فتح الباری (ج۱ص۱۸۹) کتاب العلم، باب من أعاد الحدیث ثلاثا لیفھم عنہ۔

۴)......فتح الباری (ج۹ص۶۳۵) کتاب الصید والذبائح، باب ذبیحۃ الأعراب ونحوھم، اور کشف الباری ص۱۶۱۔۱۶۶۔

خصائصِ صحیح بخاری

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب میں سب سے اہم خصوصیت تراجم ہیں، ایسے تراجم نہ ان سے پہلے کسی نے قائم کیے اور نہ ان کے بعد کسی نے قائم کیے۔ ان کے بعض تراجم آج تک معرکۃ الآراء بنے ہوئے ہیں اور ان کی صحیح مراد آج تک متعین نہیں کی جاسکی، ہر شخص اپنی معلومات اور قرائن کی مدد سے تعیین مراد کی کوشش کرتا ہے۔ تراجم پر انشاء اللہ مستقل کلام آگے آئے گا۔

دوسری خصوصیت یہ ہے کہ اثباتِ احکام کے لیے تراجم میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اکثر آیات قرآنیہ کو ذکر کرتے ہیں۔(۱)

تیسری خصوصیت یہ ہے کہ صحابہ وتابعین کے آثار سے مسائل مختلف فیہا کی وضاحت کرتے ہیں اور جب مختلف آثار ذکر کرتے ہیں تو جو اثر ان کے نزدیک راجح ہوتا ہے اس کو پہلے بیان کرتے ہیں۔

چوتھی خصوصیت یہ ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے پوری ''الجامع الصحیح'' میں کوئی ایسی روایت ذکر نہیں کی جس کو انھوں نے اپنے استاذ سے علی سبیل المکاتبۃ لیا ہو، البتہ کتاب الأیمان والنذور میں ایک روایت ایسی لائے ہیں جس میں "كتب إلى محمد بن بشار" فرمایا ہے،(۲) سند کے درمیان مکاتبت کا آجانا دوسری بات ہے اور وہ امام بخاری کا فعل نہیں ہے بلکہ دوسرے راویوں کا عمل ہے۔(۳)

---

۱)......مقدمۂ لامع (ص۱۰۲)۔

۲)......دیکھیے صحیح بخاری (ج۲ ص۹۸۷) کتاب الأیمان والنذور، باب إذا حنث ناسیا فی الأیمان، رقم (۶۶۷۳)۔

۳)......دیکھیے تدریب الراوی (ج۲ ص۵۶) النوع الرابع والعشرون: کیفیۃ سماع الحدیث وتحملہ، القسم الخامس: الکتابۃ۔

پانچویں خصوصیت یہ ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ بدء الحکم کا ذکر بھی کیا کرتے ہیں جیسے بدء الوحی بدء الحیض، بدء الاذان اور بدء الخلق کا ذکر فرما کر حکم کی ابتدا کی طرف اشارہ کیا ہے۔(۱)

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ بعض اوقات بغیر تصریح کے اشارۃً بھی حکم کی ابتداء کو بیان کرتے ہیں۔ (۲)

چھٹی خصوصیت یہ ہے کہ وہ براعت اختتام کی طرف اشارہ کرتے ہیں، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ ہے کہ ہر کتاب کے آخر میں جب امام بخاری خاتمہ پر دلالت کرنے والا لفظ لاتے ہیں تو اس کتاب کے اختتام کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔(۳)

حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ انسانی زندگی کے ختم ہونے کو یاد دلاتے ہیں۔(۴)

ساتویں خصوصیت یہ ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فترت کے بعد تالیف "بسم اللہ الرحمن الرحیم" سے شروع کرتے ہیں۔(۵)

لیکن یہ نقطۂ نظر ضعیف ہے، کیونکہ بعض اوقات کوئی خاص کتاب شروع کرتے وقت اس کتاب کے مستقل ہونے کا لحاظ کرتے ہوئے بھی تسمیہ کو لاتے ہیں۔

---

۱)......مقدمۂ لامع (۱۰۸)۔

۲)......حوالۂ بالا۔

۳)......فتح الباری (ج ۱۳ ص ۵۴۳) شرح الحدیث الاخیر۔

۴)......مقدمۂ لامع (ص ۱۱۳)۔

۵)......مقدمۂ لامع (ص ۹۶) ولامع الدراری (ج ۲ ص ۳۶۰)۔

آٹھویں خصوصیت صحیح بخاری کی ثلاثیات ہیں، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بائیس ثلاثیات اپنی کتاب میں درج کی ہیں۔

ثلاثیات

یہ وہ کتابیں ہیں جن میں ایسی روایات جمع کی جاتی ہیں کہ ان میں مصنف سے لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک صرف تین واسطے ہوتے ہیں۔ امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں بائیس ثلاثی روایات ذکر کی ہیں۔ ان میں گیارہ روایات مکی بن ابراہیمؒ سے منقول ہیں جو امام اعظم ابوحنیفہؒ کے خاص شاگرد ہیں، چھ روایات ابو عاصم النبیل ضحاک بن مخلدؒ سے مروی ہیں۔ یہ بھی امام اعظمؒ کے شاگرد ہیں، تین روایتیں محمد بن عبداللہ انصاریؒ سے منقول ہیں۔ یہ امام ابو یوسفؒ اور امام زفرؒ کے شاگرد ہیں۔ اس طرح بائیس میں سے بیس ثلاثی روایات وہ ہیں جو حنفی مشائخ سے لی گئی ہیں۔ باقی دو روایتوں میں سے ایک روایت خلاد بن یحیی کوفیؒ کی ہے، اور ایک عصام بن خالد حمصی کی ہے۔ ان کے متعلق یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ یہ حنفی ہیں یا نہیں۔ یہ بائیس روایات سند کے لحاظ سے بائیس ہیں (۱) لیکن بلحاظِ متن سترہ ہیں۔

امام بخاری کی ثلاثیات پر بڑا فخر کیا جاتا ہے اور واقعۃً بات بھی فخر کی ہے۔ کیونکہ ثلاثیات کی سند عالی ہوتی ہے اور سندِ عالی باعثِ افتخار ہے۔ یحیی بن معینؒ سے ان کی وفات کی وقت کسی نے سوال کیا تھا: ماتشتھی؟ تو فرمایا: بیت خال وإسناد عال (۲) امام احمد

۱)...... مقدمہ لامع الدراری (ج۱ ص۶۳ و۶۴ و۱۰۲ و۱۸۷) نیز دیکھیے تذکرۃ الحفاظ (ج۱ ص۳۶۵ و۳۶۶) سیر أعلام النبلاء (ج۹ ص۴۸۱)، الجواهر المضیئۃ (ج۱ ص۲۶۳) ھدی الساری (ص۴۷۹) تہذیب الکمال (ج۲۵ ص۵۳۹) تاریخ بغداد (ج۵ ص۴۰۸-۴۱۲)۔

۲)......مقدمۃ ابن الصلاح (ص۱۳۰)۔

بن حنبلؒ کا ارشاد ہے کہ متقدمین کا طریقہ سندِ عالی کی جستجو اور تلاش کرنا تھا۔(۱) لیکن امام ابوحنیفہؒ جن کی زیادہ تر روایات ثلاثی ہیں اور بکثرت ثنائی ہیں جیسا کہ مسانیدِ امام اعظم اور کتاب الآثار سے ظاہر ہے اور امام اعظم رؤیۃً تابعی بھی ہیں اس لیے کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی انھوں نے زیارت کی ہے بلکہ روایۃً بھی ان کو تابعی کہا گیا ہے، اگرچہ اس میں اختلاف ہے۔(۲) اس کے باوجود امام بخاری کے مقابلے میں امام ابوحنیفہ کی ثنائی اور ثلاثی روایت کو صحیح اہمیت نہیں دی جاتی جو شکایت کی بات ہے۔

فصلِ اول

تراجمِ بخاری

صحیح بخاری کی خصوصیات کے ضمن میں ابواب وتراجم کی بحث بڑی اہمیت کی حامل ہے، بخاری کے تراجم تمام کتبِ حدیث کے تراجم کے مقابلہ میں بہت مشکل ہیں، اس لیے " فقه البخاری فی تراجمه "کا مقولہ اس سلسلے میں مشہور ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ امام بخاری کی دقتِ نظر اور شانِ تفقہ کا اندازہ ان کے تراجم سے کیا جاسکتا ہے، دوسرا مطلب یہ بھی بیان کیا جاسکتا ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا فقہی نقطۂ نظر تراجم میں پیش کیا ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمہ منعقد کرنے میں اپنا مخصوص انداز ہے اور وہ

---

۱)......مقدمۃ ابن الصلاح (ص ۱۳۰)۔

۲)......مقدمۃ لامع الدراری (ج ۱ ص ۱۰۳) رؤیۃ تابعیت کے ثبوت کے لیے دیکھیے سیر أعلام النبلاء (ج ۶ ص ۳۹۱) تهذیب التهذیب (ج ۱۰ ص ۴۴۹) تهذیب الکمال (ج ۲۹ ص ۴۱۸) تذکرۃ الحفاظ (ج ۱ ص ۱۶۸) تاریخ بغداد (ج ۱۳ ص ۳۲۳)۔

مختلف طریقوں سے ترجمہ قائم کرتے ہیں۔

۱۔بعض اوقات حدیثِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ترجمہ بناتے ہیں اور اس کی حدیثِ نبوی ہونے کی صراحت بھی کرتے ہیں جیسے کتاب الإیمان کا پہلا ترجمہ ہے "باب قول النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم:" بُنی الإسلام علیٰ خمس"۔ اسی طرح کتاب الإیمان میں ایک اور ترجمہ ہے " باب قول النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم: "الدین النصیحۃ"۔ اسی طرح کتاب العلم میں ترجمہ ہے " باب قول النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم: "رب مبلغ أوعی من سامع"۔

۲۔کبھی امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ حدیثِ نبوی کو ترجمہ بناتے ہیں لیکن اس کے حدیث ہونے کا ذکر نہیں کرتے جیسے " باب من یرد اللّٰہ خیراً یفقھہ فی الدین"ترجمہ حدیث کا ہے لیکن اس کے حدیث ہونے کی طرف اشارہ نہیں کیا گیا۔

۳۔کبھی کبھی امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ حدیثِ رسول کو ترجمہ بناتے ہیں لیکن اس میں تھوڑا سا تصرّف اور تبدیلی کر دیتے ہیں اور اس کا مقصد حدیث کی تشریح ہوتا ہے، جیسے "باب ماکان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم یتخوّلھم بالموعظۃ والعلم کي لاینفروا" حدیث میں " کراھۃ السآمۃ" آیا ہے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمہ میں " سآمۃ" کی تفسیر "نفرۃ" سے کردی ہے۔

۴۔کبھی امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ایسی حدیث کو ترجمہ بناتے ہیں جو ان کی شرط کے مطابق نہیں ہوتی، پھر اپنی روایات سے اس کو مؤید فرماتے ہیں جیسے ابواب الوضوء میں "باب ماجاء لاتقبل الصلاۃ بغیر طھور" اور ابواب الزکوٰۃ میں " باب ماجاء تقبل الصدقۃ من غلول" ہیں یہ ایک ہی روایت کے دو جزء ہیں، مسلم اور ترمذی نے اس کی تخریج کی ہے، امام بخاری نے ایک جزء پر کتاب الوضوء میں اور دوسرے جزء پر کتاب

الزکوٰۃ میں ترجمہ قائم کیا ہے۔

اسی طرح کتاب الصلوٰۃ میں " باب إذا أقيمت الصلاة فلا صلاة إلا المكتوبة" کا ترجمہ قائم کیا ہے، اور یہ مسلم کی روایت پر قائم کیا گیا ہے۔

ایسا ہی ایک ترجمہ ہے" باب الاثنان فما فوقهما جماعة" یہ ترجمہ ابن ماجہ کی روایت پر قائم کیا گیا ہے۔(۱)

باب بلاترجمہ

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کئی جگہ باب بلاترجمہ لاتے ہیں صرف ''باب'' ہوتا ہے ترجمہ نہیں ہوتا اور اس کے ذیل میں مسند روایت پیش کرتے ہیں، اس سلسلہ میں حضرات شراح نے مختلف توجیہات کی ہیں:۔

۱۔امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو سہو ہو گیا اس وجہ سے امام بخاری ترجمہ قائم نہ کر سکے۔

۲۔مصنف کو سہو نہیں ہوا بلکہ کاتب کو سہو ہو گیا ہے یعنی مصنف کا قائم کیا ہوا ترجمہ کاتب سے سہواً چھوٹ گیا ہے۔

۳۔بعض حضرات کہتے ہیں کہ راوی کا تصرف ہے۔(۲)

۴۔حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے بعض مقامات میں یہ کہا ہے کہ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے قصداً بیاض چھوڑی تھی، ترجمہ قائم کرنے کا ارادہ تھا لیکن بعد میں موقعہ نہیں ملا۔

---

۱)......تفصیل کے لیے دیکھیے مقدمۂ لامع (ص۳۰۳،۳۰۴) اور کشف الباری (ج۱ص۱۶۹) مقدمۃ الکتاب۔

۲)......دیکھیے فتح الباری (ج۶ص۵۶۱) باب بلاترجمۃ بعد باب کنیۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

لیکن یہ جوابات درست نہیں کیونکہ تکمیل کتاب کے بعد تقریباً تیئیس سال امام نے اس کتاب کا درس دیا ہے اور تقریباً نوے ہزار شاگردوں نے امام سے اس کو پڑھا ہے پھر امام بخاری یا کاتب کے سہو کے برقرار رہنے کی کیا گنجائش ہوسکتی ہے یا موقعہ نہ ملنے کا عذر کیسے قابلِ سماع ہوسکتا ہے، پھر دو چار جگہ اگر باب بلاترجمہ ہوتا تب بھی سہوِ مؤلف یا سہوِ کاتب کی گنجائش ہوسکتی تھی۔ یہاں تو بہت سے ابواب صحیح بخاری میں بلاترجمہ ہیں۔

۵۔ علامہ کرمانی (۱)، حافظ ابن حجر (۲)، علامہ عینی (۳)، قسطلانی (۴)، ابن رُشید (۵) شیخ نورالحق (۶) اور شاہ ولی اللہ (۷) رحمہم اللہ نے عموماً ''باب بلاترجمہ'' کو کالفصل من الباب السابق قرار دیا ہے، یعنی امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ باب بلاترجمہ میں ایسی روایت لاتے ہیں جو من وجہٍ بابِ سابق سے بھی متعلق ہوتی ہے اور من وجہٍ مستقل بھی ہوتی ہے، اس لیے یہ باب، سابق باب کے لیے فصل کی طرح ہوتا ہے۔

۶۔ شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ ہے کہ باب بلاترجمہ بعض مقامات میں تشحیذِ اذھان کے لیے ہوتا ہے، یعنی امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا منشا یہ ہوتا ہے کہ باب کی روایت کو پیش نظر رکھ کر قاری خود ایسا ترجمہ قائم کرے جو بخاری کی شان کے مطابق بھی ہو اور تکرار بھی لازم نہ آئے اس طرح ذہن تیز ہوتا ہے اور

۱)......شرح کرمانی (ج ۱ ص ۱۰۳)۔

۲)......فتح الباری (ج ۱ ص ۶۴)۔

۳)......عمدۃ القاری (ج ۱ ص ۱۵۲)۔

۴)......ارشاد الساری (ج ۱ ص ۹۹)۔

۵)......مقدمہ لامع (ص ۳۲۲) الاصل العشرون۔

۶)......تیسیر القاری (ج ۱ ص ۲۰، ۲۱)۔

۷)......رسالہ شرح تراجم ابواب البخاری (ص ۲۲)۔

استخراجِ مسائل اور استنباط کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے۔(۱)

۷۔کبھی امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ بابِ سابق سے پیدا شدہ اشکال کو رفع کرنے کے لیے باب بلاترجمہ لاتے ہیں۔(۲)

۸۔یہ باب بلاترجمہ تکثیرِ فوائد کے لیے ہوتا ہے، یعنی باب کی روایت بہت سے فوائد کو شامل ہوتی ہے، اگر ترجمہ قائم کیا جائے تو قاری کا ذہن اسی ترجمہ پر مرکوز ہو جاتا اور دیگر فوائد کی طرف توجہ نہ ہوتی، اس لیے امام بخاری بغیر ترجمہ کے باب کو ذکر کرتے ہیں تاکہ تمام فوائد کی طرف ذہن متوجہ ہو سکے۔(۳)

۹۔باب بلاترجمہ رجوع الی الاصل کے لیے ہوتا ہے، یعنی ایک سلسلۂ ابواب چلا آرہا ہوتا ہے، درمیان میں کچھ ضمنی تراجم آجاتے ہیں تو اصل سلسلہ کی طرف رجوع کرنے کے لیے باب بلاترجمہ لایا جاتا ہے۔(۴)

۱۰۔علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے بعض مقامات میں یہ بھی فرمایا ہے کہ امام بخاری تکثیرِ طرق کی طرف اشارہ کرنے کے لیے باب بلاترجمہ لاتے ہیں۔(۵)

۱۱۔شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا ''باب بلا ترجمہ'' تحویل کے طور پر ہوتا ہے جیسے ایک سند کو ذکر کرتے ہوئے ''ح'' لاتے ہیں اور اس کے بعد دوسری سند کو ذکر کرتے ہیں، یہ تحویل ''من سندالی سند'' ہوتی ہے اور آگے جا کر

---

۱)......مقدمۂ لامع (ص۳۲۷،۳۲۸) الأصل الخامس والعشرون۔

۲)......دیکھیے تقریر بخاری شریف (ج۱ص۱۲۶)۔

۳)......دیکھیے مقدمۂ لامع (ص۳۲۹) الأصل السادس والعشرون۔

۴)......مقدمۂ لامع (ص۳۶۷) الأصل السابع والخمسون۔

۵)......دیکھیے مقدمۂ لامع (ص۳۱۹،۳۱۹) الأصل السابع عشر۔

دونوں سندیں مل جاتی ہیں۔(۱)

لیکن اس پر اشکال یہ ہے کہ پوری صحیح بخاری میں کتاب بدء الخلق میں اس کی ایک مثال موجود ہے اور ایک مثال کے پائے جانے سے یہ لازم نہیں آتا کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو اپنی کتاب میں بطورِ قاعدہ اختیار کیا ہو۔(۲)

یہ ساری گفتگو ابواب وتراجم کے سلسلے میں فصلِ اول کی حیثیت رکھتی ہے۔

فصلِ ثانی: اثباتِ تراجم

اس بحث کی فصلِ ثانی یہ ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ترجمہ کو ثابت کرنے کے لیے کیا طریقہ اختیار کرتے ہیں اور اپنے دعوے کو کس انداز میں ثابت کرتے ہیں یعنی ان کے ہاں استدلال کا طریقہ کیا ہے؟

عام طور پر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے تراجم دعاوی ہوتے ہیں اور احادیث مسندہ ان دعاوی کی دلیل ہوتی ہیں، لیکن بخاری کے کچھ تراجم ''تراجمِ شارحہ'' بھی ہوتے ہیں۔ وہاں دعوی اور اثبات دعویٰ بالدلیل کا سلسلہ نہیں ہوتا۔

ایک حدیث عام ہوتی ہے اور اس پر خاص ترجمہ قائم کرتے ہیں اور یہ بتلاتے ہیں کہ اس عام سے خاص مراد ہے۔ یا روایت مطلق ہوتی ہے اور ترجمہ مقید لاتے ہیں اور یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ روایتِ مطلقہ میں ترجمہ والی قید ملحوظ ہے، کبھی اس کے برعکس ہوتا ہے کہ روایت خاص ہوتی ہے اور اس پر ترجمہ عام قائم کرتے ہیں، یہ بتلانے کے لیے کہ روایت میں جس خصوصیت کا ذکر ہے وہ ملحوظ نہیں، کبھی روایت مقید ہوتی ہے اور ترجمہ مطلق لاتے

(۱) ...دیکھیے رسالہ شرح تراجم ابواب البخاری (ص ۱۳)۔

(۲) ...دیکھیے مقدمۂ لامع (ص ۳۰۹) الأصل السابع۔

ہیں وہاں پر یہ بتانا چاہتے ہیں کہ روایت میں جس قید کا ذکر کیا گیا ہے وہ ملحوظ نہیں ہے بلکہ وہ اتفاقی قید ہے، ایسے تراجم ''تراجمِ شارحہ'' کہلاتے ہیں۔ یہاں اس بات کی ضرورت نہیں ہوتی کہ ترجمہ کو روایت سے ثابت کیا جائے، لیکن عام طور پر تراجم بمنزلۃ الدعویٰ ہوتے ہیں اور باب کی روایت دلیل ہوتی ہے، یہی طریقہ صحیح بخاری میں سب سے زیادہ ہے۔

تراجم کی قسمیں

پھر تراجم کی دو قسمیں ہیں۔۱۔تراجم ظاہرہ ۲۔تراجمِ خفیہ۔

تراجمِ ظاہرہ میں ترجمۃ الباب اور حدیثِ باب میں مطابقت آسان ہوتی ہے وہاں کوئی مشکل پیش نہیں آتی۔

البتہ تراجمِ خفیہ میں تطبیق مشکل ہوتی ہے اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمہ کو ثابت کرنے کے لیے کسی ایک طریقہ کی پابندی نہیں کی، کبھی وہ ایک طریقہ اختیار کرتے ہیں اور کبھی کوئی دوسرا طریقہ اختیار کرتے ہیں:۔

۱۔کبھی وہ ایسا کرتے ہیں کہ ترجمہ قائم کیا اور اس کے ذیل میں روایت نقل کی، لیکن ترجمہ کا ثبوت کسی دوسری روایت سے ہوتا ہے جو بخاری میں دوسرے مقام پر مذکور ہے۔

مثلاً کتاب العلم میں ترجمۃ الباب ہے " باب السمر فی العلم "اور جو روایت نقل کی ہے اس میں "سمر فی العلم" کا ذکر نہیں ہے، البتہ کتاب التفسیر میں یہی روایت ذکر فرمائی اور اس میں "فتحدث رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم مع أھلہ ساعۃ" کے الفاظ ذکر کیے۔(۱) گویا ترجمہ کتاب العلم میں ہے اور اس کا ثبوت کتاب التفسیر سے ہو

۱)......دیکھیے صحیح بخاری، کتاب التفسیر، سورۂ آل عمران، باب ﴿إن فی خلق السمٰوات والأرض﴾ رقم (۴۵۶۹)۔

رہا ہے۔(۱)

اسی طرح کتاب العلم کا ایک ترجمہ " باب الفتیا وھو واقف علی الدابة وغیرھا" ہے، یہاں جو روایت ذکر کی ہے اس میں " وقوف علی الدابة" کا ذکر نہیں ہے، لیکن کتاب الحج میں یہی روایت مذکور ہے اور وہاں" وقف رسول الله صلی الله علیه وسلم علی ناقته" (۲) کے الفاظ موجود ہیں، گویا ترجمہ کتاب الحج کی روایت سے ثابت ہو رہا ہے۔(۳)

اسی طرح پیچھے آچکا ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ابواب الصلوٰۃ میں "باب التقاضی والملازمة فی المسجد" کا ترجمہ قائم کیا اور اس کے ذیل میں جو روایت نقل کی اس میں ''تقاضی'' کا تو ذکر ہے لیکن ''ملازمہ'' کا ذکر نہیں ہے، لیکن جب کتاب الخصومات میں یہ روایت ذکر کی تو وہاں" فلقیه فلزمه" کے الفاظ ہیں، اس طرح یہ ترجمہ بخاری میں مذکور روایت سے ثابت ہوا جس کو یہاں کے بجائے دوسری جگہ ذکر کیا ہے۔(۴)

۲۔اسی طرح امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کبھی ترجمہ قائم کر کے اس کو ثابت کرنے کے لیے کسی ایسی روایت پر اعتماد کرتے ہیں جو بخاری میں مذکور نہیں، چنانچہ اس کی مثال پیچھے گذر چکی ہے کہ امام بخاری نے ترجمہ قائم کیا ہے " باب دلك المرأة نفسها اذا تطھرت من المحیض" اور باب کے تحت جو روایت نقل کی ہے اس میں "دلك" کا ذکر

---

۱)......دیکھیے فتح الباری (ج ۱ص ۲۱۳) کتاب العلم، باب السمر فی العلم۔

۲)......دیکھیے صحیح بخاری، کتاب الحج، باب الفتیا علی الدابة عند الجمرة، رقم (۱۷۳۸)۔

۳)......دیکھیے فتح الباری (ج ۱ص ۱۸۱) کتاب العلم، باب الفتیا وھو واقف علی الدابة وغیرھا۔

۴)......دیکھیے اصل (۱۷) شق (ب)۔

نہیں ہے اور نہ ہی صحیح بخاری میں ایسی کوئی روایت موجود ہے جس میں " دلك" مذکور ہو، البتہ صحیح مسلم میں ایسی روایت موجود ہے جس میں "دلك" کا ذکر ہے، لہذا کہا جائے گا کہ یہاں اثباتِ مدعیٰ کے لیے ایسی روایت پر اعتماد کیا گیا ہے جو صحیح بخاری میں موجود نہیں۔(۱)

۳۔ کبھی امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ روایت کے اجمال سے ترجمہ کو ثابت کرتے ہیں، چنانچہ کتاب الوضوء میں ایک ترجمہ ہے " باب وضوء الرجل مع امرأته وفضل وضوء المرأة" اور اس کے ذیل میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اثر نقل کیا ہے " وتوضأ عمر بالحميم ومن بيتِ نصرانية" اس سے امام بخاری یوں استدلال کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے گرم پانی سے وضو کیا اور پانی عموماً عورتیں گرم کیا کرتی ہیں اور گرم کرتے وقت وہ کئی مرتبہ پانی میں ہاتھ ڈال کر دیکھتی ہیں کہ وہ کتنا گرم ہو گیا...... یہاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے گرم پانی وضو میں استعمال کیا اور کوئی تفصیل معلوم نہیں کہ عورت کا گرم کیا ہوا پانی ہے یا مرد کا، اور اگر عورت کا گرم کیا ہوا ہے تو اس نے اس میں ہاتھ ڈالا تھا یا نہیں، بس گرم پانی وضو میں استعمال کیا اور حقیقت کو مجمل رہنے دیا، اس سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ثابت کیا کہ اگر مرد اور عورت ایک ساتھ وضو کریں اور عورت کا ہاتھ مرد کے وضو کے پانی میں داخل ہو تو کوئی حرج نہیں۔

اسی طرح "ومن بيت نصرانية" کا جملہ ہے اس میں عقلاً دو احتمال ہیں، ایک یہ کہ گرم پانی اسی نصرانیہ کے گھر کا ہو، اور عبارت یوں ہو " وتوضأ عمر بالحميم من بيتِ نصرانية" جیسا کہ ایک نسخہ میں اسی طرح بغیر واو کے آیا ہے اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ وضو بالحميم کا واقعہ اور ہو اور " وضوء من بيت نصرانية" کا واقعہ دوسرا ہو، جیسا کہ

۱)......دیکھیے اصل (۱۷) شق (ج)۔

حقیقتِ واقعہ یہی ہے۔ (۱) اگر ایک ہی واقعہ ہے تو اس کی بحث گذر چکی اور اگر یہ واقعہ علیحدہ ہے تو استدلال کی تقریر یوں ہوگی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نصرانیہ کے گھر سے پانی لے کر وضو کیا اور یہ تفصیل دریافت نہیں کی کہ وہ پانی نصرانیہ کے استعمال سے بچا ہوا تو نہیں ہے حالانکہ وہاں دونوں صورتوں کا احتمال ہے، یہ بھی ممکن ہے کہ وہ اس نصرانیہ کے استعمال سے بچا ہوا پانی ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ علیحدہ پانی ہو، استعمال سے بچا ہوا نہ ہو، حضرت عمر رضی اللہ عنہ تفصیل میں نہیں گئے، اس سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے استدلال کیا اور اجمال سے اپنے ترجمہ کو ثابت کر دیا۔ (۲)

فضائلِ جامع صحیح بخاری

ایک فضیلت تو یہ ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تالیف کے وقت کسی حدیث کو اس وقت تک درج نہیں کیا جب تک پہلے غسل، دو رکعت اور استخارے کے بعد اس حدیث کی صحت کا انہیں یقین نہیں ہو گیا۔ (۳)

---

۱)...... کیونکہ " توضأ عمر بالحميم" والا اثر مستقل ہے اور اس کو سعید بن منصور، عبدالرزاق، ابن ابی شیبہ اور دار قطنی وغیرہ نے موصولاً ذکر کیا ہے اور " ومن بيت نصرانية" والا ایک مستقل اثر ہے جس کو شافعی، عبدالرزاق، بیہقی اور اسماعیلی وغیرہ نے موصولاً ذکر کیا ہے، چنانچہ حافظ رحمہ اللہ نے اس تفصیل کو بیان کر کے ایک اثر ہونے کے احتمال کو رد کیا ہے اور فرمایا ہے " وقد عرفت أنهما أثران متغايران" دیکھیے فتح الباری (ج ۱ ص ۲۹۹) کتاب الوضوء، باب وضوء الرجل مع امرأته......

۲)...... دیکھیے فتح الباری (ج ۱ ص ۲۹۹) مزید تفصیل کے لیے دیکھیے کشف الباری ص ۱۸۲ (مقدمہ)۔

۳)...... دیکھیے تاریخ بغداد (ج ۲ ص ۹) وتہذیب الاسماء واللغات (ج ۱ ص ۷۴) وھدی الساری (ص ۴۸۹) وسیر اعلام النبلاء (ج ۱۲ ص ۴۰۲)۔

دوسری فضلیت یہ کہ اس کی تمام احادیث صحیح ہیں۔(۱)

تیسری فضلیت یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی منامی بشارت اس کو حاصل ہے، ابوزید مروزی بیان کرتے ہیں کہ میں رکن اور مقام کے درمیان سورہا تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی، آپ نے فرمایا" یاأبازید، إلی متی تدرس کتاب الشافعي ولاتدرس کتابي؟" میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! آپ کی کتاب کون سی ہے؟ فرمایا"جامع محمد بن اسمٰعیل"(۲)۔

چوتھی فضلیت یہ ہے کہ جہاں اس کتاب کی باطنی برکات ہیں کہ اس پر عمل کرنے سے دینی ترقی ہوتی ہے اسی طرح ظاہری برکات بھی ہیں:۔

ابن ابی جمرہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے بعض عارفین نے ایسے سادات سے نقل کیا ہے جن کے فضل کا لوگوں میں خوب چرچا اور اعتراف ہے کہ صحیح بخاری اگر کسی مصیبت میں پڑھی جائے تو وہ دور ہو جاتی ہے اور اگر کسی کشتی میں لے کر سوار ہو جائیں تو وہ غرق نہیں ہوتی، نجات پاتی ہے، مصنف مستجاب الدعوات تھے، انہوں نے اس کتاب کے پڑھنے والوں کے لیے دعا کی ہے۔(۳)

علامہ جمال الدین نے اپنے استاذ سید اصیل الدین سے نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے یہ کتاب قریباً ایک سوبیس مرتبہ پڑھی، جس نیت سے بھی پڑھی وہ مراد پوری ہوئی۔(۴) اسی لیے ختم بخاری شریف کا رواج علماء ومحدثین کے یہاں چلا آرہا ہے، یہ سلسلہ کب سے چلا آرہا ہے اس سلسلے میں کوئی حتمی بات نہیں کہی جاسکتی البتہ ساتویں

۱)......تاریخ بغداد(ج۲ص۹) تہذیب الاسماء(ج۱ص۶۷) وسیر اعلام النبلاء(ج۱۲ص۴۰۲)۔

۲)......ھدی الساری(ص۴۸۹)۔

۳)......ھدی الساری(ص۱۳)۔

۴)......أشعۃ اللمعات(ج۱ص۱۱)۔

آٹھویں صدی سے اس کا پتہ چلتا ہے، ممکن ہے اس سے پہلے بھی یہ سلسلہ رہا ہو۔

أصح الكتب بعد كتاب الله: صحيح البخاري

صحیح بخاری کی شروط، خصائص اور فضائل کے جان لینے کے بعد یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اس کو دیگر کتب حدیث پر مجموعی طور پر فوقیت حاصل ہے، کیونکہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے جس بالغ نظری اور نکتہ رسی کے ساتھ صحیح احادیث کا انتخاب کیا ہے، پھر ان کی جلالتِ شان اور معرفتِ علل میں ان کا تقدم بھی مسلّم ہے اور چیزوں کے پیش نظر اگر کسی نے " اصح الكتب بعد كتاب الله: صحيح البخاري" کا اطلاق کر دیا ہو تو وہ بیجا نہیں صحیح بخاری سے پہلے موطا امام مالک کے لیے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے اسی قسم کے الفاظ منقول ہیں، لیکن چونکہ موطا میں مراسیل وبلاغات اور منقطعات کی خاصی تعداد ہے جو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حجت ہیں اور موضوعِ کتاب میں داخل ہیں جبکہ صحیح بخاری میں بالعموم احادیث صحیحہ متصلہ ہیں اور جو تعلیقات وغیرہ ہیں وہ استشہاداً لائی گئی ہیں موضوعِ کتاب نہیں ہیں، اس لیے متاخرین نے صحیح بخاری کے بارے میں " اصح الكتب بعد كتاب الله تعالى: صحيح البخاري" کا اطلاق کیا اور اسی کو اپنایا ہے۔

صحیح بخاری کے ساتھ صحیح مسلم بھی صحت کے اعتبار سے اس کی شریک ہے لیکن جمہور علمائے حدیث نے صحیح بخاری کو صحیح مسلم پر فوقیت دی ہے، چنانچہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح بخاری کی تفضیل ثابت کرتے ہوئے فرمایا کہ:

حدیث کی صحت کا مدار عدالتِ رواۃ، اتصالِ سند اور علل وشذوذ کے انتفاء پر ہے، ان جہات سے صحیح بخاری کو صحیح مسلم پر فوقیت حاصل ہے:

ا۔ عدالتِ رواۃ کے اعتبار سے دیکھا جائے تو صحیح بخاری کی فضیلت اس طرح

ثابت ہے کہ امام بخاری جن رواۃ میں منفرد ہیں ان کی تعداد چار سو پینتیس ہے، ان میں سے متکلَّم فیہ راوی صرف اسّی ہیں جبکہ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ چھ سو بیس راویوں میں منفرد ہیں ان میں متکلم فیہ ایک سو ساٹھ ہیں، یہ تعداد امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے متکلَّم فیہ رواۃ کے مقابلہ میں دُگنی ہے، ظاہر ہے متکلم فیہ رواۃ جس میں کم ہونگے اس کی افضلیت ثابت ہو گی۔

۲۔ پھر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے جن متکلم فیہ رواۃ سے احادیث تخریج کی ہیں ان سے زیادہ حدیثیں نہیں لیں، جبکہ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے متکلَّم فیہ رواۃ سے کثرت سے احادیث نقل کی ہیں۔

۳۔ ایک وجہ یہ بھی ہے کہ امام بخاری حمۃ اللہ علیہ کے متکلَّم فیہ رواۃ ان کے اپنے اساتذہ اور براہِ راست شیوخ ہیں جن کے حالات سے اور ان کی صحیح وسقیم احادیث سے وہ خوب واقف تھے، چنانچہ انھوں نے ان کی ساری حدیثیں کیف ما اتفق جمع نہیں کیں بلکہ خوب انتقاء کر کے نقل کی ہیں، جبکہ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کے متکلَّم فیہ رواۃ ان کے براہ راست شیوخ نہیں بلکہ متقدمین میں سے ہیں۔

۴۔ پھر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ان متکلم فیہ رواۃ کی احادیث استشہادات ومتابعات اور تعلیقات میں عموماً لاتے ہیں، جبکہ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ اصل کتاب میں بطورِ احتجاج ذکر کرتے ہیں۔

۵۔ اتصالِ سند کے اعتبار سے صحیح بخاری کو اس طرح فوقیت حاصل ہے کہ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ حدیثِ معنعن متصل کے حکم میں ہوتی ہے بشرطیکہ راوی اور مروی عنہ معاصر ہوں۔ اگر چہ ان کے درمیان لقاء ثابت نہ ہو، جبکہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں یہ مسلک اختیار کیا ہے کہ حدیث معنعن، کو اتصال کے حکم میں اس وقت

سمجھیں گے جبکہ معاصرت کے ساتھ ساتھ کم از کم ایک مرتبہ ان کے درمیان لقاء بھی ثابت ہو، ظاہر ہے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی شرط، اتصال کے اعتبار سے اقویٰ اور اشد ہے۔

۶۔ علت وشذوذ کے انتفاء کے اعتبار سے صحیح بخاری کو صحیح مسلم پر بایں طور فوقیت حاصل ہے کہ صحیحین کی کل دوسودس حدیثوں پر کلام کیا گیا ہے جن میں سے (۸۰) اسی سے بھی کم حدیثیں بخاری کی ہیں اور باقی حدیثیں صحیح مسلم کی ہیں۔ (۱)

اس تفصیل سے اچھی طرح معلوم ہو گیا ہو گا کہ صحیح بخاری کو صحیح مسلم پر نیز دیگر کتبِ حدیث پر فوقیت حاصل ہے۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

لیکن اس کا یہ مطلب نہ لیا جائے کہ صحیح بخاری کی ہر ہر حدیث کو صحیح مسلم یا دوسری کتبِ حدیث کی ہر ہر حدیث پر فوقیت حاصل ہے، بلکہ صحیح بخاری کو جو افضلیت حاصل ہے وہ مجموعی طور پر ہے (۲)۔

---

۱)...... دیکھیے ھدی الساری (ص ۱۱،۱۲)۔

۱)...... مفصل بحث کے لیے دیکھیے کشف الباری مقدمۃ الکتاب (ص ۱۸۶)۔

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ

نام: ابوالحسین عساکر الدین مسلم بن الحجاج بن مسلم بن وِرد بن کوشاذ القُشیری النیشا بوری۔

نسب ونسبت

امام مسلمؒ نسباً عربی ہیں اور قشیر (بضم القاف وفتح الشين المعجمة وسكون الياء) قبیلہ سے آپ کا تعلق ہے اس لیے ان کو قشیری کہا جاتا ہے (۱) اور چونکہ شہر نیشاپور آپ کا مولد اور مسکن ہے تو اس کی طرف نسبت کر کے نیشاپوری بھی کہتے ہیں۔

مختصر تاریخِ نیشاپور

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں لشکرِ اسلام کے مجاہدین اہل نیشاپور سے صلح کر کے اس شہر میں داخل ہوئے، اس کا بانی شاہ پور بتایا جاتا ہے جب اس علاقہ سے اس کا گزر ہوا تو اس نے کہا: اچھی جگہ ہے یہاں شہر بسانا چاہیے اسی کی طرف نسبت سے اس کا نام شاہ پور ہو گیا (۲)۔

نیشاپور خراسان کے مشہور شہروں میں سرِ فہرست تھا، اس میں مختلف قسم کی معدنیات موجود تھیں اور اس کے باشندے خوشحال زندگی بسر کرتے تھے، احمد بن طاہر کہتے

۱)......دیکھئے الانساب ج۴/ص۵۰۱، مزید لکھتے ہیں: ”هذه نسبة الى قشير بن كعب بن ربيعه بن عامر بن صعصعة، قبيله كبيرة ينسب اليها كثير من العلماء“۔

۲)......غیاث اللغات میں لکھا ہے: دراصل نِہ شاہ پور یعنی شہر شاہ پور چرا کہ نِہ بالکسر شہر را گویند وہائے ہوز بیائے تحتانی بدل شدہ، غیاث اللغات: ۵۳۶۔

ہیں: ''ليس في الأرض مثل نيشابور، بلد طيب و رب غفور''(۱)۔

۶۱۸ھ میں جب چنگیز خان کے لشکر نے شہر نیشاپور کا محاصرہ کیا ہوا تھا تو شہر والوں میں سے کسی نے تیر مارا جس کے نتیجہ میں چنگیز خان کا داماد قتل ہوا، اس کے بعد چنگیز بذاتِ خود نیشاپور پر یلغار کرنے کے لیے آیا اور مغول لشکر نے کسی زندہ انسان کو نہیں بچنے دیا، شہر نیشاپور ایسا ویران ہوا کہ، مؤرخین کہتے ہیں اس کے بعد کبھی اس کو وہ مقام و شرف حاصل نہ ہوا، اب بھی نیشاپور موجود ہے لیکن پہلے کی نسبت بہت ہی چھوٹا، مؤرخین کے مطابق نیشاپور اُس زمانے میں دس لاکھ کی آبادی پر مشتمل تھا جبکہ فی الحال اس کی آبادی پچاس ہزار سے زیادہ نہیں (۲) اور نہ ہی اس میں وہ دینی، مذہبی اور علمی رونقیں اور بہاریں ہیں جس کی وجہ سے شہر نیشاپور کا نام آج تک تاریخ میں محفوظ ہے۔

دنیائے اسلام میں سب سے پہلا دار العلوم

مشہور یہ ہے کہ دنیائے اسلام میں سب سے پہلا مدرسہ نظامیہ بغداد ہے لیکن صحیح قول یہ ہے کہ مدرسہ بیہقیہ نیشاپور کو تقدم حاصل ہے، نظامیہ بغداد سے پہلے نیشاپور میں کئی دار العلوم قائم ہو چکے تھے جن میں سے نظامیہ نیشاپور، سعدیہ، نصریہ کا نام لیا جاسکتا ہے (۳)۔ امام الحرمین نے (متوفی ۴۷۸ھ اور امام غزالیؒ کے استاذ) اسی مدرسہ بیہقیہ میں

---

۳)...... معجم البلدان میں اس قول کی نسبت ابو العباس زوزنی معروف بمأمونی کی طرف کی گئی ہے دیکھئے معجم البلدان: ۳۳۲/۵۔

۴)...... دیکھئے ''لغت نامہ دہخدا'' ج ۴۸/ ۱۰۰۸۔

۵)...... دائرہ معارف اسلامیہ اردو، ج ۲۰ ص ۱۵۷۔۱۵۸۔

تعلیم حاصل کی تھی، شیخ ابوحفص حداد(۱) ابومحمد مرتعش (متوفی ۳۲۳ھ)، ابوعلی ثقفی (متوفی ۳۲۸ھ)، ابن راھویہ (۲) عمر خیام (۳) وغیرہ اسی سرزمینِ نیشاپور کے مدارس کے فیض یافتگان ہیں، امام مسلم کے والد حجاج بھی نیشاپور کے مشائخ میں سے تھے (۴)۔

ولادت

آپ کی ولادت میں کئی اقوال ہیں: ۲۰۲ھ، ۲۰۴ھ، ۲۰۶ھ

حافظ ابن کثیرؒ متوفی ۷۷۴ھ کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک ۲۰۴ھ راجح ہے، فرماتے ہیں: "وکان مولده فی السنة التی مات فیها الشافعی وهی سنة اربع ومائتین" (۵) لیکن علامہ ذہبی نے ۲۰۴ھ کو "یقال" کے ساتھ نقل کیا ہے

۱)...... صحیح قول کے مطابق ان کا نام عمرو بن سلمہ ہے، علم وعرفان میں مشہور تھے، کسی نے آپ سے کہا کہ آپ کے یہاں کوئی خاص بات (کرامت) نظر نہیں آئی تو شیخ اس کا ہاتھ پکڑ کر لوہار کی دکان پر گئے اور ایک آتشیں لوہے کو ہاتھ میں لیا تو وہ فوراً ٹھنڈا ہوگیا تب سے آپ کو حدّاد کہا جاتا ہے۔ وفات کے بارے میں ۲۶۵، ۲۶۷، ۲۷۰ کے مختلف اقوال ملتے ہیں۔ دیکھئے الانساب ۲/۱۸۱۔

۲)...... ابن راھویہ، امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ کے استاد ہیں ان کی تاریخ وفات کے بارے میں ۲۳۰، ۲۳۷، ۲۳۸ کے مختلف اقوال ملتے ہیں ان کے والد سفر کے دوران مکہ کے راستے میں پیدا ہوئے اس لیے ان کو راھویہ کہتے ہیں، فارسی میں "راہ" کے معنی راستہ کے ہیں اور "ویہ" "ملنے" کے معنی میں ہے کأنه وجد فی الطریق۔ دیکھئے الرسالۃ المستطرفۃ ص ۵۵۔

۳)...... یہ ابوالفتح عمر بن ابراہیم ہیں۔ ریاضی، فلکیات، لغت، فقہ اور تاریخ کے بڑے ماہر تھے لیکن ان کی شہرت ان کی رباعیات کی وجہ سے ہے جو کہ دنیا کی کئی اہم زبانوں میں ترجمہ ہو کر شائع ہو چکی ہے۔ دیکھئے الأعلام ۵/۳۸۔

۴)...... دیکھئے تہذیب التہذیب ۱۰/۱۲۹۔

۵)...... البدایۃ والنہایۃ ۱۱/۳۴۔

(۱) دوسرے محققین نے ۲۰۶ھ کو راجح قرار دیا ہے، چنانچہ ابن خلکان نے وفیات الاعیان میں (۲) اور علامہ ابن اثیر جزریؒ نے مقدمہ جامع الاصول میں (۳) اس کی تصریح کی ہے۔ وفات بالاتفاق ۲۶۱ھ میں ہے اس لیے راجح قول کے مطابق کل عمر ۵۵ سال اور حافظ ابن کثیرؒ کے قول کے مطابق کل عمر ۵۷ سال بنتی ہے، حافظ ابن کثیرؒ نے تصریح کی ہے: "فکان عمرہ سبعا و خمسین سنة" (۴)۔

سماعِ حدیث

علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ آپ کے سماعِ حدیث کی ابتداء ۲۱۸ھ میں ۱۲ سال کی عمر میں ہوئی (۵) بعض حضرات نے لکھا ہے کہ ابتدائی سماع نیشاپور میں امام ذہلیؒ (متوفی ۲۵۸ھ) سے کی، لیکن امام ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ آپ نے ابتدائی سماع ۲۱۸ھ میں یحیی بن یحیی التمیمی سے کیا (۶) پھر ۲۲۰ھ میں حج کیا، وہاں امام قعنبی سے سماع کیا، امام قعنبیؒ آپ کے سب سے بڑے استاذ ہیں۔

علمی رحلات، مشہور اساتذہ وتلامذہ

امام مسلمؒ نے صرف اپنے شہر میں موجود ائمہ فن سے استفادہ کرنے پر اکتفا نہیں

۱)...... دیکھئے تذکرۃ الحفاظ ۲/ ۵۸۸۔

۲)...... وفیات الأعیان ۵/ ۱۹۵۔

۳)...... جامع الاصول ۱/ ۱۸۷۔

۴)...... البدایۃ والنہایۃ ۱۱/ ۳۴۔

۵)...... تذکرۃ الحفاظ ۲/ ۵۸۸۔

۶)...... دیکھئے سیر اعلام النبلاء ۱۲/ ۵۵۸۔

کیا بلکہ اس زمانے کے دستور کے مطابق انتہائی ذوق وشوق سے آپ نے مختلف بلاد وامصار کا سفر کیا اور اس فن کے مشہور ومعروف ائمہ اعلام سے سیراب ہوئے، خراسان میں اسحاق بن راہویہ، یحییٰ بن یحییٰ، عراق میں احمد بن حنبل اور عبداللہ بن مسلمۃ قعنبی، حجاز میں سعید بن منصور اور ابومصعب، مصر میں حرملۃ بن یحییٰ وعمرو بن سواد، رَی میں محمد بن مہران و ابوغسان (۱) سے اور نیشاپور میں امام بخاریؒ سے بہت استفادہ کیا، احمد بن مسلمۃ کی رفاقت میں بلخ وبصرہ کا بھی سفر کیا (۲)، بغداد بارہا جانا ہوا، بغداد کا آخری سفر ۲۵۹ھ میں ہوا اس کے دوسال بعد انتقال ہوگیا (۳) بغداد میں بھی آپ نے درس دیا (۴)۔

آپ کے تلامذہ میں ابوعیسیٰ ترمذی صاحب السنن، ابوحاتم رازی، ابراہیم بن ابی طالب، ابن صاعد، ابوحامد ابن الشرقی (۵) ابواحمد بن حمدان، ابراہیم بن محمد بن سفیان، ابو حاتم مکی بن عبدان، محمد بن مخلد، احمد بن سلمۃ، موسیٰ بن ہارون اور ابوعوانہ جیسے ائمہ فن شامل ہیں۔

امام مسلمؒ کے وہ اساتذہ جن کی روایت صحیح مسلم میں نہیں

امام مسلمؒ کے اساتذہ کی ایک فہرست ایسی بھی ہے جن کی روایات آپ نے صحیح

---

۱)...... علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ امام مسلمؒ ابوغسان سے نہیں ملے، بلکہ ان کی روایات کو کسی واسطے سے نقل کرتے ہیں اس لیے کہ ابوغسان ۲۱۹ھ میں وفات پاچکے تھے، دیکھئے سیر اعلام النبلاء ۱۲/ ۵۶۱۔

۲)...... دیکھئے تذکرۃ الحفاظ ۲/ ۲۱۰۔

۳)...... دیکھئے تاریخ ابن خلکان ۵/ ۱۹۴، جامع الاصول میں لکھا ہے کہ بغداد کا آخری سفر ۲۷۵ھ میں تھا، دیکھئے جامع الاصول ۱/ ۱۸۷۔

۴)...... جامع الاصول ۱/ ۱۸۷۔ تہذیب الکمال/ ج ۲۷ص ۴۹۹۔

۵)...... آپ کے والد کا نام محمد بن حسن ہے، نیشاپور کی شرقی جانب میں سکونت پذیر تھے اس لیے ان کو ''الشرقی'' کہا جاتا ہے۔ دیکھئے سیر اعلام النبلاء ۱۵/ ۳۷۔

میں نہیں لی، ان حضرات میں سے ایک امام ذہلیؒ ہیں، ان کا قصہ مشہور ہے کہ جب امام بخاریؒ نیشاپور تشریف لائے اور آپ کی تشریف آوری سے وہاں کی تمام علمی مجالس بے رونق ہوگئیں تو حسد کی آگ شعلہ زن ہوئی، حتی کہ امام ذہلیؒ نے بھی مسئلۂ خلقِ قرآن میں امام بخاریؒ سے نہ صرف یہ کہ اختلاف کیا بلکہ اپنے سبق میں اعلان کر دیا: ''الا من کان یقول بقول البخاری فی مسئلة اللفظ بالقرآن فلیعتزل مجلسنا" اس اعلان کو سن کر امام مسلمؒ اور احمد بن سلمہؒ فوراً مجلس سے اٹھے اور ان کی روایات کا پورا ذخیرہ ان کو واپس کر دیا اور امام ذہلیؒ سے روایت کرنا ترک کر دیا (۱)۔

امام مسلمؒ نے امام بخاریؒ کے ساتھ کمالِ حسنِ عقیدت ومحبت کے باوجود ان سے کوئی روایت نہیں لی، اس بارے میں علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں: ''ثم ان مسلماً لحدّة فی خلقه انحرف ایضا عن البخاری، ولم یذکر له حدیثا، ولا سماه فی "صحیحه" (۲) لیکن اس سے بہتر بات حافظ ابن حجرؒ نے کی ہے، فرماتے ہیں: "قلت قدأنصف مسلم، فلم یحدث فی کتابه عن هذا ولا عن هذا" (۳)۔

اسی طرح علی بن الجعد (متوفی ۲۳۰ھ) علی بن المدینی (متوفی ۲۳۴ھ)، محمد بن عبدالوہاب الفراء (متوفی ۲۷۲ھ) وغیرہ بھی آپ کے اساتذہ ہیں، لیکن ان کی روایات صحیح مسلم میں نہیں ہیں۔

---

۱)...... دیکھئے سیر اعلام النبلاء ۱۲/۵۷۲۔ البدایة والنہایة ۱۱/۳۵۔ تذکرۃ الحفاظ ۲/۵۸۹۔ تاریخ بغداد ۱۳/۱۰۳۔

۲)...... سیر اعلام النبلاء ۱۲/۵۷۳۔

۳)...... ھدی الساری مقدمۃ فتح الباری: ۴۹۱ (دار نشر الکتب الاسلامیۃ لاہور پاکستان)۔

حلیۂ مبارک

امام حاکمؒ فرماتے ہیں کہ آپ دراز قد اور بہت ہی خوبرو تھے، سر اور ریش مبارک کے بال سفید تھے، عمامہ کا سرا شانوں کے درمیان لٹکائے رکھتے تھے(۱)۔

سیرت واخلاق

آپ نے پوری زندگی میں نہ کسی کی غیبت کی، کسی کو برا بھلا کہا اور نہ کسی کو ناحق مارا(۲) اساتذہ اور مشائخ کا بے حد احترام کرتے تھے لیکن اگر کسی مسئلہ میں اساتذہ سے اختلاف ہو جاتا اس کا صاف اظہار فرماتے، چھپاتے نہیں تھے، جیسے مسئلہ خلقِ قرآن میں ہوا، علامہ ذہبیؒ نے لکھا ہے: "كان مسلم بن الحجاج يظهر القول باللفظ ولا يكتمه"(۳)۔

خراجِ عقیدت

اکابرِ امت نے ہمیشہ امام مسلمؒ کے علم وفضل کا اعتراف کیا ہے اور انھیں خراجِ عقیدت پیش کیا ہے، چنانچہ امام بخاری ومسلمؒ کے شیخ محمد بن بشارؒ فرماتے ہیں: "دنیا میں چار حفاظ ممتاز ہیں: ابوزرعہ ری میں، مسلم بن الحجاج نیشاپور میں، عبداللہ بن عبدالرحمن دارمی سمرقند میں اور محمد بن اسماعیل بخارا میں"(۴) ابوزرعہ رازیؒ اور ابوحاتمؒ نے ان کو اپنے

۱)......مقدمہ تحفۃ الاحوذی ص ۶۰، سیر اعلام النبلاء ۱۲/ ۵۶۶ و ۵۷۰۔

۲)......بستان المحدثین: ۲۸۰ (ایچ ایم سعید)۔

۳)......سیر اعلام النبلاء ۱۲/ ۵۷۲۔

۴)......دیکھئے سیر اعلام النبلاء ۱۲/ ۴۲۳ و ۵۶۴، تذکرۃ الحفاظ ۲/ ۵۷۹۔ تاریخ بغداد ۲/ ۱۶۔

زمانے کے تمام شیوخ پر فائق بتایا ہے، احمد بن سلمہؒ کہتے ہیں کہ یہ دونوں حضرات احادیث کی صحت وسقم کے بارے میں امام مسلم کو اپنے ہمعصر تمام مشایخ پر ترجیح دیتے تھے (۱) امام مسلم کے استاد اسحٰق بن راھویہ نے کسی موقع پر فرمایا: "ایّ رجل ھذا"" اللہ ہی جانتا ہے کہ یہ کتنا بلند مقام حاصل کرے گا" (۲) ابوعمر وحمدان کہتے ہیں: "میں نے ابن عقدہ سے پوچھا امام بخاری احفظ ہیں یا امام مسلم؟ فرمایا بھائی یہ دونوں عالم ہیں، جب میں نے کئی مرتبہ یہی سوال دہرایا تو فرمایا کہ امام بخاری اہل شام کی احادیث میں کبھی غلطی کر جاتے ہیں، بایں طور کہ کبھی کسی راوی کا ذکر کرتے ہیں اور پھر دوسرے مقام پر اسی راوی کی کنیت ذکر فرماتے ہیں اور یہ گمان کرتے ہیں کہ یہ دو الگ الگ اشخاص ہیں، جبکہ امام مسلم ایسا نہیں کرتے" (۳) اسحاق بن منصور نے امام مسلم کو دیکھ کر فرمایا: "لن نعدم الخیر ما ابقاك اللّٰہ للمسلمین" یعنی آپ کا وجود مسلمانوں کے لیے باعثِ خیر و برکت ہے، (۴) بعد میں آنے والے علماء و مصنفین نے بھی انتہائی وقیع الفاظ میں امام مسلمؒ کا تذکرہ کیا ہے، چنانچہ حافظ ذہبیؒ متوفی ۷۴۸ھ فرماتے ہیں: "ھو الامام الکبیر الحافظ المجوّد الحجۃ الصادق" (۵) اور اپنی دوسری تصنیف تذکرۃ الحفاظ میں لکھتے ہیں: "الامام الحافظ، حجۃ الاسلام" (۶) علامہ نووی فرماتے ہیں: "انہ امام لا یلحقہ من بعد

۱۔ دیکھئے تذکرۃ الحفاظ ۲/ ۵۸۹۔ سیر اعلام النبلاء ۱۲/ ۵۶۳۔ البدایۃ والنہایۃ ۱۱/ ۳۳۔ طبقات حنابلہ ۱/ ۳۳۸۔ تاریخ بغداد ۱۳/ ۱۰۱۔ جامع الاصول ۱/ ۱۸۷۔

۲۔ سیر ۱۲/ ۵۶۴۔ تذکرۃ الحفاظ ۲/ ۵۸۹۔ تاریخ بغداد ۱۳/ ۱۰۳۔

۳۔ تہذیب التہذیب ۱۰/ ۱۲۸۔ البدایۃ والنہایۃ ۱۱/ ۳۴ تاریخ بغداد ۱۳/ ۱۰۲ جامع الاصول ۱/ ۱۸۸۔ طبقات حنابلہ ۱/ ۳۳۸۔

۴۔ دیکھئے تہذیب التہذیب: ۱۰/ ۱۲۷، تذکرۃ الحفاظ ۲/ ۵۸۸۔

۵۔ سیر اعلام النبلاء: ۱۲/ ۵۵۷۔

۶۔ تذکرۃ الحفاظ: ۲/ ۵۸۸۔

عصره وقل من يساويه بل يدانيه من اهل وقته ودهره"(۱)۔

وفات کا المناک واقعہ

اس بات پر تمام اہل علم کا اتفاق ہے کہ امام مسلم کی وفات ۲۶۱ھ میں ہوئی ہے ابن خلکان لکھتے ہیں کہ آپ نے بروز یکشنبہ وفات پائی اور بروز دوشنبہ نیشاپور کے باہر نصیر آباد میں دفن کیے گئے (۲) علامہ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان کی قبر زیارت گاہ بنی ہوئی ہے (۳)۔

کہا جاتا ہے کہ مجلسِ درس میں آپ سے کسی حدیث کے متعلق سوال کیا گیا، اتفاق سے اس وقت آپ کو یاد نہ آیا جب گھر تشریف لائے اُن کی خدمت میں کچھ کھجوریں پیش کی گئیں، آپ حدیث تلاش کرتے رہے اور خرما بھی کھاتے رہے، یہاں تک کہ حدیث مل گئی اور کھجور بھی ختم ہوگئیں، یہی واقعہ آپ کے وصال کا سبب بنا (۴) وفات کے بعد ابو حاتم رازی رحمہ اللہ نے آپ کو خواب میں دیکھا، حال پوچھا تو فرمایا "اللہ نے اپنی جنت کو میرے لیے مباح کر دیا ہے، جہاں چاہتا ہوں پھرتا ہوں" (۵) ابوعلی زاغونی کو کسی نے خواب میں دیکھا، پوچھا کس عمل سے آپ کی نجات ہوئی، انہوں نے صحیح مسلم کے کچھ اجزاء کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا "ان کی بدولت" (۶)۔

---

۱)......مقدمہ شرح نووی ص ۱۲۔

۲)......وفیات الاعیان: ۲/ ۱۳۶۔

۳)......تذکرۃ الحفاظ ۲/ ۵۹۰۔

۴)......دیکھئے سیر اعلام النبلاء ۱۲/ ۵۶۴۔ البدایۃ والنہایۃ ۱۱/ ۳۴۔ تہذیب التہذیب ۱۰/ ۱۲۷۔ تاریخ بغداد ۱۳/ ۱۰۳۔

۵)......بستان المحدثین ص ۲۸۱۔

۶)......حوالۂ بالا۔

امام مسلم رحمہ اللہ کا مسلک

امام مسلم رحمہ اللہ کے مسلک کی تعیین میں اقوالِ علماء کافی مختلف ہیں، علامہ انور شاہ کشمیریؒ فیض الباری میں لکھتے ہیں کہ امام مسلمؒ کا مذہب معلوم نہیں ہے اور صحیح مسلم کے تراجم سے بھی ان کے مذہب کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا، اس لیے کہ وہ تراجم دوسروں نے قائم کیے ہیں (۱) اسی طرح العرف الشذی میں فرماتے ہیں: ''أما مسلم فلا أعلم مذهبه بالتحقيق'' (۲) حضرت شاہ ولی اللہ محدث دھلوی نے الانصاف میں (۳) نواب صدیق حسن خان نے الحطہ میں (۴) حاجی خلیفہ نے کشف الظنون میں (۵) امام مسلمؒ کو شافعی کہا ہے۔ صاحب الیانع الجنی نے لکھا ہے کہ امام مسلمؒ اصولی طور پر شافعی ہیں اور بہت کم مسائل میں انھوں نے امام شافعیؒ سے اختلاف کیا ہے (۶) علامہ ابراہیم بن شیخ عبداللطیف سندھی فرماتے ہیں: ''کہ امام مسلم کے بارے میں عمومی خیال یہ ہے کہ آپ شافعی ہیں لیکن در حقیقت آپ مجتہد ہیں، یہ الگ بات ہے کہ اکثر مسائل میں آپ کا اجتہاد امام شافعیؒ سے جاملتا ہے'' (۷) شیخ طاہر جزائری نے بھی لکھا ہے کہ ''آپ مقلد محض نہیں تھے، البتہ فقہ میں

۱)......فیض الباری ۱/ ۵۸۔

۲)......العرف الشذی مطبوع مع جامع الترمذی ۱/ ۲۔

۳)......الانصاف فی بیان سبب الاختلاف ص ۷۹۔۸۰۔

۴)......الحطۃ فی ذکر الصحاح الستۃ: ۲۲۸ (پاکستان لاہور)۔

۵)......کشف الظنون عن اسامی الکتب والفنون ۱/ ۵۵۵، بیروت۔

۶)......لامع الدراری ۱/ ۷۰۔

۷)......ماتمس اليه الحاجة مطبوع مع سنن ابن ماجه ص ۲۵، واسم كتابه "سحق الاغبياء من الطاعنين فى كمل الاولياء واتقياء العلماء، وقال الشيخ محمد ادريس الكاندهلويؒ فى تعليقه على لامع الدراري: هذا الكتاب من محفوظات خزانة مدرسة مظهر العلوم بكراتشى، انظر لامع الدرارى ۱/ ۶۸۔

امام شافعی کی طرف مائل تھے'' (۱) اسی طرح ابن حجرؒ اور ابن اثیرؒ کے کلام سے آپ کے مجتہد ہونے کا اشارہ ملتا ہے (۲) ابن قیمؒ نے امام مسلمؒ کو حنبلی کہا ہے (۳) اور ابن ابی یعلی نے بھی آپ کا ذکر طبقاتِ حنابلہ میں کیا ہے، علامہ ابراہیم سندھی نے اتحاف الاکابر کے حوالہ سے لکھا ہے کہ آپ ''مالکی مذہب پر تھے، البتہ آپ کا ذکر طبقات مالکیہ میں نہیں ملتا'' (۴)۔

تصانیف

امام مسلمؒ نے صحیح مسلم کے علاوہ بہت سی کتابیں تصنیف فرمائی ہیں۔ جن سے آپ کے علمی ذوق ومشغلہ کا اندازہ ہوتا ہے، ان کتابوں کی ایک اجمالی فہرست پیش خدمت ہے (۱) مسند کبیر (۲) الاسماء والکنی (۳) جامع کبیر (۴) کتاب العلل (۵) کتاب التمییز (۶) کتاب الوحدان (۷) کتاب الأقران (۸) کتاب حدیث عمرو بن شعیب (۹) کتاب الانتفاع بأھب السباع (۱۰) کتاب مشایخ مالک (۱۱) کتاب مشایخ الثوری (۱۲) کتاب مشایخ شعبۃ (۱۳) کتاب المخضرمین (۱۴) کتاب أولاد الصحابۃ (۱۵) کتاب أوھام المحدثین (۱۶) کتاب الطبقات (۱۷) کتاب أفراد الشامیین (۱۸) کتاب سؤالاتہ احمد بن حنبل (۱۹) کتاب من لیس لہٗ الا راو واحد (۲۰) کتاب رواۃ الاعتبار (۵)۔

---

۱)......توجیہ النظر إلی أصول الأثر ص ۱۸۵۔

۲)......ماتمس الیہ الحاجۃ لمن یطالع سنن ابن ماجہ: ۲۵، ۲۶۔

۳)......دیکھئے أعلام الموقعین ۲/۲۴۲ مطبوع دار الجیل، بیروت۔

۴)......ماتمس الیہ الحاجۃ لمن یطالع سنن ابن ماجۃ: ۲۵، ۲۶۔

۵)......تذکرۃ الحفاظ ۲/۵۹۰۔ مقدمہ صحیح مسلم للنووی ص ۱۲۔

وجہ تالیف صحیح مسلم

سب سے پہلے امام بخاریؒ نے احادیث صحیحہ کو یکجا کر کے صحیح بخاری کی تصنیف فرمائی، اس عمل کو دیکھ کر امام مسلمؒ کا بھی ارادہ ہوا کہ اسی عنوان سے دوسرے انداز میں احادیث صحیحہ کو جمع کریں، اس ارادے کوان کے شاگرد احمد بن سلمہ یا ابواسحٰق ابراہیم بن محمد بن سفیان (علی اختلاف القولین) کی درخواست سے مزید تقویت ملی، جیسا کہ صحیح مسلم کے شروع میں مذکور ہے اور اس وقت کے حالات کا شدید تقاضا بھی یہی تھا کہ ایسی کتاب لکھی جائے، اس لیے کہ واضعین کا بازار گرم تھا اور کچھ سادہ لوح دیندار بھی ان کے ہمنوا ہو گئے تھے۔

امام بخاری کا مقصود تخریجِ احادیث صحیحہ کے ساتھ ساتھ، فقہ وتفسیر اور سیرت کا استنباط بھی تھا اس لیے انہوں نے موقوف، معلق اور صحابہ وتابعین کے فتاوی بھی نقل کیے ہیں، لیکن امام مسلم نے استنباط مسائل سے تعرض کیے بغیر احادیث صحیحہ اور ان کے مختلف طرق یکجا کرنے کو پیش نظر رکھا، اس وجہ سے احادیث منقطعہ وغیرہ ان کی ''صحیح'' میں شاذ ونادر ہیں۔

اہتمامِ تألیف

امام مسلمؒ نے احادیثِ صحیحہ کی شناخت میں مہارت تامہ وکاملہ رکھنے کے باوجود اپنی صحیح کی تالیف میں ذاتی رائے وتحقیق پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ اس فن کے جلیل القدر ائمہ کی آراء کو بھی پیش نظر رکھا، چنانچہ وہ خود فرماتے ہیں: "لیس کل شی عندی صحیح وضعته ھھنا، انما وضعت ھھنا ما اجمعوا علیه"(۱) یعنی میں نے اس کتاب میں

۱)......صحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ باب التشہد۔ ج ۱ ص ۱۷۴۔

ہر وہ حدیث جو میرے نزدیک صحیح ہو، ذکر نہیں کی بلکہ ان احادیث کو ذکر کیا ہے جن کی صحت پر ائمہ فن کا اجماع ہو۔

امام مسلمؒ کا یہ جملہ علماء کے یہاں زیر بحث رہا ہے اور باعث تشویش بنا ہے، اس لیے کہ صحیح مسلم میں کافی روایات موجود ہیں جن کی صحت میں کافی اختلاف ہے علامہ نوویؒ نے ابوعمرو بن صلاحؒ کے حوالے سے اس اشکال کے دو جواب نقل کئے ہیں۔

ا۔ مقصد یہ ہے کہ صرف ان روایات کو ذکر کریں گے جن میں (امام مسلم کے خیال کے مطابق) وہ تمام شرائط موجود ہوں جو صحت حدیث کے لیے مجمع علیہا ہیں، چاہے دوسرے حضرات کے یہاں وہ حدیث ان تمام شرائط کی حامل نہ ہو۔

۲۔ یا یہ مراد ہے کہ انہوں نے کوئی ایسی حدیث اپنی ''صحیح'' میں ذکر نہیں کی جس میں ثقات کا نفس حدیث کے متن وسند دونوں میں اختلاف ہوا ہوتا، بعض رواۃ کی توثیق میں اختلاف سے قطع نظر (۱)۔

لیکن ان جوابات سے زیادہ دلنشین توجیہ وہ ہے جو حضرت علامہ عثمانیؒ نے فتح الملہم میں کی ہے۔ فرماتے ہیں کہ ''یہاں اجماع سے اجماع عام مراد نہیں بلکہ امام مسلم کے چار شیوخ احمد بن حنبل، ابوزرعہ رازی، یحیی بن معین، ابوحاتم رازیؒ کا اجماع مراد ہے'' (۲) لہذا کوئی اشکال نہیں رہا البتہ یہ بات قابل ذکر ہے کہ علامہ عثمانیؒ نے مقدمہ فتح الملہم میں ابوحاتم اور ابوزرعہ کے بجائے عثمان بن ابی شیبہ اور سعید بن منصور کا نام ذکر کیا ہے جو بظاہر پہلے قول سے متعارض نظر آتا ہے لیکن یہ کوئی تعارض نہیں بلکہ دونوں اقوال جمع ہو سکتے ہیں تو گویا چھ اکابر کا اجماع مراد ہوگا، علامہ سیوطیؒ نے بھی تدریب الراوی میں عثمان بن ابی

---

۱)...... مقدمہ نووی ص ۵۔ علوم الحدیث لابن الصلاح۔ ص ۲۰ (دار الفکر)۔

۲)...... فتح الملہم ۲/۴۴ وذکرہ فی المقدمۃ ایضاً ص ۱۵۳۔

شیبہ اور سعید بن منصور کے نام کے بجائے ابوحاتم اور ابوزرعہ نقل کئے ہیں (۱) ابن الشرقی کا بیان ہے کہ میں نے امام مسلم سے سنا، وہ فرمایا کرتے تھے: ''ماوضعت شيئا فی كتابی هذا المسند الا بحجة وما اسقطت منه شيئا الا بحجة" (۲) مکی بن عبدان کہتے ہیں کہ ''امام مسلمؒ نے کتاب کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے بعد اس کو حافظ ابوزرعہ کی خدمت میں پیش کیا اور جس روایت کے بارے میں کسی علت کی طرف اشارہ کیا اسے کتاب سے خارج کردیا'' (۳)۔

زمانۂ تالیف

احمد بن سلمہ فرماتے ہیں: ''كنت مع مسلم فی تأليف "صحيحه" خمس عشرة سنة" (۴) پندرہ سال تک میں صحیح مسلم کی ترتیب وتالیف میں امام مسلم کے ساتھ شریک رہا، اسی طرح امام مسلم کے خاص شاگرد ابواسحٰق ابراہیم بن محمد بن سفیان کا بیان ہے کہ ۲۵۷ھ میں اس کتاب کی قراءت سے فراغت پائی (۵) یعنی امام مسلم کے انتقال سے کافی پہلے کتاب مکمل ہوچکی تھی۔

---

۱)......تدریب الراوی ۱/ ۹۸ (المکتبۃ العلمیۃ بالمدینۃ المنورۃ)۔

۲)......دیکھئے تذکرۃ الحفاظ ۲/ ۵۹۰۔

۳)......سیر اعلام النبلاء ۱۲/ ۵۶۸۔ مقدمہ نووی: ۱۵۔

۴)......سیر اعلام النبلاء ۱۲/ ۵۶۶۔ علامہ نووی نے مقدمہ میں ست عشر سنة نقل کیا ہے دیکھئے مقدمہ نووی مطبوع مع المسلم ص ۱۴۔

۵)......دیکھئے فوائد جامعہ برعجالۂ نافعہ ص ۶۷ رقم الترجمہ ۲۷۳۔ مطبوع نور محمد کتب خانہ کراچی۔

تعدادِ روایات

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''صنفت هذا "المسند الصحيح" من ثلث مائة الف حديث مسموعة" (۱) احمد بن سلمہ کا قول ہے کہ اس میں بارہ ہزار حدیثیں ہیں (۲) ابوحفص میانجی فرماتے ہیں کہ اس میں آٹھ ہزار احادیث ہیں، شیخ طاہر جزائری اور شیخ ابن صلاح، امام سیوطی اور محی الدین نووی کے نزدیک مکررات کے علاوہ بنیادی حدیثیں چار ہزار ہیں (۳) حافظ ابن حجر فرماتے ہیں، کہ یہ قول قابل اشکال ہے (۴) لیکن درحقیقت دونوں کے درمیان کوئی تضاد نہیں ہے، ہوسکتا ہے کہ شمار دونوں کے نزدیک مختلف رہا ہو، حال ہی میں مصر کے ایک عالم محمد فؤاد عبدالباقی نے صحیح مسلم کی شروع سے آخر تک تمام احادیث پر رقم لگائے تو ان کی تعداد بغیر مکررات کے ۳۰۳۳ تھی (۵)۔

تراجم وابواب

یہ طے شدہ بات ہے کہ امام صاحب نے صحیح کے لیے تراجم قائم نہیں فرمائے اس وجہ سے کہ کہیں حجم کتاب زیادہ نہ ہو جائے یا یہ مقصد تھا کہ کتاب کے اندر سوائے صحیح احادیث کے کوئی خارجی بات نہ آئے۔

۱)......تاریخ بغداد ۱۳/۱۰۱۔ وفیات الاعیان ۵/۱۹۴۔ سیر اعلام النبلاء ۱۲/۵۶۵ تذکرۃ الحفاظ ۲/۵۸۹۔ مقدمہ نووی: ۱۵۔

۲)......سیر اعلام النبلاء ۱۲/۵۶۶۔ تذکرۃ الحفاظ ۲/۵۸۹۔

۳)......النکت علی کتاب ابن الصلاح ۱/۲۹۶۔ تدریب الراوی: ۱۰۴۔

۴)......النکت ۱/۲۹۶۔

۵)......دیکھئے محولہ بالا۔

علامہ نوویؒ فرماتے ہیں کہ امام مسلمؒ نے اگرچہ تراجم قائم نہیں فرمائے لیکن تراجم کا لحاظ کرتے ہوئے صحیح کی ترتیب دی ہے، چنانچہ بعد کے آنے والے اہل علم حضرات نے تراجم قائم کرنے کی کوشش کی ہے جن میں سے بعض مناسب اور بعض غیر مناسب ہیں، علامہ نووی نے یہ بھی فرمایا کہ میں بہتر تراجم قائم کرنے کی کوشش کروں گا (۱) لیکن علامہ عثمانی فرماتے ہیں کہ اس جلیل القدر امام کے شایان شان تراجم قائم نہیں کئے جا سکے، ہوسکتا ہے کہ اللہ اپنے کسی بندہ کو اس کی توفیق دے تا کہ کماحقہ تراجم قائم کرے (۲)۔

کیا صحیح مسلم جامع ہے؟

''جامع''، اصطلاح محدثین میں حدیث کی اس کتاب کو کہا جاتا ہے جس میں اصناف ثمانیہ موجود ہوں۔ جنہیں علامہ کشمیریؒ نے اس شعر میں جمع کر دیا ہے۔

سیر و آداب، تفسیر وعقاید

رقاق واحکام، اشراط ومناقب (۳)

اس تعریف کے پیش نظر حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز دہلویؒ نے فرمایا کہ مسلم کو جامع نہیں کہا جائے گا، اس لیے کہ اس میں تفسیری روایات بہت کم ہیں (۴) ان کے مقابلے میں مؤلف قاموس شیخ مجد الدین شیرازی (متوفی ۸۰۶ھ یا ۸۰۷) استاد ابن حجر نے صحیح کو جامع کہا ہے، اپنے ایک شعر میں فرماتے ہیں:

---

۱)...... دیکھئے شرح النووی مطبوع مع الصحیح ۱/۱۵۔

۲)...... فتح الملہم ۱/۲۷۸۔

۳)...... معارف السنن ۱/۱۸۔

۴)...... عجالۂ نافعہ: ۱۵۸۔

"ختمت بحمدالله جامع مسلم

بجوف دمشق الشام جوف الاسلام" (۱)

ملاعلی قاری نے بھی شرح مشکوۃ میں مسلم کو جامع کہا ہے۔ لکھتے ہیں۔

"وله مصنفات جليلة غير جامعه"(۲)۔

حاجی خلیفہ نے بھی کشف الظنون میں حرف الجیم میں مسلم کو جامع لکھا ہے: "الجامع الصحيح۔ للإمام الحافظ أبي الحسين مسلم بن الحجاج" (۳)۔

علامہ شبیر احمد عثمانی اور نواب صدیق حسن خان نے بھی حضرت شاہ صاحب کی رائے سے اختلاف کیا ہے اور فرمایا ہے کہ مسلم جامع ہے(۴)۔

باقی قلتِ روایات تفسیریہ کا ایک جواب یہ ہے کہ روایات تفسیریہ کم ہی ہیں اور بخاری میں جو بظاہر زیادہ نظر آتی ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ بخاری میں تکرار احادیث اور اقوال لُغویہ بکثرت موجود ہیں، اسی طرح آثار موقوفہ بھی کافی ہیں جن سے امام مسلم بہت پرہیز کرتے ہیں۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ تفسیر میں جتنی روایات مرفوعہ مسندہ ہیں ان کی کافی تعداد مسلم میں موجود ہے البتہ وہ اپنے اپنے مقام پر پھیلی ہوئی ہیں۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ احادیث تفسیریہ کا کم ہونا جامع ہونے کے منافی نہیں ہے، کیونکہ جامع سفیان ثوری اور جامع سفیان بن عیینہ بالاتفاق اسلام کی اولین جوامع میں شمار کی جاتی ہیں، حالانکہ ان میں تفسیر کی روایات بہت کم ہیں، علامہ کتانی لکھتے ہیں: "ثم

---

۱)...... دیکھئے مقدمہ تاج العروس: ۱/۱۴(منشورات دار مکتبۃ الحیاۃ، بیروت)

۲)...... مرقاۃ المفاتیح ۱/۱۷(ملتان، پاکستان)۔

۳)...... کشف الظنون ۱/۵۵۵۔

۴)...... الحطۃ: ۲۰۷۔ فتح الملہم ۱/۲۹۴۔

جامع سفیان الثوری و سفیان بن عیینة فی السنن والآثار وشئ من التفسیر فهذه الخمسة اول شئ وضع فی الاسلام" (۱)۔

خصوصیاتِ صحیح مسلم

عموماً مصنف کی کوشش وخواہش یہ ہوتی ہے کہ اس کی کتاب ایسی خوبیوں سے آراستہ ہو جن سے دیگر مصنفین کی کتابیں خالی ہوں، صحیح مسلم میں بھی ایسی کئی امتیازی خصوصیات ہیں، ان میں سے چند یہ ہیں۔

(۱) صحیح مسلم سے استفادہ بہت ہی آسان ہے، چونکہ امام مسلمؒ ہر حدیث کو اس کے مناسب مقام پر بیان فرماتے ہیں اور پھر اسی جگہ پر اس حدیث کے متعدد طرق اور مختلف الفاظ کو ذکر کر دیتے ہیں بخلاف امام بخاریؒ کے کہ وہ روایات میں تقدیم وتأخیر، حذف اور اختصار کرتے رہتے ہیں، جس سے بعض مرتبہ تعقید پیدا ہو جاتی ہے (۲)۔

(۲) تفاوتِ الفاظ کی نشاندہی، یعنی اگر کسی کے پاس کوئی روایت دو یا اس سے زیادہ راویوں سے پہنچی ہے جس کا مضمون ایک، لیکن الفاظ مختلف ہوں تو اس کے لیے جائز ہے کہ دونوں کو ایک سند میں جمع کر کے ایک راوی کے الفاظ کو بیان کرے، لیکن بہتر طریقہ یہ ہے کہ جس سند سے جو لفظ سنا ہے اس کی تعیین کرے، امام مسلمؒ نے اسی افضل صورت کو اختیار کیا ہے، مثلاً فرماتے ہیں: "حدثنا فلان وفلان واللفظ لفلان"۔

(۳) دفع التباس: کبھی یہ ہوتا ہے کہ ایک طبقہ میں ایک ہی نام کے متعدد راوی ہوتے ہیں تو امتیاز کے لیے نسب یا نسبت کا اضافہ کرنا پڑتا ہے یا کبھی کسی لفظ کی تشریح کی

---

۱)......الرسالة المستطرفة: ۹۔ تفصیل کے لیے دیکھئے فتح الملہم ۱/۲۹۳۔

۲)......النکت علی کتاب ابن الصلاح ۱/۲۸۳، جوازِ اختصارِ حدیث کے لیے دیکھئے الباعث الحثیث: ۱۲۱۔

ضرورت پڑتی ہے، شیخین (بخاری ومسلم) نے اس بات کا التزام کیا ہے، چنانچہ روایت نقل کرتے وقت وہ ایسے لفظ کا اضافہ کر دیتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ توضیح وتشریح ان کی طرف سے ہے شیخ کے الفاظ نہیں ہیں، مثلاً ''حدثنا عبداللّٰہ بن سلمة حدثنا سلیمان یعنی ابن بلال عن یحیی وھو ابن سعید'' یعنی ابن بلال اور وھو ابن سعید کا اضافہ اسی نکتہ کے پیش نظر کیا گیا ہے۔

(۴) حدثنا اور اخبرنا میں فرق: محدثین کے یہاں تدریس کے دو طریقے ہیں ایک یہ ہے کہ استاذ پڑھے اور شاگرد سنے۔ دوسرا اس کے برعکس ہے، امام مسلم کا مذہب یہ ہے کہ حدثنا کا اطلاق اس صورت پر ہوتا ہے جب کہ شاگرد استاد سے سنے اور اخبرنا جب کہ شاگرد استاد کو سنائے اور استاد سنے، باقی اخبرنا کا اطلاق حدثنا پر یا حدثنا کا اطلاق اخبرنا پر جائز نہ ہوگا، یہی مذہب ہے امام شافعی، ابن جریج، اوزاعی، ابن رجب اور جمہور اہل شرقؒ کا، امام بخاری کے یہاں یہ فرق نہیں ہے اور ان کے ساتھ زہری، مالک، سفیان بن عیینہ اور یحیی بن معینؒ بھی ہیں (۱) بہر حال ظاہر ہے کہ کمالِ احتیاط امام مسلمؒ کے طریقے میں ہے۔

(۵) قلتِ آثار وتعلیقات: امام مسلمؒ چونکہ استنباطِ مسائل سے تعرض نہیں کرتے اس لیے آثار موقوفہ اور تعلیقات بہت ہی شاذ ونادر ملتے ہیں اور وہ بھی تبعاً اور استشہاداً بخلاف امام بخاریؒ کے۔

(۶) ضبطِ اسماء: امام بخاریؒ سے اہل شام کی روایات میں کبھی تسامح ہو جاتا ہے اور ایک ہی راوی کے نام وکنیت کو دو آدمی سمجھ لیتے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کو اہل شام کی روایات بطریق مناولہ ملی ہیں، امام مسلمؒ کو یہ مغالطہ نہیں ہوتا (۲)۔

۱)...... تفصیل کے لیے دیکھئے مقدمہ شرح النووی مطبوع مع صحیح مسلم ۱/۱۵۔

۲)...... تذکرۃ الحفاظ: ۲/۵۸۹۔

(۷) روایت باللفظ: امام صاحب نے چونکہ اپنی کتاب اپنے شہر میں تصنیف کی اور اس وقت ان کے بہت سے شیوخ زندہ تھے، اس لیے الفاظ کے سیاق وسباق میں نہایت غور وفکر سے کام لیا ہے اور روایت بالمعنی کے بجائے روایت باللفظ فرماتے ہیں، امام بخاریؒ نے چونکہ اپنی کتاب کی تصنیف مختلف بلاد وامصار میں فرمائی ہے اور اکثر وبیشتر اپنے حافظہ پر اکتفا فرمایا ہے جس سے بعض مرتبہ استاد کے الفاظ چھوٹ جاتے ہیں (۱)۔

(۸) احادیث کے بعض مجموعے ایسے ہیں جن میں ایک ہی سند سے کئی روایات ہیں، جیسے صحیفۂ ہمام بن منبہ وغیرہ، اس میں سے حدیثِ اول کے علاوہ کوئی دوسری حدیث روایت کرنی ہو تو اس کے لیے محدثین کے یہاں دو طریقے ہیں، ایک یہ کہ جب پہلی حدیث کے ساتھ سند بیان کردی جائے تو باقی احادیث میں سند بیان کرنے کی ضرورت نہیں، فقط "وبالاسناد السابق" کہنا کافی ہے، عموماً عمل اسی پر ہے اور وکیع بن جراح، یحییٰ بن معین، ابوبکر اسماعیلی رحمہم اللہ وغیرہ کا یہی قول ہے، دوسرا احوط طریقہ یہ ہے کہ ہر حدیث کے ساتھ سند بیان کی جائے، ابواسحٰق اسفرائینی جو اصول حدیث کے مسلّم امام ہیں اسی کو ترجیح دیتے ہیں، امام مسلم نے بھی اسی احوط طریقے کو اختیار فرمایا ہے مثلاً "حدثنا محمد بن رافع حدثنا عبدالرزاق اخبرنا معمر عن همام بن منبه قال هذا ما حدثنا ابو هريرة وذكر احاديث منها وقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: اول زمرة تلج الجنة صورهم على صورة القمر ليلة البدر"(۲)۔

اس باب میں امام بخاریؒ کا طریقہ یہ ہے کہ جب کسی صحیفے سے روایت لانا چاہتے ہیں تو پہلے اس صحیفہ کی حدیث اول مع سند بیان کرتے ہیں پھر اپنے مقصد کی

۱)......امام بخاری فرماتے ہیں: "رب حديث سمعته بالبصرة كتبته بالشام ورب حديث سمعته بالشام كتبته بمصر"، تاریخ بغداد ۲/۱۱، النکت علی کتاب ابن الصلاح ۱/۲۸۳۔

۲)......صحیح مسلم ج ۲/ص ۳۷۹ كتاب الجنة وصفة نعيمها واهلها۔

حدیث لاتے ہیں تو دیکھنے والا حیران رہ جاتا ہے کہ ان دونوں احادیث میں کیا ربط ہے، بات وہی ہے کہ پہلی حدیث سے دوسری حدیث کی سند کی طرف اشارہ ہے۔

صحیح مسلم کی شرائط

(۱) حدیث صحیح لذاتہ: حدیث صحیح کی شرط یہ ہے کہ اس کی سند متصل ہو، راوی عادل وضبط ہو اور حدیث شذوذ وعلل سے پاک ہو، امام مسلمؒ سب سے پہلے حدیث ''صحیح لذاتہ'' کو لیتے ہیں اور کبھی استشہاداً یا اصالۃ ''حسن لعینہ'' کو بھی لیتے ہیں، اس کی تفصیل آئے گی۔

(۲) حدیث متفق الصحۃ: اس کے بارے میں ہم امام مسلم کا قول نقل کر چکے ہیں۔ ''انما وضعت ھھنا ما اجمعوا علیه''۔ اس پر تفصیلی گفتگو گزر چکی ہے۔

(۳) امام مسلم نے اپنی کتاب کے مقدمہ میں احادیث کی تین قسمیں اور راویوں کے تین طبقے قرار دیئے ہیں۔

۱۔ وہ احادیث جو بالکل صحیح ہوں اور ان کے راوی ضبط واتقان کے اعلیٰ معیار پر ہوں۔

۲۔ وہ احادیث جن کے راوی حفظ واتقان میں درجہ اول کے رواۃ سے فروتر ہیں، باقی صداقت اور علم حدیث کے ساتھ وابستگی کے لحاظ سے وہ درجۂ اول سے کم نہیں ہیں۔

۳۔ وہ احادیث جن کے رواۃ کو اکثر محدثین نے مردود قرار دیا ہو، امام مسلمؒ فرماتے ہیں کہ ہم پہلے اور دوسرے طبقے کی احادیث ذکر کریں گے اور تیسرے طبقہ کی روایات ذکر نہیں کرینگے (۱)۔

۱)......مقدمۃ صحیح مسلم ص ۲۔

امام مسلمؒ کے مقصد میں علماء کا اختلاف ہے، حاکم اور بیہقی کا خیال یہ ہے کہ امام صاحب کا ارادہ تھا کہ متعدد کتابیں تصنیف فرما کر ایک کتاب میں پہلی قسم کی روایات لائیں گے پھر دوسری کتاب میں دوسری قسم کی روایات اور تیسری قسم کے لیے کوئی تصنیف نہیں فرمائیں گے، اس سلسلے میں انہوں نے پہلی کتاب تصنیف فرمائی اور دوسری کتاب لکھنے سے پہلے آپ کا انتقال ہو گیا (۱) قاضی عیاض صاحب فرماتے ہیں کہ دراصل رواۃ کی چار قسمیں ہیں، تین جو مذکورہ ہیں اور چوتھی قسم میں وہ رواۃ داخل ہیں جن کو بعض علماء نے معتبر اور بعض نے غیر معتبر کہا ہے، گویا کل چار طبقے ہو گئے اور جس کو امام مسلم نے طبقۂ سوم کہا ہے وہ طبقہ چہارم میں آئے گا، اس کے بعد قاضی صاحب نے فرمایا کہ صحیح مسلم میں تینوں طبقات کی احادیث موجود ہیں بایں طور کہ طبقہ اول کی احادیث کو اصالۃً ذکر کرتے ہیں پھر توضیح وتشریح کے لیے طبقۂ دوم کی احادیث کو لاتے ہیں اور اگر کبھی طبقۂ اول کی احادیث نہ مل سکے تو طبقۂ دوم کے احادیث کو اصالۃً لاتے ہیں، اسی طرح طبقۂ سوم یعنی جو مختلف فیہ رواۃ ہیں ان کی روایات کو بھی لاتے ہیں، باقی طبقۂ چہارم جو کتاب کے اعتبار سے طبقۂ سوم ہے ان کی روایات بالکل ترک دیتے ہیں (۲) بعض حضرات نے یہ سمجھا کہ قاضی صاحب کا مقصد یہ ہے کہ کتاب کے اعتبار سے جو تین طبقے ہیں ان کی روایات ذکر کرینگے۔ حالانکہ اس میں تیسرا طبقہ مجاہیل کا ہے، لہذا ان کو قاضی صاحب کی عبارت پر اشکال ہوا لیکن درحقیقت تفصیل وہی ہے جو ہم نے بیان کی۔

حافظ صاحب، قاضی عیاض کی توجیہ کو رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اصل اختلاف اس میں ہے کہ جس طرح پہلے طبقے کی روایات اصالۃً لیتے ہیں چاہے وہ متفرد ہی کیوں نہ

---

۱)...... دیکھئے مقدمہ شرح نووی: ۱۵۔

۲)...... مقدمہ شرح نووی: ۱۵۔

ہو، کیا اسی طرح دوسرے طبقے کی روایات بھی لیتے ہیں؟ جواب ظاہر ہے کہ طبقۂ ثانیہ کی روایات متفردہ کو نہیں لیتے، قاضی عیاض کو مغالطہ ہوا اور انہوں نے سمجھا کہ گفتگو مطلقاً ذکر روایات میں ہورہی ہے کہ کیا طبقۂ ثانیہ کی روایات اس کتاب میں مذکور ہیں یا نہیں؟ البتہ یہ الگ بات ہے کہ کبھی طبقۂ ثانیہ کی روایات کو بوقتِ تعددِ طرق یا بطور استشہاد کے لاتے ہیں، حافظ صاحب آگے لکھتے ہیں:''ولو كان يخرج جميع احاديث اهل القسم الثاني في الاصول بل وفي المتابعات لكان كتابه أضعاف ماهو عليه"(۱)۔

البتہ یہ اشکال باقی رہتا ہے کہ امام مسلم طبقۂ سوم یعنی مختلف فیہ رواۃ کی روایات کو کیوں ذکر کرتے ہیں، اس کے مختلف جوابات ہیں:

(۱) امام مسلم ان کی احادیث استشہاداً، توضیح وتشریح کے لیے لاتے ہیں، اصالۃً نہیں لاتے ہاں اگر کسی جگہ طبقۂ اول کی احادیث نہ ملیں تو پھر اصالۃً ذکر کرتے ہیں۔

(۲) بہت سے راوی اخیر عمر میں ضعف حفظ میں مبتلا ہوتے ہیں جس کی وجہ سے بعض لوگوں نے ان کو ضعیف کہا ہے، امام مسلم نے اختلاط اور خرابیٔ حافظہ سے پہلے ان کی احادیث کا انتخاب کیا ہے، مثلاً احمد بن عبدالرحمٰن جو رجال مسلم میں سے ہیں ان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ۲۵۰ھ کے بعد ان کے حافظہ میں تغیر آیا تھا، حالانکہ ۲۵۰ھ میں امام صاحب مسلم کی تصنیف سے فارغ ہوچکے تھے(۲)۔

---

۱)......النکت علی کتاب ابن الصلاح:۱/۴۳۴۔

۲)......قال عبدالرحمن بن ابی حاتم: "سمعت ابی يقول: كتبنا عنه وامره مستقيم ثم خلّط بعد، وقال ابي عبدُالله محمد بن يعقوب: ان ابن اخی ابن وهب (احمد بن عبدالرحمان)ابتلی بعد خروج مسلم من مصر ونحن لانشك فی اختلاطه بعد الخمسين" انظر تهذيب الكمال مع التعليق: ۱/۳۸۸۔۳۸۹ وقال ابن الصلاح :"والحكم فيهم (ای فيمن خلط فی آخرعمره من الثقات) انه يقبل حديث من اخذعنهم قبل الاختلاط ولايقبل حديث من اخذ عنهم بعد الاختلاط او اشكل امره فلم يدر هل اخذ عنه قبل الاختلاط او بعده، وقال ايضاً: واعلم من كان من هذا القبيل محتجا بروايته فی الصحيحين او احد هما فإنا نعرف على الحملة ان ذلك مما تميز وكان مأخوذاً عنه قبل الاختلاط" انتهى مقدمة ابن الصلاح:۱۹۷۔

(۳) جرح مبہم کا اعتبار نہیں جب تک کہ اس کی تفصیل نہ کی جائے۔

(۴) امام مسلم خود اس فن کے امام ہیں دوسروں کا قول ان پر حجت نہیں، نیز وہ فرماتے ہیں کہ میں اس کتاب میں مجمع علیہ روایات بیان کروں گا پھر آخر میں حافظ ابوزرعہ کی طرف سے تایید وتصدیق بھی ہوگئی، توان تمام باتوں کے بعد کسی کا اعتراض معتبر نہ ہوگا (۱)۔

(۵) اتقان راوی: یعنی راوی ایسے ہوں جو کہ حافظ ومتقن ہوں لیکن یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ یہ شرط لازمی نہیں ہے۔

(۶) ضبط اور ملازمۃ الشیخ کے اعتبار سے رواۃ کے پانچ طبقے ہیں (۱) کامل الضبط کثیر الملازمۃ (۲) کامل الضبط قلیل الملازمۃ (۳) ناقص الضبط کثیر الملازمۃ (۴) ناقص الضبط قلیل الملازمۃ (۵) ضعفاء ومجاہیل، امام مسلمؒ پہلے اور دوسرے طبقہ کو استیعاباً ذکر کرتے ہیں اور تیسرے طبقہ کو کبھی کبھار استشہاداً لاتے ہیں۔

(۷) واضعین کی احادیث صحیح مسلم میں نہیں ہیں، امام مسلمؒ خود فرماتے ہیں:

"فاما ما كان منها عن قوم هم عند اهل الحديث متهمون، اوعند الاكثر منهم، فلسنا نشاغل بتخريج حديثهم"(۲)

(۸) منکر روایات بھی صحیح مسلم میں نہیں ہیں، امام مسلم فرماتے ہیں:

"وكذلك مَن الغالب على حديثه المنكر او الغلط، امسكنا أيضاً عن حديثهم"(۳)۔

---

۱)......مقدمہ شرح النووی: ۱۶۔

۲)......مقدمہ صحیح مسلم ص ۳۔

۳)......حوالۂ بالا۔

حدیثِ معنعن

مناسب ہے کہ صحیح مسلم کے شرائط کے تحت حدیثِ معنعن کی تفصیل ذکر کی جائے (۱) حدیث معنعن وہ حدیث ہے جس میں راوی لفظ ''اخبار''،''تحدیث''یا''سماع'' کے بجائے لفظ "عن" ذکر کرے جس میں سماع اور عدم سماع دونوں احتمال ہیں، ایسی حدیث کو اتصال پر حمل کیا جائے گا یا انقطاع پر؟۔

ایک صورت یہ ہے کہ معنعن اور معنعن عنہ یعنی راوی اور مروی عنہ کی عدم ملاقات ثابت ہو، بایں طور کہ دونوں ہمعصر نہ ہوں یا ہمعصر تو ہوں، لیکن دوسرے دلائل اور قرائن سے ان کا عدم لقاء ثابت ہو، ایسی صورت میں وہ روایت بالاتفاق منقطع ہو گی، دوسری صورت یہ ہے کہ راوی اور مروی عنہ کا زمانہ ایک ہو یعنی امکان لقاء موجود ہو اور عدم لقاء کی کوئی دلیل سامنے نہ آئی ہو، لیکن راوی مدلِّس ہو تو اس کی روایت بالاتفاق نا قابل اعتبار ہو گی اور اگر راوی مدلِّس نہ ہو تو اس میں اختلاف ہے۔

۱۔ ایسے راوی کی تمام روایات اتصال پر محمول ہیں، اگر چہ ثبوت لقاء کی کوئی دلیل موجود نہ ہو یہ مذہب امام مسلم کا ہے اور بقول ان کے جمہور اسی طرف ہیں۔

۲۔ حدیث معنعن اتصال پر محمول ہو گی اس شرط کے ساتھ کہ راوی اور مروی عنہ کا کم از کم ایک بار لقاء ثابت ہو، یہ مذہب امام بخاری اور ان کے استاد علی بن المدینی رحمہما اللہ کا ہے، اس مذہب کے بارے میں دو باتیں سمجھنے کی ہیں۔

ایک یہ کہ امام بخاریؒ نفس صحت کے لیے یہ شرط نہیں لگاتے بلکہ اپنی صحیح میں اس شرط کی رعایت کرتے ہیں (۲)۔

---

۱)......مزید تفصیل کے لیے دیکھیے، شرح مسلم للنووی: ۱/۲۳ وتدریب الراوی للسیوطی: ۱/۲۱۴ وفتح الملہم: ۱/۱۴۴۔

۲)......دیکھیے اختصار علوم الحدیث از ابن کثیر: ۱۸۔

البتہ حافظ ابن حجرؒ نے اس قول سے اختلاف کیا ہے لکھتے ہیں: ''ادعی بعضهم ان البخاری انما التزم ذلك فی جامعه لافی اصل الصحة، وأخطأ فی هذا الدعویٰ، بل هذا شرط فی أصل الصحة عندالبخاری، فقد أكثر من تعليل الأحاديث فی تاريخه بمجرد ذلك"(۱)۔

دوسری بات جس کی تصریح حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے فرمائی ہے یہ ہے کہ یہ حضرات صرف لقاء مرۃً کی شرط لگاتے ہیں، سماع حدیث کی شرط نہیں لگاتے البتہ امام ابوزرعہ لقاء کے ساتھ سماع حدیث کی بھی شرط لگاتے ہیں۔

۳۔ثبوت لقاء کے ساتھ ادراک بین بھی ضروری ہے یہ امام قابسی کی رائے ہے

۴۔ابومظفر سمعانی کہتے ہیں کہ طول صحبت بھی ضروری ہے۔

۵۔ابوعمرو دانی مقری وغیرہ کے یہاں راوی کا مروی عنہ سے معروف بالروایۃ ہونا بھی لازمی ہے۔

۶۔دوسرے بعض حضرات کا کہنا ہے کہ حدیث معنعن مطلقاً منقطع ہے، چاہے لقاء ثابت ہی کیوں نہ ہو، عام طور پر یہی چھ مذاہب مشہور ہیں البتہ امام ابوزرعہ کے قول کو ملا کر سات بن جائینگے۔

اصل اختلاف امام بخاری اور امام مسلمؒ کے درمیان ہے، امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ اگر سماع کی شرط نہ لگائی جائے تو روایت میں انقطاع کا احتمال باقی رہتا ہے، جب ایک مرتبہ لقاء ثابت ہو جائے تو سماع احادیث کا احتمال قوی ہو جائے گا اور ان مسائل میں ظن غالب ہی پر فیصلے کیے جاتے ہیں، یہ ظن غالب نفس معاصرت سے حاصل نہیں ہوسکتا، امام مسلمؒ نے ایک بات یہ فرمائی کہ یہ قول تمام سلف کی رائے سے ہٹ کر ایک نیا اور مستحدث

۱)......النکت علی کتاب ابن الصلاح: ۲/۵۹۵۔

مذہب ہے، علماء متقدمین نے اتصالِ سند کے لیے نفسِ معاصرت مع امکان اللقاء کو کافی سمجھا ہے، پھر امام مسلم نے اپنی اس بات کو ثابت کرنے کے لیے مقدمہ کے آخر میں بہت سی احادیث پیش کی ہیں جو کہ معنعن ہیں، لیکن محدثین نفس معاصرت کی وجہ سے ان کو قبول کرتے ہیں، دوسری بات امام مسلمؒ نے یہ فرمائی کہ جس فائدہ اور نکتہ کے پیش نظر یہ شرط لگائی جارہی ہے اس شرط کی موجودگی میں بھی وہ فائدہ حاصل نہیں ہوتا یعنی اس شرط کے باوجود احتمال انقطاع باقی رہتا ہے، اس لیے کہ ہوسکتا ہے راوی نے کچھ احادیث مروی عنہ سے سنی ہوں پھر باقی احادیث مروی عنہ سے سنے بغیر "عن" کے ساتھ زاویت کی ہوں لہذا فریق مخالف کو چاہیے کہ صرف ان احادیث کو قبول کرے جن میں سماع ثابت ہو، اس صورت میں بڑی خرابی یہ لازم آئے گی کہ ذخیرۂ احادیث کا ایک معتدبہ حصہ ناقابل اعتبار ہوجائے گا، حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں: "من حکم علی المعنعن بالانقطاع مطلقاً شدّد ویلیه من شرط طول الصحبة ومن اکتفٰی بالمعاصرة سهل والوسط الذی لیس بعده الا التعنت، مذهب البخاری" پھر امام مسلمؒ کے دوسرے اعتراض کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ یہ صورت جو آپ نے بیان کی، تدلیس کی ہے اور مدلس کا عنعنہ بالاتفاق قبول نہیں مسئلۂ مفروضہ تو غیر مدلس راوی میں ہے۔

امام نوویؒ نے امام صاحب کی پہلی بات کو رد کرتے ہوئے فرمایا کہ "جمہور علماء امام مسلمؒ کی اس رائے سے اختلاف کرتے ہیں اور ان کا مذہب وہی ہے جسے امام بخاریؒ نے اختیار کیا ہے" لیکن علامہ نوویؒ کا کہنا کہ جمہور امام مسلمؒ کے مذہب کے خلاف ہیں، کم وزن بات ہے، جب علم حدیث کے ایک مسلّم امام نے واضح اور بہت سخت الفاظ میں اجماع کا دعوی کیا ہے اس کو رد کرنا مناسب نہ ہوگا۔

مخاطب کون ہے؟

مشہور ہے کہ امام مسلمؒ نے اس مسئلہ کے شروع میں جو تند و تیز لہجہ استعمال فرمایا ہے اس کے مخاطب براہ راست امام بخاریؒ ہیں تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ اپنے استاد کے متعلق ایسی باتیں کہنا تو خلافِ ادب ہے؟۔

اس بارے میں جوابات وتوجیہات کافی ہیں، البتہ بہتر بات حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کی ہے کہ امام مسلمؒ جس مذہب پر رد فرما رہے ہیں وہ یقیناً امام بخاری کی رائے ہے لیکن امام بخاریؒ کا مذہب امام مسلمؒ کو پہنچا نہیں تھا تو گویا وہ براہ راست امام بخاری پر رد نہیں کر رہے ہیں، بلکہ کچھ اور لوگوں پر رد کر رہے ہیں جن کے نام تاریخ میں محفوظ نہیں ہیں۔ حضرت کے الفاظ یہ ہیں ''الظاهر انه لم يقصد الا احقاق ما هو حق عنده وردّ مابلغه من قول بعض العلماء الا انه لم يسمعه ممن هو عَلَم فی العلم اوامام فی الحديث والا لما أقدم علی مثل هذه الالفاظ وانما بلغه هذا القول ممن ليس له كثير اعتداد فی أصحاب العلوم" (۱)۔

رُواۃِ مسلم

صحیح مسلم کی روایت کا سلسلہ دو طریق سے قائم رہا ہے ایک ابواسحٰق ابراہیم بن محمد بن سفیان کے طریق سے جو امام مسلم کے خاص تلامذہ میں سے ہیں، امام مسلم کے دوسرے شاگرد ابومحمد احمد بن علی قلانسی سے بھی صحیح مسلم کی روایت کی گئی ہے لیکن اس کا سلسلہ حدود مغرب تک منحصر رہا اور آگے نہ بڑھ سکا، البتہ ابراہیم نیشاپوری کی روایت کو

---

۱)...... دیکھئے الحل المفہم لصحیح مسلم ص ۲۰ مطبوع مکتبۃ الشیخ کراچی۔

قبولیت عامہ حاصل ہوئی۔(۱)۔

ضروری تنبیہ

جاننا چاہیے کہ امام صاحب کے دونوں شاگردوں نے صحیح مسلم بالاستیعاب امام صاحب سے نہیں سنی، ابومحمد قلانسی نے مسلم کے آخری تین جزء جو"حدیث افک" سے شروع ہوتے ہیں امام صاحب سے براہ راست نہیں سنے، اسی طرح ابراہیم بن محمد بن سفیان سے تین مقامات کا سماع چھوٹ گیا ہے جنہیں وہ براہ راست امام صاحب سے نہیں سن سکے لہذا ان تین مقامات میں سند بیان کرتے ہوئے"اخبرنا ابراهیم عن مسلم" کہا جائے گا۔ "اخبرنا ابراهیم قال اخبرنا مسلم" یا "قال حدثنا مسلم" نہیں کہا جائے گا، ان تین مقامات کی نشاندہی ہم صحیح مسلم مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی کے اعتبار سے کرتے ہیں۔

اول: مسلم جلد اول ص۴۲۰ باب تفضيل الحلق على التقصير حديث ابن عمر:انّ رسول الله صلى الله عليه وسلم قال رحم الله المحلقين الخ سے لے کر ص۴۳۴ باب استحباب الذكر اذا ركب على دابته حديث ابن عمر:انّ رسول الله صلى الله عليه وسلم كان اذا استوى على بعيره خارجاً الى سفر كبرّ ثلاثا الخ کے شروع تک ہے۔

دوم: مسلم جلد ثانی ص ۳۸ کتاب الوصیۃ کے شروع سے لے کر ص۵۶ كتاب القسامة والمحاربين حديث سهل بن ابى حثمة الانصارى ان نفراً منهم انطلقوا الى خيبر الخ کے آخر تک ہے اس میں کتاب الوصیۃ، کتاب النذر، کتاب الأیمان اور

۱)...... دیکھئے مقدمہ شرح النووی المطبوع مع صحیح مسلم:۱۲۔

کتاب القسامہ کا کچھ حصہ آ جاتا ہے۔

سوم: مسلم جلد ثانی ص۱۲۶ باب الامام جُنّة يقاتل من ورائه کے شروع سے لے کر ص۱۴۶ کتاب الصيد والذبائح، باب الصيد بالكلاب المعلمة والرمي، حديث ابي ثعلبة ان النبي صلى الله عليه وسلم قال اذا رميت بسهمك فغاب عنك الخ کے آخر تک ہے اس کے علاوہ کوئی حدیث نہیں جس کا سماع ابراہیم سے فوت ہوا ہو، باقی یہ بات کہ ان تین مقامات کی روایت ابراہیم بن محمد کس طرح کرتے ہیں؟ علامہ نوویؒ نے ابن الصلاح کا قول نقل فرمایا ہے کہ ہو سکتا ہے بطریق اجازہ یا وجادہ کے روایت کرتے ہوں(۱) فاحفظ هذا فإنه مهم۔

شروح وحواشی

علماء اور ائمہ فن قدیماً وحدیثاً صحیح مسلم کی اہمیت کے پیش نظر اس پر مختلف انداز سے کام کرتے رہے ہیں، مستخرجات، شروحات، رجال مسلم، تلخیصات، حواشی وغیرہ۔ مختلف مصنفین نے ان شروحات وغیرہ کی اجمالی اور تفصیلی فہرستیں بھی بنائی ہیں لیکن سب سے جامع فہرست ایک دمشقی محقق علامہ بدیع السید اللحام کی ہے جو الدیباج علی صحیح مسلم بن الحجاج کے مقدمہ میں موجود ہے، اس میں انہوں نے ۸۴ کتابوں کا نام ذکر کیا ہے جس میں متوفی اور معاصر شارحین کی کتابوں کے نام ہیں چند اہم اور قابل ذکر شروحات درج ذیل ہیں۔

(۱) المسند الصحيح المستخرج على صحيح مسلم لأبي بكر محمد بن محمد الاسفرائيني المتوفى ٢٨٦ھ (٢) رجال صحيح مسلم:

۱)...... تفصیل کے لیے دیکھئے مقدمہ شرح النووی المطبوع مع صحیح مسلم:۱۱۔

احمد بن علی الاصفهانی المتوفی ۴۲۸ھ (۳) مختصر مسلم: ابو عبداللّٰہ محمد بن عبداللّٰہ المتوفی ۵۲۴ھ (۴) المفہم فی شرح غریب: عبدالغافر بن اسماعیل الفارسی المتوفی ۵۲۶ھ (۵) المعلم بفوائد مسلم: ابو عبداللّٰہ محمد بن علی المازری المتوفی ۵۳۶ھ (۶) اکمال المعلم فی شرح صحیح مسلم:قاضی عیاض متوفی ۵۴۴ھ انہوں نے مازری کی شرح کی تکمیل کی ہے (۷) المفصح المفہم والموضح الملہم لمعانی صحیح مسلم: ابو عبداللّٰہ محمد بن یحیی الانصاری المتوفی ۶۴۶ھ (۸) تلخیص صحیح مسلم: ضیاء الدین ابو العباس احمدبن عمر القرطبی متوفی ۶۵۶ھ (۹) المفہم لما اشکل من تلخیص مسلم: علامہ قرطبی نے تلخیص کی شرح لکھی ہے(۱۰) المنہاج شرح صحیح مسلم بن الحجاج: یحیی بن شرف النووی المتوفی ۶۷۶ھ (۱۱) اختیارات من المنہاج شرح صحیح مسلم بن الحجاج للنووی: عبداللّٰہ بن محمد الانصاری المتوفی ۷۲۴ھ (۱۲) الرباعیات من صحیح مسلم: امین الدین محمد بن ابراہیم المتوفی ۷۳۵ھ (۱۳) اکمال اکمال المعلم: ابوعبداللّٰہ محمد بن خلفة الوشتانی المالکی المتوفی ۷۲۷ھ یہ شرح نووی، مازری، قرطبی اور عیاض سے ماخوذ ہے (۱۴) مکمل اکمال الاکمال: محمد بن یوسف المتوفی ۸۹۲ھ (۱۵) الدیباج علی صحیح مسلم بن الحجاج: السیوطی المتوفی ۹۱۱ھ (۱۶) عنایة الملك المنعم لشرح صحیح مسلم:عبداللّٰہ بن محمدیوسف آفندی زادہ المتوفی ۱۱۶۷ھ (۱۷) السراج الوھاج من کشف مثالب مسلم بن الحجاج: صدیق حسن خان المتوفی ۱۳۰۷ھ (۱۸) فتح الملہم بشرح صحیح مسلم: العلامة شبیر احمد الدیوبندی العثمانی المتوفی ۱۳۵۳ھ ،حضرت علامہ عثمانی کے انتقال کی وجہ سے یہ شرح نامکمل رہ گئی (۱)تکملة فتح الملہم: المفتی محمد تقی العثمانی دامت برکاتہم۔

---

۱)......شروح کی تفصیل کے لیے دیکھئے کشف الظنون:۱/۵۵۶تا۵۵۸ومقدمۃ الدیباج/۱۵تا۲۳۔

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ

ولادت ۲۱۵ھ　وفات ۳۰۳ھ　عمر ۸۸ سال

نام ونسب ونسبت

یہ ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب بن علی بن سنان بن بحر (خراسانی، نسائی) ہیں (۱) آپ کی ولادت شہر نساء میں ہوئی چنانچہ اس کی طرف نسبت کر کے آپ کو نسائی کہا جاتا ہے اور چونکہ شہر نساء سرزمین خراسان میں ہے تو آپ کو خراسانی بھی کہا جاتا ہے، شہر نساء ۳۲ھ حضرت عثمانؓ کے دور خلافت میں عبداللہ بن عامر بن کریز کے ہاتھ صلحاً فتح ہوا اور احنف بن قیس اس پر گورنر مقرر ہوئے (۲)۔

تحقیق نساء اور وجہ تسمیہ

علامہ حمویؒ فرماتے ہیں کہ یہ لفظ عجمی ہے اور خراسان میں شہر سرخس سے دو دن کے فاصلے پر ایک مشہور شہر کا نام ہے، نیشاپور اس سے چھ، سات دن کے فاصلے پر ہے، لشکر

---

۱)...... تفصیلی حالات کے لیے دیکھئے: سیر اعلام النبلاء: ۱۴/۱۲۵، الانساب: ۵/۴۸۴، وفیات الاعیان: ۱/۷۷، تذکرۃ الحفاظ: ۲/۶۹۸، البدایۃ والنہایۃ: ۱۱/۱۲۳، تہذیب التہذیب: ۱/۳۶، معجم البلدان: ۵/۲۸۲، تہذیب الکمال: ۱/۳۲۸، الحطہ: ۲۹۲۔

۲)...... دیکھئے: الکامل لابن الاثیر: ۳/۶۲، شذرات الذہب: ۱/۲۷۔

اسلام جب فاتحانہ خراسان میں پہنچا اور اس شہر کا رخ کیا تو تمام مرد شہر سے نکل کر پہاڑوں میں پناہ گزیں ہوئے، مسلمان جب شہر میں داخل ہوئے تو سوائے نساء (عورتیں) کے کوئی اور موجود نہیں تھا، اس دن سے اس شہر کو "نساء" کہا جانے لگا، اس وجہ تسمیہ کے پیش نظر شہر کا نام نساء (بکسر نون) ہونا چاہئے تھا، لیکن لفظ نساء (بفتح نون) سے مشہور ہوا (۱) ابن خلکان فرماتے ہیں: "نساء بفتح النون وفتح السين المهملة وبعده همزة" (۲)۔

کبھی ہمزہ کو واو سے بدل کر نسوی بھی کہتے ہیں (جیسے کہ قیاس کا تقاضا ہے) لیکن مشہور تر نسائی ہی ہے (۳)۔

ولادت

امام صاحب شہر نساء ہی میں پیدا ہوئے (۴) علامہ ابن اثیر کہتے ہیں کہ سن ولادت ۲۲۵ھ ہے (۵) لیکن ان کی یہ بات ایک تو امام صاحب کی تصریح کے خلاف ہے، وہ فرماتے ہیں: "يشبه أن يكون مولدى فى خمس عشرة ومائتين" (۶)۔

دوسری بات یہ ہے کہ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ امام صاحب کی وفات ۳۰۳ھ میں ہوئی ہے، اور تقریباً تمام علماء ومؤرخین اس پر متفق ہیں (۷) پھر حافظ صاحب نے ذہبی کا

۱)...... معجم البلدان: ۵/۲۸۱،۲۸۲، الانساب میں ہے: "سميت نسأ لأن النساء كانت تحارب دون الرجال" الانساب: ۵/۴۸۳۔
۲)...... وفیات الاعیان: ۱/۷۸، شیخ مبارکپوری کہتے ہیں: نسائی (بالمد) اور نسائی (بالقصر) دونوں صحیح ہیں دیکھئے: تحفۃ الاحوذی: ۶۶۔
۳)...... معجم البلدان: ۵/۲۸۲، الانساب: ۵/۲۸۳۔
۴)...... سیر اعلام النبلاء: ۱۴/۱۲۵۔
۵)...... جامع الاصول: ۱/۱۹۵۔
۶)...... تہذیب التہذیب: ۱/۳۸۔
۷)...... تذکرۃ الحفاظ ۲/۷۰۱، تہذیب التہذیب: ۱/۳۹، جامع الاصول: ۱/۱۹۵۔

قول نقل کیا ہے کہ ان کی کل عمر ۸۸ سال ہے (۱) تو اس حساب سے ۲۲۵ھ کا قول کسی صورت میں معقول نہیں، بلکہ اس سے امام صاحب کے قول کی تائید ہوتی ہے، بعض حضرات نے ۲۱۴ھ کا قول بھی نقل کیا ہے (۲)۔

ابتدائی تعلیم اور علمی رحلات

اس زمانہ میں سرزمین خراسان علم وعلماء کا مرکز تھا اور بڑے بڑے اصحاب فن اس علاقہ میں گوہر افشانی کرتے تھے اور دور دراز سے تشنگان علم آ کر کسب فیض کرتے تھے تو بظاہر امام صاحب نے ابتدائی تعلیم اپنے وطن میں ہی حاصل کی ہوگی اس کے بعد جب انہوں نے قصدِ سفر فرمایا تو سب سے پہلے امام قتیبہؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے، علامہ سبکی اور ذہبی فرماتے ہیں: ''رحل إلیٰ قتیبة وله خمس عشرة سنة، سنة ثلاثین'' (۳) امام صاحب ۲۳۰ھ میں پندرہ سال کی عمر میں امام قتیبہ کے پاس گئے، لیکن مقدمہ تحفۃ الاحوذی میں امام نسائی کا یہ قول ملتا ہے، وہ فرماتے ہیں: ''رحلتی الأولی إلی قتیبة کانت فی سنة ٣٥'' (۴) یعنی ۲۳۵ھ میں وہ قتیبہ کے پاس گئے ہیں تو اس لحاظ سے ۲۰ سال کی عمر میں انہوں نے علمی سفر شروع کیا ہے، بعض حضرات نے عدد (۳۵) سے یہ سمجھا ہے کہ پینتیس سال کی عمر مراد ہے لیکن یہ غلط ہے۔

اس کے بعد امام صاحب نے حجاز، مصر، عراق، جزیرہ، شام، ثغور اور دوسرے

---

۱)......تہذیب التہذیب: ۱/ ۳۹۔

۲)......دیکھئے: بستان المحدثین: ۲۹۶۔

۳)......طبقات الشافعیۃ الکبری: ۲/ ۸۴، تذکرۃ الحفاظ: ۲/ ۶۹۸، امام نسائی فرماتے ہیں: ''أقمت عنده سنة و شهرین''۔

۴)......مقدمہ تحفۃ الاحوذی: ۶۶۔

مقامات کے حفاظ حدیث سے کسب فیض فرمایا اور بالآخر مصر میں جا کر رہائش پذیر ہوئے (۱)۔

اساتذہ

امام نسائی کے اساتذہ کی فہرست کافی طویل ہے، ابن حجر فرماتے ہیں: "سمع من خلائق لایحصون یأتی أکثرھم فی ھذا الکتب"(۲) علامہ ذہبی فرماتے ہیں: "سمع من خلق کثیر"۔(۳) تاہم بعض مشہور اساتذہ یہ ہیں:

اسحاق بن راھویہ، قتیبہ بن سعید، محمد بن بشار، محمد بن مثنی، یحیی بن موسیٰ، ہشام بن عماد، علی بن حجر اور اپنے ہم عصر ساتھیوں میں سے امام ابوداؤد، سلیمان بن ایوب اور سلیمان بن سیف سے روایت کرتے ہیں، بعض حضرات نے امام نسائیؒ کے اساتذہ کی فہرست میں امام بخاریؒ کا نام بھی لیا ہے، لیکن یہ بات محل نظر ہے ایک تو اس لیے کہ اسماء الرجال کی کسی کتاب میں امام نسائیؒ کے اساتذہ میں امام بخاریؒ کا نام نہیں ملتا اور نہ ہی امام بخاری کے تلامذہ کی فہرست میں امام نسائیؒ کا نام ملتا ہے، دوسری بات یہ ہے کہ امام نسائیؒ نے اپنی کتاب "الکنیٰ" میں کئی روایات "عن عبداللہ بن أحمد الخفاف عن البخاری" کے طریق سے نقل فرمائی ہیں، چنانچہ صاحب تہذیب الکمال لکھتے ہیں: "فھذہ قرینة ظاھرة فی انه لم یلق البخاری ولم یسمع منه"۔(۴) البتہ ہمارے پاس نسائی کا جو نسخہ ہے

---

۱)......تہذیب الکمال:۱/۳۲۹۔

۲)......تہذیب الکمال:۱/۳۶۔

۳)......سیر اعلام النبلاء:۱۴/۱۲۷۔

۴)......تہذیب الکمال:۲۴/۴۳۶۔

(بروایت ابن السنی) اس میں ایک روایت اس سند سے مروی ہے: ''اخبرنا محمّد بن إسماعيل البخاری قال حدثنی حفص بن عمر الحارث قال حدثنا حماد قال حدثنا معمر والنعمان بن راشد عن الزهری عن عروة عن عائشة قالت: "مالعن رسول الله صلى الله عليه وسلم من لعنة تذكر الخ" (۱) اس روایت کے متعلق صاحب تہذیب الکمال کہتے ہیں کہ نسائی کے دوسرے تمام نسخوں میں لفظ ''البخاری'' نہیں ہے اور ابن السنی کے نسخہ میں بھی صرف یہی ایک روایت بخاری سے منقول ہے اور یہ تب قابل تسلیم ہے جب کہ ہمیں یہ معلوم ہو کہ ابن السنی نے یہ لفظ اپنی طرف سے زیادہ نہیں کیا بلکہ امام نسائی سے سنا ہے۔ (۲) واللہ تعالیٰ أعلم۔

تلامذہ

امام صاحب نے جب مصر میں سکونت اختیار فرمائی تو دنیا کے گوشہ گوشہ سے طلبۂ علم حدیث ان کی طرف آنے لگے (۳) اور حضرت امام کا حلقۂ درس وسیع ہوتا گیا، ابن حجرؒ فرماتے ہیں: ''سمع عنه أمم لايحصون"(۴)۔

ان کے مشہور تلامذہ جو سنن کے راوی بھی ہیں یہ ہیں: ان کے صاحبزادے عبدالکریم، ابوبکر احمد بن محمد ابن السنی، حسن بن خضر، حسن بن رشیق، حمزہ بن محمد، محمد بن عبداللہ بن زکریا نیشابوری، محمد بن معاویہ الاندلسی، محمد بن قاسم، علی بن ابی جعفر طحاوی، مسعود بن علی بجانی۔

---

۱)...... نسائی: ۱/ ۲۹۸، کتاب الصوم باب الفضل والجود فی شہر رمضان۔

۲)...... تہذیب الکمال: ۲۴/ ۴۳۷۔

۳)...... سیر اعلام النبلاء: ۱۴/ ۱۲۷۔

۴)...... تہذیب التہذیب: ۱/ ۳۷۔

امام نسائیؒ کا علمی مقام

تمام ائمہ حدیث اور صاحبان علم وکمال امام صاحب کے علمی مقام کا اعتراف کرتے ہوئے مختلف انداز سے ان کی تعریف کرتے ہیں، احمد بن محمد اور منصور فقیہ کہتے ہیں: ''أبوعبدالرحمٰن إمام من ائمة المسلمین"(۱) ابوعلی نیشا بوری کا قول ہے:''النسائی إمام فی الحدیث بلا مدافعة" پھر کہتے ہیں کہ میں نے اپنے تمام اسفار میں صرف چار حفاظ حدیث کو دیکھا ہے ان میں سے ایک امام نسائی ہیں۔(۲) عبداللہ بن احمد بن حنبل اور ان کے کچھ ساتھی مشورہ کر رہے تھے کہ کس کے انتخاب سے حدیثیں لکھنی چاہیے، تو سب کا اتفاق ہوا کہ امام نسائی کی احادیث منتخبہ لکھنے کے قابل ہیں، حکم فرماتے ہیں کہ میں نے کئی بار علی بن عمر کو کہتے ہوئے سنا:''أبوعبدالرحمان مقدم علی کل من یذکر بھذا العلم من أھل عصرہ وھو أفقه مشایخ مصر فی عصرہ وأعرفھم بالصحیح و السقیم وأعلمھم ھو بالرجال"(۳) کہ امام نسائی اپنے زمانہ کے تمام محدثین وفقہاء پر علمی فوقیت رکھتے تھے، علم رجال اور صحیح وغیر صحیح احادیث کی پہچان میں سب سے آگے تھے، ابوبکر بن حداد شافعی امام نسائی کے علاوہ کسی اور سے روایت کرتے ہی نہیں تھے وہ فرمایا کرتے تھے: ''رضیت به حجة بینی وبین اللّٰه تعالیٰ"۔ (۴) علامہ ذہبی فرماتے ہیں کہ امام نسائی علم حدیث اور علم رجال میں امام مسلم، ابوداوٗد اور ترمذی سے زیادہ ماہر ہیں، اسی طرح فرماتے ہیں:''کان من بحور العلم، مع الفھم، والاتقان، والبصرونقد الرجال،

---

۱)......تہذیب التہذیب:۱/۳۷۔

۲)......دیکھئے محولہ بالا۔

۳)......تہذیب التہذیب:۱/۳۷۔

۴)......سیر اعلام النبلاء:۱۴/۱۳۴، تہذیب التہذیب:۱/۳۸۔

وحسن التالیف"(۱)۔

حلیہ اور طرز زندگی

قدرت نے امام نسائیؒ کو باطنی محاسن اور خوبیوں کے ساتھ ساتھ حسن ظاہری کا بھی وافر حصہ عطا فرمایا تھا، چہرہ نہایت پر رونق اور روشن تھا، کہا جاتا ہے کہ بڑھاپے میں بھی حسن وتازگی میں فرق نہیں پڑا، یہاں تک کہ ایک مرتبہ بعض طلبہ نے کہا: "ما أظن أبا عبدالرحمن إلا أنه یشرب النبیذ (للنضرة التی فی وجهه)" جب امام صاحب سے اس کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا: "النبیذ حرام" نبیذ تو حرام ہے میں کیسے پی سکتا ہوں۔

امام صاحب کی خوراک وپوشاک بھی نہایت عمدہ ہوتی تھی، بہترین لباس زیب تن فرماتے تھے اور روزانہ مرغ کھاتے تھے (۲) ابن کثیر فرماتے ہیں کہ مرغ کھانے کے بعد حلال نبیذ (شربت) بھی نوش فرمایا کرتے تھے (۳) صوم داؤدی کے عادی تھے (۴) ایک دن روزہ رکھتے اور دوسرے دن افطار کرتے، آپ کے نکاح میں چار بیویاں اور لونڈیاں تھیں، امام صاحب ان سب میں ترتیب کی خاص رعایت فرماتے تھے (۵)۔

تقویٰ ودلیری

ابن حجرؒ نے ابوالحسن بن مظفر کا قول فرمایا ہے: میرے مصری شیوخ امام نسائیؒ کی کثرت عبادت کی تعریف کرتے تھے، ان کو حج کا بہت ذوق تھا اور اس کے لیے خاص

۱) ...... سیر اعلام النبلاء: ۱۴/ ۱۲۷، ۱۳۳۔

۲) ...... تمام اقوال کے لیے دیکھیے: سیر اعلام النبلاء: ۱۴/ ۱۲۸۔

۳) ...... البدایۃ والنہایۃ: ۱۱/۱۲۴۔

۴) ...... دیکھیے: محولہ بالا۔

۵) ...... سیر اعلام النبلاء: ۱۴/ ۱۲۸، البدایۃ والنہایۃ: ۱۱/۱۲۳۔

اہتمام فرماتے تھے، سنتوں پر پورا پورا عمل کرنا ان کا شیوہ تھا، جہاد میں کئی بار شریک ہوئے اور ان تمام اوصاف حمیدہ کے ساتھ مجالس سلاطین سے کنارہ کش رہتے تھے، تاکہ اخلاص وللھیت میں کوئی رخنہ نہ آنے پائے (۱)۔

(۱)

امام نسائی اور حارث بن مسکین کا واقعہ

پہلے آچکا ہے کہ امام صاحب پرتکلف لباس زیب تن فرماتے تھے، ایک دن حارث بن مسکین کی مجلس درس میں تشریف لے گئے، حارث بن مسکین نے امام صاحب کو اس ہیئت میں دیکھ کر یہ خیال کیا کہ شاید سلطانِ وقت کی طرف سے کوئی مقرر شدہ آدمی ہے اور اس مجلس کے بارے میں کچھ معلومات حاصل کرنے آیا ہے تو ان کو کوفت ہوئی اور امام صاحب کو سبق سے نکال دیا، اس دن کے بعد سے امام صاحب جا کر دروازے کے پیچھے بیٹھ کر حدیث سنتے تھے، یہی وجہ ہے کہ حدیث بیان کرتے وقت غایت احتیاط کا ثبوت دیتے ہوئے فرماتے ہیں: ’’قال الحارث بن مسكين قراءة عليه وأنا أسمع‘‘ (۲)

وفات

دنیا کا قانون ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی کو اونچا مقام عطا فرماتے ہیں تو وہ حاسدین کے حسد کی زد میں آجاتا ہے، اس کرۂ خاکی میں سب سے پہلا قتل بھی اسی حسد

۱)......تہذیب التہذیب:۱/۳۸۔

۲)......سیر اعلام النبلاء:۱۴/۱۳۰۔ابن اثیر لکھتے ہیں: حارث بن مسکین مصر میں قاضی کے عہدے پر فائز تھے اور امام نسائی کے ساتھ کچھ ناخوشگواری تھی جس کی وجہ سے امام نسائی مجلس درس میں شریک نہیں ہوسکتے تھے، جامع الاصول:۱/۱۹۶۔

کے نتیجہ میں واقع ہوا تھا، امام نسائی بھی اس عام ضابطہ سے مستثنیٰ نہ رہے بلکہ جب ان کے علمی مقام کا چرچا ہوا تو حاسدین امام صاحب کو طرح طرح سے ستانے لگے، چنانچہ امام صاحب مصر کو خیر باد کہہ کر دمشق میں مقیم ہوئے (۱) وہاں کے لوگ بوجہ سلطنت بنوامیہ کے خوارج کی طرف میلان رکھتے تھے (۲) ایک دن امام صاحب سے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ اور ان کے فضائل کے بارے میں پوچھا گیا، انہوں نے فرمایا: "ألا يرضى رأسا برأس حتى يفضّل؟" ان کے لیے یہی کافی ہے کہ نجات پاجاویں، ان کے فضائل کہاں ہے؟ بعض نے کہا کہ اس کے ساتھ یہ جملہ بھی فرمایا: أيّ شئ أخرج؟ حديث: "اللهم لاتشبع بطنه" (۳) کہ ان کے مناقب میں کونسی احادیث کی تخریج کروں؟ ایک ہی حدیث: اے اللہ اس کے پیٹ کو سیر نہ کر۔ بعض کا کہنا ہے کہ حضرت امام نے یہ جملہ کسی دوسرے موقع میں فرمایا تھا، ان سے پوچھا گیا کہ آپ نے مناقب علیؓ اور فضائل صحابہ کے بارے میں کتابیں لکھی ہیں تو حضرت معاویہؓ کے مناقب میں کیوں نہیں لکھتے تو انہوں نے یہ جواب دیا (۴) بہرصورت جب امام صاحب نے اہل دمشق کو یہ جواب دیا تو وہ لوگ امام پر

---

۱)...... یہ ذوالقعدہ ۳۰۲ھ کا واقعہ ہے، دیکھئے: الحطۃ: ۲۹۴۔

۲)...... دیکھئے: بستان المحدثین: ۲۹۷۔

۳)...... الحديث أخرجه أبوداؤد الطيالسى من طريق أبى عوانة، عن أبى حمزة القصاب، عن ابن عباس ان رسول الله صلى الله عليه وسلم بعث إلى معاوية ليكتب له، فقال: إنه ياكل، ثم بعث إليه، فقال: إنه ياكل، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "لاأشبع الله بطنه" مسند أبى داؤد الطيالسى: ۳۵۹ مكتبه حسينيه قال الذهبى: هذه منقبة لمعاوية لقوله صلى الله صلى الله عليه وسلم: اللهم: من لعنته أوسبيته فاجعل ذلك له زكاة ورحمة۔

قلت! الحديثان أخرجهما مسلم فى البروالصلة، مسلم: ۲/۳۲۳، ۳۲۵ (قدیمی کتب خانہ کراچی)

والخبرفى البداية والنهاية: ۱۱/۱۲٤، سيراعلام النبلاء: ۱٤/۱۳۲، تهذيب التهذيب: ۱/۳۸، معجم البلدان: ٥/۲۸۲۔

۴)...... تہذیب التہذیب: ۱/۳۸، سیر اعلام النبلاء: ۱۴/۱۲۹۔

ٹوٹ پڑے اور زدوکوب کیا، چند ضربیں جسم کے نازک حصہ پر لگیں، خادم اٹھا کر گھر لے گئے، امام صاحب نے فرمایا مجھے مکہ لے چلوتا کہ مکہ میں میرا انتقال ہو، مکہ پہنچنے کے بعد بروز دوشنبہ تیرہ صفر المظفر ۳۰۳ھ میں انتقال فرماگئے، یہ قول دارقطنی، ابن اثیر اور شاہ ولی اللہؒ کا ہے(۱)۔

بعض حضرات کہتے ہیں کہ راستہ میں شہر رملہ میں انتقال ہوگیا، پھر جنازہ کو اٹھا کر مکہ پہنچانے کے بعد صفا ومروہ کے درمیان دفن کئے گئے (۲) ابن یونس کا قول ہے کہ ان کی وفات فلسطین میں ہوئی، علامہ ذہبی لکھتے ہیں: ''هذا أصّح، فإنّ ابن يونس حافظ يقظ وقد أخذ عن النسائي، وهو به عارف'' (۳) حافظ ابن حجرؒ نے بھی اسی قول کو راجح قرار دیا ہے (۴)۔

امام نسائی پر تشیع کا شبہ

امام نسائیؒ کے اس طریق کار اور طرز کلام کو دیکھ کر بعض حضرات نے ان پر تشیع کا حکم لگایا ہے، چنانچہ ابن کثیر لکھتے ہیں: وقد قيل عنه: أنه كان ينسب إليه شيئ من التشيع'' (۴۱) علامہ ذہبی لکھتے ہیں: ''إلا أن فيه قليل تشيع وانحرف عن خصوم الإمام علي، كمعاوية وعمرو، والله يسامحه'' (۵)۔

۱)...... دیکھئے: سیر اعلام النبلاء: ۱۴/۱۳۲، جامع الاصول: ۱/۱۹۵، بستان المحدثین: ۲۹۸۔

۲)...... بستان المحدثین: ۲۹۸، الحطۃ: ۲۹۴۔

۳)...... سیر اعلام النبلاء: ۱۴/۱۳۳۔

۴)...... تہذیب التہذیب: ۱/۳۹۔

۵)...... البدایۃ والنہایۃ: ۱۱/۱۲۴۔

۶)...... سیر اعلام النبلاء: ۱۴/۱۳۳۔

ابن خلکان کہتے ہیں: ''و کان یتشیع''(۱)۔

البتہ یہ بات ذہن نشین ہونی چاہیے کہ قدماء کی اصطلاح میں تشیع اور رفض میں فرق تھا چنانچہ اگر کوئی حضرت علیؓ کو افضل الخلق بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مانتا ہے تو وہ رافضی ہے(۲) اگر اس کے ساتھ وہ دوسرے اصحاب پر سب وشتم کرتا ہے تو وہ غالی رافضی ہے، اگر وہ حضرت علی کی رجعت الی الدنیا کا قائل ہے تو حد سے زیادہ غالی فی الرفض سمجھا جائے گا، لیکن اگر وہ حضرات شیخین کی فضیلت کا قائل ہے اور صرف حضرت علی کو حضرت عثمان پر ترجیح دیتا ہے اور ان کے مخالفین کو مخطی کہتا ہے تو وہ شیعہ کہلاتا ہے، اب ان کے بارے میں حکم یہ ہے کہ مطلق رافضی اور شیعہ کی روایت مقبول ہے خصوصاً جب کہ وہ داعی الی مذہبہ نہ ہو، البتہ غالی رافضی کی روایت مردود ہے، یہ تفصیل متقدمین کے یہاں ہے، متاخرین کی اصطلاح میں شیعہ اور غالی رافضی ایک ہی چیز ہے، لہذا شیعہ کی روایت مردود ہے(۳)۔

حافظ ابو القاسم ابن عساکر اس بارے میں کہتے ہیں: ''هذه حكاية لاتدل على سوء اعتقادأبى عبدالرحمان فى معاوية، وإنما تدل على الكف فى ذكره بكل حال''(۴)۔ حسن بن ابی ھلال کہتے ہیں کہ جب اس بارے میں امام نسائی سے

---

۱)......وفیات الاعیان:۱/۷۷۔

۲)......الرافضة فرقة من الشيعة كانوا بايعوا زيد بن على بن الحسين بن على، ثم قالوا له: تبرّأ من الشيخين أبى بكر وعمرؓ نقاتل معك، فأبى، وقال: كاناوزيرى جدى صلى الله عليه وسلم فلا أبرأمنهما، فقالوا: إذاً نرفضك، فتركوه، ورفضوه، فمن ذلك الوقت سموا: الرافضة والنسبة رافضى، وسميت شيعة زيد: الزيدية، دیکھئے :تعلیقات شیخ عبدالفتاح ابوغدہ براعلاء السنن:۱/۱۴۱۔

۳)......تفصیل کے لیے دیکھئے: ھدی الساری:۴۵۹۔

۴)......تہذیب الکمال:۱/۳۳۹۔

پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: ''انما الإسلام کدار لها باب، فباب الاسلام الصحابة، فمن أذی الصحابة إنما أراد الإسلام کمن نقر الباب إنما یرید دخول الباب قال: فمن اراد معاویة فانما اراد الصحابة"(۱)۔

مسلک

امام نسائیؒ حضرت شاہ ولی اللہ اور شاہ عبدالعزیز کی رائے میں شافعی ہیں (۲)۔ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ یہ بھی اہل حدیث میں سے تھے، نہ مقلد محض تھے اور نہ مجتہد مطلق (۳) امام العصر علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے ان کو حنبلی قرار دیا ہے، فرماتے ہیں: ''الإمام ابو داؤد و النسائی فحنبلیان"(۴)۔

امام اعظمؒ اور امام نسائیؒ

امام نسائیؒ نے اپنی کتاب ''الضعفاء'' میں امام ابوحنیفہؒ کے بارے میں لکھا ہے: ''وأبو حنیفة لیس بالقوی فی الحدیث"۔(۵) جن لوگوں کو حضرت امام صاحبؒ کے علمی وروحانی مراتب عالیہ قابل برداشت نہیں، اس جیسی عبارات کو بہت اچھالتے ہیں، حضرت امام صاحب کے اوصاف حمیدہ، وخصائل جمیلہ، علمی وعملی مقام جاننے کے لیے

---

۱)......محولۂ بالا:۱/۹۴۔
۲)......ماتمس الیہ الحاجۃ:۲۶، بستان المحدثین:۲۹۶۔
۳)......توجیہ النظر:۱۸۵۔
۴)......فیض الباری:۱/۵۸۔العرف الشذی:۲۔
۵)......کتاب الضعفاء:۳۵۔

مستقل تصانیف موجود ہیں، ہم یہاں نہایت اختصار کے ساتھ امام نسائی کے قول کا جواب ذکر کرتے ہیں۔

(۱) اس جرح کا ناقل حسن بن رشیق ہے جس پر کلام موجود ہے، چنانچہ علامہ ذہبی لکھتے ہیں: "لیّنه الحافظ عبدالغنی بن سعید، ووثقه جماعة، وأنکر علیه الدارقطنی أنه کان یصلح فی أصله ویغیره" اور جو آدمی اصل کتاب میں اپنی طرف سے کمی بیشی کرتا ہو، اس کا اعتبار نہیں ہوتا (۱)۔

(۲) جرح کے باب میں امام نسائیؒ متشدد ہیں اور جارحین متشددین کے بارے میں فیصلہ یہ ہے کہ ان کی جرح مقبول نہیں، جب تک کسی منصف ومعتبر امام سے اس کی تصدیق موجود نہ ہو، اعلاء السنن میں ہے: "فمن المتشددین أبو حاتم، والنسائی وابن معین و .... فإنهم معروفون بالإسراف فی الجرح والتعنت فیه" (۲)۔

(۳) دارقطنی نے لکھا ہے: "أبوحنیفة والحین بن عمارة ضعیفان" محشی لکھتے ہیں: "ضعفه النسائی من جهة حفظه" (۳) لیکن دارقطنی کے مقابلے میں (جو کہ امام صاحب سے دو صدی بعد پیدا ہوئے ہیں (۴)) ان حضرات کا قول معتبر ہے جو امام صاحب کے ہمعصر ہیں یا قریب العہد ہیں، جیسے علی بن المدینی، یحییٰ بن معین وغیرہ، ہم عنقریب ان حضرات کے اقوال نقل کرینگے ان شاء اللہ تعالیٰ، شعبۃ بن حجاج جو نقد رجال میں متشدد ہیں، امام صاحب کے بارے میں کہتے ہیں: "کان واللّٰه حسن الفهم جید

---

۱) ..... میزان الاعتدال: ۱/۴۹۰۔

۲) ..... مقدمہ اعلاء السنن: ۱/۱۱۰۔

۳) ..... سنن دارقطنی مع شرحہ التعلیق المغنی: ۱/۳۲۳، باب من کان لہ امام فقراءۃ الامام لہ قراءۃ۔

۴) ..... امام ابوحنیفہؒ کو ۱۵۰ھ میں شہید کردیا گیا تھا اور دارقطنی ۳۰۶ھ میں پیدا ہوئے ہیں۔ م

الحفظ"(۱) اس صاف عبارت سے تمام متعصبین وحاسدین کے اقوال ساقط ہو جاتے ہیں جو امام صاحب کے حفظ پر اشکال کرتے ہیں۔

(۴) یہ بھی ہوسکتا ہے کہ امام نسائیؒ نے حنفیہ کے بارے میں ارجاء کے اقوال سے متاثر ہو کر یہ فرمایا ہو، حالانکہ حنفیہ کی طرف ارجاء کی نسبت ایک بے اصل و بے حقیقت بات ہے، اس مسئلہ کی تفصیل کتب فن میں موجود ہے ہم حضرت شاہ صاحب نور اللہ مرقدہ کی تحقیق انیق پر اکتفا کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ ''خوارج، معتزلہ اور جمہور محدثین کے یہاں عمل ایمان کا جزء ہے؛ البتہ مذاہب میں فرق یہ ہے کہ خوارج تارک عمل کو کافر کہتے ہیں، معتزلہ کے یہاں وہ نہ مؤمن رہتا ہے اور نہ دائرہ کفر میں داخل ہوتا ہے یعنی یہ لوگ منزلۃ بین المنزلتین کے قائل ہیں اور محدثین کے یہاں تارک عمل کافر نہیں ہوتا اور نہ ہی دائرہ اسلام سے باہر ہو جاتا ہے، البتہ فاسق ہوتا ہے، امام ابوحنیفہ اور اکثر فقہاء متکلمین اور مرجۂ کا مذہب یہ ہے کہ عمل جزء ایمان نہیں ہے، فرق یہ ہے کہ مرجۂ کے یہاں عمل کا ایمان میں کوئی دخل نہیں اور نہ ہی نجات کا دارومدار عمل پر ہے اور امام ابوحنیفہ کے یہاں ایمان کے نشو ونما اور تقویت کے لیے عمل حد درجہ ضروری ہے اور اس کا تارک فاسق ہے تو ادنی تامل سے پتہ چلتا ہے کہ محدثین وفقہاء کا اختلاف لفظی ہے، اس لیے کہ محدثین حضرات اگرچہ جزئیت کے قائل ہیں، لیکن اس کے منکر کو کافر نہیں کہتے بلکہ فاسق کہتے ہیں اور فقہاء اگرچہ جزئیت کے قائل نہیں ہیں، لیکن عمل کا حد درجہ اہتمام کرتے ہیں اور اس کے تارک کو فاسق کہتے ہیں، لہٰذا اگر ادنی ملابست واشتراک کے بناء پر ارجاء کی نسبت ہماری طرف ہوسکتی ہے تو اعتزال کی نسبت بھی ان کی طرف ہوسکتی ہے اس لیے کہ وہ بھی معتزلہ کی طرح جزئیت

---

۱)......الخیرات الحسان:۳۴۔

کے قائل ہیں''(۱)۔

(۵) امام ابوداؤد نے فرمایا ہے: ''رحم الله مالكا كان اماماً، رحم الله الشافعی كان إماما، رحم الله أبا حنيفة كان إماماً"۔(۲) محدثین کے یہاں لفظ امام توثیق وتعدیل کے بہترین وجامع ترین الفاظ میں سے ہے، یحیی بن معین کا قول ہے: ''كان أبو حنيفة ثقة لايحدث بالحديث إلابمايحفظ ولايحدث بمالا يحفظ"۔

امام جرح وتعدیل یحیی القطان فرماتے ہیں۔

''لانكذب الله،ماسمعنا أحسن من رأى أبى حنيفة، وقد أخذنا بأكثر اقواله"(۳)۔

علی بن المدینی نے فرمایا ہے:(۴)۔

''أبوحنيفة روى عنه الثورى وابن المبارك وهو ثقه لابأس به"(۵)۔

اسی طرح یحیی بن معین نے بھی فرمایا: ''لابأس به'' اور یہ جملہ توثیق کے لیے استعمال ہوتا ہے، یحیی بن معین ہی کا قول ہے: ''إذا قلت لابأس به، فهو ثقة"(۶)۔

اعلاء السنن کے محشی لکھتے ہیں: ''ثم إنه لاخصوصية لابن معين بهذا الاستعمال، بل هو تعبير منتشرفى كلام المتقدمين من أمثال ابن معين وابن

۱)......فیض الباری:۱/۵۳،۵۴۔

۲)......جامع بیان العلم:۲/۱۶۳۔

۳)......سیر اعلام النبلاء:۶/۳۹۵۔

۴)......تہذیب الکمال:۲۹/۴۳۳، سیر اعلام النبلاء:۶/۴۰۲۔

۵)......مقدمہ اعلاء السنن:۱۹۷، التعلیق المغنی علی سنن الدارقطنی:۱/۳۲۴۔

۶)......تدریب الراوی:۱/۳۴۳۔

المدینی و غیرھم"(۱) بہتر توجیہ اس کی یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ امام نسائیؒ نے مصر میں امام طحاوی سے ملنے کے بعد امامؒ اعظم کے بارے میں اپنے اس قول وتشدّد سے رجوع کیا ہے(۲) اس کا ایک قرینہ یہ بھی ہے کہ وہ ایک روایت امام صاحب کی اپنی کتاب میں لائے ہیں(۳)۔

تصانیف

امام نسائیؒ نے کافی تعداد میں چھوٹی بڑی کتابیں لکھی ہیں جن کی فہرست مندرجہ ذیل ہے:

(۱) سنن کبریٰ (۲) المجتبیٰ جو سنن صغریٰ سے مشہور ہے (۳) کتاب الإعراب (٤) خصائص علی بن أبی طالب (٥) فضائل القرآن (٦) عمل الیوم واللیلة (٧) فضائل الصحابة (٨) مناسك الحج (٩) کتاب الجمعة (١٠) الکنی (١١) الضعفاء والمتروکین (١٢) تسمیة من لم یرو عنه غیر راو واحد (١٣) فقهاء الأمصار (١٤) ذکر من حدث عنه ابن أبی عروبة ولم یسمع منه (١٥) کتاب الطبقات (١٦) التمییز (١٧) معجم شیوخ النسائی (١٨) معرفة الإخوة والأخوات من العلماء والرواة (١٩) الجرح والتعدیل (٢٠) شیوخ الزهری (٢١) جزء من حدیث عن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم (٢٢) مجالس حدیثیة إملائیة (٢٣) مسند منصور بن زادان الواسطی (٢٤) مسند علی بن أبی طالب (٢٥) مسند حدیث فضیل بن عیاض وداؤد الطائی

۱)......مقدمہ اعلاء السنن:۱/۱۵۲ (من افادات الشیخ عبدالفتاح ابوغدة)

۲)......حضرت مولانا محمد عبدالرشید نعمانی لکھتے ہیں: کان النسائی یسأل الطحاوی عن الاحادیث، و الطحاوی أیضاً قد تلمذ علی النسائی واخذ عنه، ما تمس الیه الحاجة:۲۸۔

۳)......محولۂ بالا۔

(٢٦) مسند حديث يحيى بن سعيد القطان (٢٧) مسند حديث ابن جريج (٢٨) مسند حديث مالك بن أنس (٢٩) مسند حديث الزهرى (٣٠) مسند حديث شعبة بن الحجاج بن الورد (٣١) مسند حديث ابن سعيد الثورى(ا)۔

وجہ تصنیف

امام نسائیؒ سنن کبری کی تصنیف سے فارغ ہوئے تو اس کو امیر رملہ کی خدمت میں پیش کیا، اس نے پوچھا: ''أصحيح كله''؟ کیا اس کی تمام روایات صحیح ہیں؟ امام صاحب نے فرمایا نہیں، تو امیر نے درخواست کی کہ ''فاكتب لنا منه الصحيح''(۲) اس کتاب کی صحیح روایات ہمارے لیے لکھدیں تو امام صاحب نے صحیح روایات کو الگ کر کے کتاب ''المجتبیٰ'' تصنیف فرمائی، بعض حضرات کہتے ہیں کہ کتاب کا نام ''المجتنی'' نون کے ساتھ ہے، لیکن مشہور پہلا قول ہے اگر چہ دونوں لفظ قریب المعنی ہیں کیونکہ اجتباء کے معنیٰ ہیں انتخاب کرنا(۳) اور اجتناء کا معنی ہیں درخت سے پھل چننا(۴)۔

اس واقعہ کے پیش نظر جمہور محققین نے فرمایا کہ ''المجتبیٰ'' جو سنن صغری کے نام سے مشہور ہے، امام نسائیؒ ہی کی تصنیف ہے، صاحب کشف الظنون، ابن اثیر، ملا علی قاری،

ا)......دیکھئے مقدمہ سنن الکبری:۲۰، تہذیب التہذیب:۱/۶۔

۲)......سیر اعلام النبلاء:۱۴/۱۳۱، کشف الظنون:۲/۱۰۰۶، الحطۃ:۲۵۴، جامع الاصول ۱/۱۹۷، بستان المحدثین:۲۹۶۔

۳)...... في المعجم الوسيط: احتباه اى اختاره واصطفاه لنفسه، وفي التنزيل العزيز: (وكذلك يجتبيك ربك) المعجم الوسيط:۱/۱۰۶۔

۴)......معجم وسیط میں لکھا ہے: اجتنى الثمرة ونحوها: جناها وقال قبل هذا: جنى الثمرة اى تناولها من منبتها:۱/۱۴۱۔

حضرت شاہ عبدالعزیز، صدیق حسن خان وغیرہ اسی کو راجح قرار دیتے ہیں (۱) لیکن علامہ ذہبی اس کے متعلق لکھتے ہیں: "هذا لم يصح، بل المجتبىٰ اختيار ابن السنّي" (۲) یہ خبر قابل اعتبار نہیں، سنن صغری درحقیقت امام نسائی کے شاگرد ابن السنی کے انتخاب کردہ احادیث کا مجموعہ ہے۔

البتہ صاحب الیانع الجنی نے تطبیق کی یہ صورت نکالی ہے کہ ابن السنی نے سنن کبریٰ کا اختصار امام نسائی کے حکم اور ان کے زیر نگرانی کیا ہے (۳) لہذا دونوں کی طرف نسبت صحیح ہے، یہ بات یاد رہنی چاہیے کہ محدثین کے یہاں جب کہا جاتا ہے رواہ النسائی یا أخرجہ النسائی تو اس سے امام نسائی کی کتاب "سنن صغری" مراد ہوتی ہے، اسی طرح صحاح ستہ میں جو کتاب داخل ہے وہ سنن صغری یعنی "المجتبی" ہی ہے (۴) البتہ بعض حضرات (۵) نے لکھا ہے کہ علامہ منذری مختصر سنن ابوداؤد میں اور حافظ مزی اپنی کتاب "الاطراف" میں جہاں اخرجہ النسائی کہتے ہیں اس سے سنن کبری مراد ہوتی ہے نہ کہ سنن صغری۔

سنن کبریٰ اور سنن صغریٰ میں فرق

امام نسائیؒ کی ان دو کتابوں میں کئی اعتبار سے فرق ہے، جس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

---

۱)...... کشف الظنون: ۲/ ۱۰۰۶ و جامع الاصول: ۱/ ۱۹۷ والمرقاۃ: ۱/ ۲۵ وبستان المحدثین: ۲۹۶ والحطۃ فی ذکر الصحاح الستۃ: ۲۵۴۔

۲)...... سیر اعلام النبلاء: ۱۴/ ۱۳۱۔

۳)...... الیانع الجنی علی سنن النسائی۔

۴)...... کشف الظنون: ۲/ ۱۰۰۶، الحطۃ: ۲۵۴۔

۵)...... ذکره الدكتور بشار عواد فی تعليقاته على تهذيب الكمال: ۱/ ۳۲۸۔

(۱) سنن کبری کے تقریباً ۲۲ باب سنن صغری میں نہیں ہیں ان کی تفصیل یہ ہے

كتاب الاعتكاف، كتاب العتق، المواعظ، احياء الموات، العارية والوديعة، الصوال، اللقطة، الركاز، العلم، الفرائض، الوليمة، الوفاة، الرجم، الطب، التعبير، النعوت، فضائل القرآن، المناقب، الخصائص، السير، عمل اليوم والليلة، التفسير۔

(۲) سنن کبری میں بہت سارے طرق ومتابعات ہیں لیکن سنن صغری میں نہیں ہیں (۳)۔

سنن کبری کے بعض تراجم ابواب سنن صغری میں نہیں اور بعض تراجم کو کافی مختصر کرکے سنن صغری میں لایا گیا ہے۔

(۴) سنن صغری کی بعض روایات کے آخر میں کچھ تشریحی جملے ملتے ہیں جو کہ سنن کبری میں نہیں ہیں (۱)۔

صاحب عون المعبود نے لکھا ہے:

”کل حديث هو موجود فی السنن الصغری يوجد فی السنن الکبری لامحالة من غير عکس“ (۲) لیکن یہ قول صحیح نہیں، بعض احادیث سنن صغری میں ہیں لیکن سنن کبری میں موجود نہیں ہیں، مثلاً درج ذیل روایت:

أخبرنا محمد بن سلمة والحارث بن مسكين قراءة عليه وأنا أسمع واللفظ له عن ابن القاسم قال: حدثنی مالك عن إسحاق بن عبدالله بن أبی طلحة عن رافع بن إسحاق أنه سمع ابا ايوب الأنصاری وهو بمصر يقول: والله ما أدری كيف اصنع بهذه الكرابيس وقد قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "إذا ذهب إحدكم إلى الغائط أو

۱)...... تفصیل کے لیے دیکھئے: مقدمہ السنن الکبریٰ: ۱/ ۵، (دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

۲)...... مقدمہ السنن الکبریٰ: ۱/ ۸۔

البول فلا يستقبل القبلة ولا يستدبرها" اس سند کے ساتھ سنن کبریٰ میں نہیں ملتی (۱)۔

سنن نسائیؒ کی اہمیت اور خصوصیات

سنن نسائی کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ امام نسائی نے امام بخاری اور امام مسلم کے طرز تالیف وتصنیف کو دیکھ کر اپنی کتاب مرتب فرمائی ہے اور اس لیے وہ شیخین کے طریقے کا خاص خیال کرتے ہیں۔

چنانچہ امام بخاری کے طریقے کو مدنظر رکھتے ہوئے مسائل متعددہ کو ثابت کرنے کے لیے ایک روایت کو کئی جگہوں میں لاتے ہیں اور امام مسلم کی طرح احادیث کے طرق مختلفہ کی وضاحت کر کے اختلاف الفاظ کو بھی بیان کرتے ہیں ابن رشید (۲) کا قول ہے :"وهو جامع بين طريقتي البخاری ومسلم مع حظ كثير من بيان العلل" (۳)۔ اس سے معلوم ہوا کہ امام نسائیؒ علل پر بھی کافی بحث کرتے ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ کو علل حدیث میں مہارت کاملہ حاصل تھی، علامہ ذہبی لکھتے ہیں:"هو جار فی مضمار البخاری وأبی زرعة" (۴)۔ اسی طرح امام نسائیؒ مشتبہ ناموں اور مشکل الفاظ کی توضیح، مرسل ومتصل ہونے اور راویوں پر جرح وقدح کرنے کا خیال خاص رکھتے ہیں، حدیث کی صحت وسقم کی وضاحت بھی کرتے ہیں، البتہ بعض جگہیں ایسی ہیں کہ جہاں انہوں نے سنن کبریٰ کے خلاف قول کیا ہے، مثلاً حدیث ابن عمرؓ "صلوة الليل والنهار مثنى

۱)...... دیکھیے: مقدمۃ السنن الکبریٰ: ۱/ ۸۔

۲)...... یہ محمد بن عمر بن محمد ابوعبداللہ الفہری السبتی ہیں جو کتاب " السنن الابين فی المحاكمة بين البخاری ومسلم" اور" الرحلة المشرقيه" کے مصنف ہیں، انتقال ۷۲۱ھ میں ہوا۔

۳)...... النکت علی کتاب ابن الصلاح: ۱/ ۴۸۴۔

۴)...... سیر اعلام النبلاء: ۱۴/ ۱۳۳۔

مثنی" کے بعد فرماتے ہیں: "هذا الحديث عندی خطاء" (۱) اور سنن کبریٰ میں فرمایا ہے: "إسناده جيّد" (۲) سنن نسائی میں ایک اعشاری روایت بھی ہے یعنی اس میں مصنف اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان دس واسطے ہیں، امام نسائیؒ فرماتے ہیں: "ماأعرف إسناداً أطول من هذا" (۳)۔

شرائط

(۱) ان احادیث کی تخریج جو صحیحین میں موجود ہوں۔

(۲) یا صحیح علی شرط الشیخین ہوں۔

(۳) امام ابوداؤد کی طرح امام نسائی بھی حدیث ضعیف کو رائے اور قیاس پر ترجیح دیتے ہیں، اگر کسی مقام پر صحیح حدیث نہ ملے تو ضعیف روایت نقل کر کے ضعف بھی بیان کر جاتے ہیں، ابن حجر نے امام نسائی کا قول نقل کیا ہے:

"لايترك الرجل عندی حتی يجتمع الجميع علی تركه" پھر اس جملہ کی تشریح کرتے ہوئے حافظ صاحب فرماتے ہیں کہ دراصل ناقدین کے چار طبقے ہیں اور ہر طبقے میں متشدد اور متوسط دونوں قسم کے ناقد ملتے ہیں تو امام نسائی کے قول کا مطلب یہ ہے کہ وہ صرف متشددین کی توثیق وتضعیف پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ متوسطین کی رائے کا بھی خیال رکھتے ہیں، لہذا معلوم ہوا کہ لفظ "يجتمع الجميع" سے اجماع عام مراد نہیں بلکہ اجماع خاص مراد ہے، پھر آگے لکھتے ہیں کہ اس تفصیل سے بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نقد رجال

---

۱)......سنن النسائی، باب کیف صلوۃ اللیل: ۱/۲۴۶۔

۲)......ذکرہ الحافظ ابن حجر فی تلخیص الحبیر باب صلوۃ التطوع: ۲/۲۲، وماوجدت الحدیث بھذ اللفظ فی السنن الکبریٰ، واللہ اعلم۔

۳)......کتاب الافتتاح، باب الفضل فی قراءۃ قل ھو اللہ احد، سنن النسائی: ۱/۱۵۵۔

کے سلسلے میں امام نسائی کے مذہب میں کچھ توسع ہے (۱) حالانکہ ایسا نہیں، بہت سارے ایسے راوی ہیں جن کی روایت ابوداوٗدؒ اور ترمذیؒ نے نقل کی ہے لیکن امام نسائیؒ نے انہیں چھوڑ دیا ہے (۲) اس پر کئی شواہد ہیں، مثلا (۱) امام نسائی خود فرماتے ہیں کہ جب میں نے سنن کی تالیف کا ارداہ کیا تو وہ شیوخ جن کے بارے میں میرے دل میں شبہ تھا ان کی روایات اور اسناد عالیہ کو چھوڑ کر مجھے اسناد نازلہ پر اکتفا کرنا پڑا (۳) (۲) ابوالفضل بن طاہر کہتے ہیں کہ میں نے کسی راوی کے بارے میں سعد بن علی سے سوال کیا تو انہوں نے اس کی توثیق کی، میں نے کہا کہ نسائیؒ تو اس کی روایت سے استدلال نہیں کرتے، سعد نے کہا کہ عبدالرحمٰن نسائی بعض شرائط میں شیخین سے بہت زیادہ سخت ہیں (۴)۔

(۳) دارقطنی کے استاد احمد بن نصر (متوفی ۳۲۳ھ) کہتے ہیں: کون "اخذ حدیث" میں امام نسائی کی طرح احتیاط سے کام لے سکتا ہے؟ ابن لھیعہ کی تمام روایات ان کے پاس موجود تھیں لیکن اس کے باوجود انہوں نے ابن لہیعہ سے ایک روایت بھی نہیں لی (۵)۔

سنن نسائی پر صحت کا اطلاق

امام نسائی کا اپنا قول ہے: ''كتاب السنن كله صحيح وبعضه معلول إلا أنه لم يبيّن علته والمنتخب المسمىٰ بالمجتبى صحيح كله"(٦)۔

---

۱)...... یہ حافظ ابوالفضل عراقی کا قول ہے، دیکھئے: زھر الربی المطبوع مع سنن النسائی: ۱/۲۔

۲)...... تفصیل کے لیے دیکھئے: النکت علی کتاب ابن الصلاح: ۱/۴۸۲۔

۳)...... النکت علی کتاب ابن الصلاح: ۱/۴۸۳، شروط الائمۃ لابن طاہر المقدسی، المطبوع مع سنن ابن ماجہ: ۲/۷۔

۴)...... سیر اعلام النبلاء: ۱۴/۱۳۱، تذکرۃ الحفاظ: ۲/۷۰۰۔

۵)...... سیر اعلام النبلاء: ۱۴/۱۳۱، تہذیب الکمال: ۱/۳۳۵، تذکرۃ الحفاظ: ۲/۷۰۰۔

۶)...... دیکھئے: زھر الربی علی المجتبی، المطبوع مع سنن النسائی: ۱/۳۔

اس سے پہلے ہم بیان کر آئے ہیں کہ امام نسائیؒ نے رملہ کے امیر کی درخواست پر سنن کبری کی احادیث صحیحہ کو الگ کر کے المجتبی کی تصنیف فرمائی، ان اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ پوری سنن نسائی صحیح ہے، اسی طرح خطیب بغدادی، ابو طاہر سلفی، ابوعلی نیشاپوری، دارقطنی وغیرہ نے بھی سنن نسائی پر ''صحیح'' کا اطلاق کیا ہے(۱)۔

دوسری طرف ابن صلاحؒ نے فرمایا کہ یہ فیصلہ نظر سے خالی نہیں "لأن فيه أحاديث ضعيفة و معللة و منكرة"(۲) اس اختلاف اقوال کو علامہ زرکشی اس طرح رفع دفع فرماتے ہیں:

''وتسمية الكتب الثلثة (أعنى كتاب النسائى وأبى داؤد والترمذى) صحاحاً، إمابإعتبار الأغلب لأن غالبها الصحاح والحسان وهى ملحقة بالصحاح، والضعيف فيها التحق بالحسن، فإطلاق الصحة عليها من باب التغليب"(۳)۔

علامہ ابن حجرؒ لکھتے ہیں:

''وفى الجملة فكتاب السنن أقل الكتب بعد الصحيحين حديثاً ضعيفا ورجلاً مجروحا، ويقاربه كتاب أبى داؤد و كتاب الترمذى ويقابله فى الطرف الأخر كتاب ابن ماجه" (۴)۔

شروح وتعلیقات

سنن نسائی کے صحاح ستہ میں داخل ہونے کے باوجود ائمہ فن کی طرف سے اس کا

---

۱)......مقدمہ ابن الصلاح: ۲۵، النکت علی کتاب ابن الصلاح: ۱/۴۸۱۔

۲)......مقدمہ ابن الصلاح: ۲۵۔

۳)......زہر الربی المطبوع مع سنن النسائی: ۱/۳۔

۴)......النکت علی کتاب ابن الصلاح: ۱/۴۸۴۔

استقبال نہیں کیا گیا جس طرح کہ صحاح ستہ کی دوسری کتابوں کو استقبال اور تلقی بالقبول حاصل ہوا، علامہ سیوطی نے اس پر ایک تعلیق لکھی ہے" زهر الربى "کے نام سے، اس سے پہلے شیخ عمر بن ملقن نے سنن نسائی کی ان احادیث کی نشاندہی اور تشریح کی جو صحاح ستہ کی دوسری کتابوں میں نہیں ہیں، علامہ سندھیؒ نے بھی اس پر ایک تعلیق لکھی ہے جس میں الفاظ غریبہ کی تشریح اور ضروری مقامات کا حل موجود ہے(۱)۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریاؒ کی بھی ایک تعلیق ہے جو حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، مولانا خلیل احمدؒ اور مولانا محمد یحییٰؒ کے افادات کا مجموعہ ہے۔

۱)......کشف الظنون:۲/۱۰۰۶۔

امام ابوداؤد

ولادت ۲۰۲ھ وفات ۲۷۵ھ کل عمر ۷۳ سال

نسب ونسبت

امام ابوداود کے سلسلۂ نسب میں کچھ اختلاف اور تقدیم وتاخیر ہے۔ علامہ ابن حجرؒ تہذیب التہذیب میں، علامہ ذہبی سیر اعلام النبلاء میں اور حافظ جمال الدین تہذیب الکمال میں عبدالرحمان بن ابی حاتم کا قول نقل کرتے ہیں:

''سليمان بن الأشعث بن شداد بن عمروبن عامر"(۱) خطیب نے تاریخ بغداد میں لکھا ہے: "سليمان بن الأشعث بن إسحاق بن بشير بن شداد بن عمرو بن عمران" سمعانی نے الانساب میں اور ابن خلکان نے وفیات الاعیان میں اسی کو اختیار کیا ہے (۲) ابن کثیر کے نزدیک نسب یوں ہے: "سليمان بن الاشعث بن إسحاق بن بشير بن شداد بن يحيى بن عمران"(۳) اور محمد بن عبدالعزیز کا کہنا ہے "سليمان بن الأشعث بن بشير بن شداد"(۴) ان کے جد اعلی ''عمران'' جنگ

۱) دیکھئے تہذیب التہذیب: ۱۶۹/۴۔ سیر اعلام النبلاء: ۲۰۳/۱۳۔ تہذیب الکمال: ۳۵۵/۱۱۔
۲) تاریخ بغداد: ۵۵/۹۔ الانساب: ۲۲۵/۳۔ وفیات الاعیان: ۴۰۴/۲۔ تذکرہ الحفاظ ۵۹۱/۲۔
۳) حافظ ابن حجر نے تقریب میں اسی نسب کو ذکر کیا ہے، دیکھئے۔ تقریب التہذیب: ۲۵۰۔ البدایۃ والنہایۃ: ۵۴/۱۱۔
۴) سیر اعلام النبلاء: ۲۰۳/۱۳۔ تہذیب الکمال: ۳۵۵/۱۱۔

صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے اور اسی میں مارے گئے(۱)۔

امام ابوداود کا تعلق چونکہ قبیلہ" اُزد" سے ہے اس لیے آپ کو اُزدی کہا جاتا ہے اور سجستان آپ کا مولد ہے، اس لیے سجستانی اور سجزی بھی کہا جاتا ہے۔ سجستان کے بارے میں صحیح قول یہ ہے کہ خراسان کے اطراف میں واقع ہے، جیسے کہ صاحب معجم البلدان نے لفظ سجزی کے تحت لکھا ہے:"سجز" بكسر أوله وسكون ثانيه، وآخره زاي: اسم لسجستان البلد المعروف في أطراف خراسان(۲) صاحب الانساب نے لکھا ہے: "هي إحدىٰ البلاد المعروفة بكابل"(۳)۔

علامہ یاقوت حموی نے محمد بن ابی نصر قل ھو اللہ أحد خوان کا قول نقل کیا ہے:
"أبوداود السجستاني الإمام: هو من كورة بالبصرة يقال لها سجستان، وليس من سجستان خراسان"(۴) اسی قول کو ابن خلکان نے بھی قیل کے ساتھ ذکر کیا ہے، لکھتے ہیں: وقيل :"بل نسبته إلى سجستان أو سجستانة قرية من قرىٰ البصرة والله أعلم"(۵) لیکن یہ قول ضعیف ہے؛ ایک وجہ تو یہ ہے کہ محمد بن ابی نصر فرماتے ہیں کہ میں نے اہل بصرہ سے جستجو کی، لیکن ان کو بصرہ میں اس نام کا کوئی مقام معلوم نہیں تھا(۶) دوسری بات یہ ہے کہ حضرت مولانا شاہ عبدالعزیزؒ نے فرماتے ہیں کہ ابن خلکان نے تاریخ دانی اور انساب میں مہارت کاملہ رکھنے کے باوجود غلطی کی ہے اور شیخ تاج الدین سبکی نے بھی اس

---

۱)......تہذیب الکمال:۱۱/ ۳۵۵۔تہذیب التہذیب:۴/ ۱۶۹۔

۲)......معجم البلدان:۳/ ۱۸۹۔

۳)......الانساب:۳/ ۲۲۵۔

۴)......معجم البلدان:۳/ ۱۹۱۔

۵)......وفیات الاعیان:۲/ ۴۰۵۔

۶)......معجم البلدان:۳/ ۱۹۲۔

قول کو وہم قرار دیا ہے، وہ لکھتے ہیں: "هذا وهم، والصواب انه نسبة الى الاقليم المعروف المتاخر لبلاد الهند" یعنی یہ ان کا وہم ہے، صحیح یہ ہے کہ یہ نسبت اس سرزمین کی طرف ہے جو ہند کے پہلو میں واقع ہے (یعنی سیستان کی طرف نسبت ہے) جو سندھ اور ہرات کے مابین مشہور ملک اور قندھار کے متصل واقع ہے۔(۱) بہرحال یہ قول ضعیف تو ہے لیکن اس کو ابن خلکان کا قول قرار دینا اور ان کی غلطی کہنا ٹھیک نہیں ہے، کیونکہ انہوں نے پہلے اسی قول مشہور کو نقل کیا ہے پھر اس قول ضعیف کو لفظ ''قیل'' کے ساتھ لکھا ہے (۲) پہلے زمانہ میں بست شہر اس ملک کا پایۂ تخت تھا چشت جو بزرگان چشتیہ کا وطن رہا ہے اسی ملک میں واقع ہے، عرب لوگ اس ملک کی نسبت میں کبھی سجزی بھی کہہ دیتے ہیں (۳)۔

پیدائش

امام ابوداوُد ۲۰۲ھ میں سیستان میں پیدا ہوئے، وہ خود فرماتے ہیں: ''ولدت سنة اثنتين" (ومئتين) (۴)۔

ابتداء تحصیل علم اور علمی رحلات

ابتداء تحصیلِ علم کے بارے میں کسی نے کوئی قول نقل نہیں کیا ہے، البتہ امام ابوداوُدؒ خود فرماتے ہیں: ''دخلت الكوفة سنة إحدى وعشرين" اسحاق بن ابراہیم کا

۱)......بستان المحدثین: ۲۸۳۔

۲)......وفیات الاعیان: ۲/۴۰۵۔

۳)......بستان المحدثین: ۲۸۴۔

۴)......سیر اعلام النبلاء: ۱۳/۲۰۴۔

بیان ہے کہ میں نے امام صاحب سے ۲۲۰ھ میں دمشق میں حدیث سنی (۱) جس کا مطلب ہے کہ امام صاحب نے ۲۰ سال کی عمر سے کافی پہلے تعلیم کی ابتداء کر کے علمی سفر شروع فرمایا تھا اور مختلف بلاد اسلامیہ کا سفر کیا تھا جن میں مصر، حجاز، شام، عراق، خراسان، جزیرہ اور ثغر شامل ہیں (۲) بعض اسفار میں آپ کے بڑے بھائی محمد بن الاشعث بھی ہمسفر رہے اور امام صاحب سے کچھ مدت پہلے وفات پا گئے (۳)۔

مشائخ

آپ کے اساتذہ بیشمار ہیں (۴) چنانچہ مکہ میں قعنبی اور سلیمان بن حرب، بصرہ میں مسلم بن ابراہیم اور ابوالولید طیالسی وغیرہ، کوفہ میں حسن بن ربیع بورانی اور احمد بن یونس یربوعی وغیرہ، حران میں ابوجعفر نفیلی وغیرہ، حلب میں ربیع بن نافع، حمص میں حیوۃ بن شریح اور یزید بن عبدربہ، دمشق میں صفوان بن صالح اور ھشام بن عمار، خراسان میں اسحاق بن راہویہ وغیرہ، بغداد میں احمد بن حنبل وغیرہ، بلخ میں قتیبہ بن سعید، مصر میں احمد بن صالح، اسی طرح آپ نے علی بن المدینی، علی بن الجعد، محمد بن المنہال، یحیٰی بن معین وغیرہ سے بھی استفادہ کیا ہے، اس مختصر فہرست سے اندازہ ہوتا ہے کہ بہت سے شیوخ میں امام بخاری کے ساتھ شریک ہیں۔اسی طرح اپنے استاذ احمد بن حنبل کے بعض اساتذہ سے بھی مستفید

---

۱)......تہذیب الکمال:۱۱/۳۶۶۔

۲)......تہذیب الکمال:۱۱/۳۵۶۔تذکرۃ الحفاظ:۲/۵۹۱۔

۳)......سیر اعلام النبلاء:۱۳/۲۲۱۔

۴)......حافظ ابن حجر کہتے ہیں: امام ابوداود کی تصانیف میں تقریباً تین سو اساتذہ کے نام ملتے ہیں: دیکھئے تہذیب التہذیب:۴/۱۷۲۔

ہوئے ہیں، جیسے ابوالولید ہشام بن عبدالملک طیالسی وغیرہ (۱)۔

تلامذہ

آپ کے تلامذہ میں امام ترمذیؒ اور امام نسائی سرفہرست ہیں، امام نسائیؒ کتاب الکنی میں آپ سے روایت کرتے ہیں، اسی طرح سلیمان بن حرب نفیلی، عبدالعزیز بن یحییٰ المدنی، علی بن المدینی، عمرو بن عون، مسلم بن ابراہیم، ابوالولید طیالسی کے طریق سے امام نسائی ابوداؤد کی روایت لاتے ہیں اور ظاہراان تمام روایات میں امام ابوداؤد سے مراد صاحب سنن، امام ابوداؤد سجستانی ہی ہیں، اگرچہ امام نسائیؒ عموماً ابوداؤد سلیمان بن یوسف حرانی سے روایت کرتے ہیں (۲) ان کے علاوہ امام ابوداؤد کے صاحبزادے ابوبکر عبداللہ بن ابی داؤد بھی اپنے والد ماجد سے اور اپنے چچا محمد سے روایت کرتے ہیں (۳) ابوبکر اپنے زمانے کے بڑے محدثین میں سے تھے، علامہ ذہبیؒ میزان الاعتدال میں ان کو الحافظ الثقۃ کے الفاظ سے یاد کرتے ہیں، امام ابوداؤد نے ان کے بارے میں فرمایا ہے: ''ابنی عبداللہ کذّاب" علامہ ذہبی فرماتے ہیں: "وأما کلام أبیه فیه فلا أدری أیش تبیّن له منه" (۴) صاحبزادہ کے علاوہ ابن الاعرابی اور ابن داسہ بھی امام صاحب کے ان تلامذہ میں سے ہیں جو اپنے فن میں انتہاء اور کمال کو پہنچے، ہم ان حضرات کے مختصر حالات سنن ابوداؤد کے رواۃ میں بیان کرینگے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

---

۱)...... تہذیب الکمال ۱۱/ ۳۵۹۔

۲)...... سیر اعلام النبلاء: ۱۳/ ۲۰۷، تہذیب الکمال: ۱۱/ ۳۶۱، تہذیب التہذیب: ۴/ ۱۷۱۔

۳)...... دیکھئے سیر اعلام النبلاء: ۱۳/ ۲۰۶۔ ۲۲۱۔

۴)...... سیر اعلام النبلاء: ۱۳/ ۲۲۸، میزان الاعتدال: ۲/ ۴۳۳۔

وفات

امام ابوداؤدؒ ابن خلیفہ کی درخواست پر بصرہ تشریف لے گئے (۱) اور وہیں رہائش پذیر ہوئے اور ۱۶ شوال ۲۷۵ھ میں انتقال فرما گئے (۲) انتقال سے پہلے انہوں نے وصیت کی تھی کہ مجھے حسن بن مثنی غسل دیں اور اگر وہ موجود نہ ہوں تو سلیمان بن حرب کی کتاب سے سمجھ کر غسل دیا جائے، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا (۳) نماز جنازہ عباس بن عبدالواحد نے پڑھائی (۴) اور حضرت سفیان ثوریؒ کے پہلو میں آرام فرما ہوئے (۵)۔

زہد وتقویٰ، اخلاق وعادات اور آپ کی شخصیت دوسرے علماء کی نظر میں

امام صاحب ہمیشہ پرتکلف زندگی سے دور اور سادگی کے خوگر تھے، کہا جاتا ہے کہ قمیص کی ایک آستین کو کشادہ، اور دوسری کو تنگ رکھا کرتے تھے، اس بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا کشادہ آستین میں اپنے کاغذات رکھتا ہوں اور دوسری کو کشادہ بنانے کی ضرورت نہیں ہے۔ (۶) ایک مرتبہ سہل بن عبداللہ (۷) آپ کے پاس آئے۔ اور کہا مجھے

---

۱)......اس پر تفصیلی بحث آگے آئیگی۔

۲)...... تہذیب الکمال: ۱۱/۳۶۷، سیر اعلام النبلاء: ۱۳/۲۲۱، تذکرۃ الحفاظ: ۲/۵۹۳ وفیات الاعیان: ۲/۴۰۵۔

۳)......تہذیب التہذیب: ۴/۱۷۳۔

۴)......تہذیب الکمال: ۱۱/۳۶۷۔ تاریخ بغداد: ۹/۵۹۔

۵)......البدایۃ والنہایۃ: ۱۱/۵۵۔

۶)......وفیات الاعیان: ۲/۴۰۵، تذکرۃ الحفاظ: ۲/۵۹۲۔

۷)...... یہ ابومحمد سہل بن عبداللہ بن یونس تستری ہیں، جو اکابر صوفیاء میں سے تھے، حج کے موقع پر ذوالنون مصری سے ملاقات کر کے ان کی صحبت سے مستفید ہوئے، دیکھئے۔ شذرات الذہب: ۲/۱۸۲۔ وفیات الاعیان: ۲/۴۲۹۔ سیر اعلام النبلاء: ۱۳/۲۳۰۔

آپ سے کام ہے اگر پورا کرنے کا وعدہ کریں تو بتاؤنگا، فرمایا:"قد قضیتها مع الامکان" ممکن ہوا تو پورا کرونگا، کہا میں چاہتا ہوں کہ جس زبان مبارک سے آپ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پڑھتے ہیں اسے بوسہ دوں، چنانچہ آپ نے زبان باہر نکالی اور انھوں نے بوسہ دیا۔(۱) آپ کے خادم ابوبکر بن جابر کا بیان ہے کہ میں امام صاحب کے ساتھ بغداد میں تھا، مغرب کی نماز ہوچکی تھی کہ ابواحمد الموفق (۲) آپ کے پاس آیا، امام صاحب نے فرمایا: اس وقت کس کام کے لیے آنا ہوا؟ کہا تین درخواستیں لے کر حاضر ہوا ہوں، فرمایا وہ کونسی؟ کہا ایک تو یہ کہ آپ بصرہ تشریف لائیں تاکہ بصرہ اور قرب وجوار کے اہل علم آپ سے علمی استفادہ کرسکیں، فرمایا منظور ہے، کہا دوسری یہ کہ آپ میری اولاد کو سنن ابوداؤد پڑھائیں، فرمایا کہ یہ بھی منظور ہے، کہا تیسری یہ کہ میری اولاد کے لیے الگ مجلس درس رکھیں، امام صاحب نے فرمایا کہ یہ منظور نہیں، کیونکہ تحصیل علم میں سب برابر ہوتے ہیں۔(۳) محمد بن اسحاق صاغانی اور ابراہیم حربی کہتے ہیں: "لما صنف ابوداود کتاب "السنن" ألين لابی داؤد الحديث كما ألين لداؤد الحديد"(۴) اسی مضمون کو حافظ ابوطاہر سلفی شعر کے پیرایہ میں یوں بیان کرتے ہیں:

۱)......سیر اعلام النبلاء:۱۳/۲۱۴، وفیات الاعیان:۲/۴۰۴، مقدمہ تحفۃ الاحوذی:۶۳، تہذیب التہذیب: ۴/۱۷۲، تہذیب الکمال:۱۱/۳۶۶۔

۲)......هو ولی عهد المؤمنين، الأمير الموفق، أبوأحمد طلحة بن جعفر المتوكل على الله، ومنهم من سماه محمداً ولد ۲۲۹ھ ومات ۲۷۸ھ، تاريخ بغداد:۲/۱۲۷، سير أعلام النبلاء:۱۳/۱۶۹ شذرات الذهب:۲/۱۸۲۔

۳)......سیر اعلام النبلاء:۱۳/۲۱۶، مقدمہ تحفۃ الاحوذی:۶۴۔

۴)......تہذیب التہذیب: ۴/ ۱۷۲، سیر اعلام النبلاء:۱۳/۲۱۲، تذکرۃ الحفاظ:۲/۵۹۲، البدایۃ والنہایۃ:۱۱/۵۵

لان الحدیث وعلمه بکماله

لامام اهله أبی داؤد

مثل الذی لان الحدیدُ

لنبی اهل زمانه داؤد (۱)

محمد بن مخلد کا بیان ہے کہ جب امام صاحب نے سنن کی تصنیف فرمائی تو قرآن کی طرح آپ کی کتاب بھی مرجع تقلید بن گئی (۲) حافظ موسیٰ بن ہارون کہتے ہیں: ''خلق أبوداؤد فی الدنیا للحدیث، وفی الآخرة للجنة'' (۳) ابوعبداللہ حاکم نے امام صاحب کے بارے میں کہا: آپ بغیر کسی نزاع کے اپنے زمانے میں علم حدیث کے امام ہیں (۴)۔ ابوعبداللہ بن مندة کہتے ہیں: جن حضراتِ محدثین نے احادیث صحیحہ اور غیر صحیحہ کی نشاندہی کی ہے، وہ چار ہیں، امام بخاریؒ، امام مسلمؒ، امام ابوداوُدؒ اور امام نسائیؒ ۔(۵) ابوبکر خلال کا بیان ہے: ''أبوداؤد الإمام المقدم فی زمانه، رجل لم یسبقه إلی معرفته بتخریج العلوم، ونصره بمواضعه أحد فی زمانه'' (۶)۔

ایک دن دوران درس ایک ساتھی آپ کے پاس آیا اور آپ سے قلم کی روشنائی مانگی ''استمد من هذه المحبرة؟'' کیا اس دوات سے استفادہ کرسکتا ہوں؟ امام صاحب

---

۱)......مقدمہ تحفة الاحوذی: ۶۴۔

۲)......سیر اعلام النبلاء: ۲۱۲/۱۳، تہذیب التہذیب: ۱۷۲/۴، تہذیب الکمال: ۳۶۵/۱۱۔

۳)......دیکھئے محولہ بالا۔

۴)......سیر اعلام النبلاء: ۲۱۲/۱۳، تذکرة الحفاظ: ۵۹۲/۲۔

۵)......تہذیب التہذیب: ۱۷۲/۴، تہذیب الکمال: ۳۶۵/۱۱۔

۶)...... تہذیب التہذیب: ۱۷۱/۴، تہذیب الکمال: ۳۶۴/۱۱، البدایة والنهایة: ۵۹۲/۲ سیر اعلام النبلاء: ۲۱۱/۱۳۔

نے اس کی طرف متوجہ ہوکر فرمایا: جو اپنے بھائی کے مال کو اجازت لے کر استعمال کرنا چاہے تو وہ شرم کے مارے محروم رہ جاتا ہے، اس دن سے آپ کو دانشمند کہا جانے لگا (۱)۔ بعض اہل علم کہتے ہیں کہ امام ابوداؤدؒ خصائل وشمائل میں امام احمد بن حنبل کے مشابہ تھے اور امام احمد بن حنبل وکیع کے اور وہ حضرت سفیان ثوریؒ کے اور وہ امام منصور کے اور وہ ابراہیم نخعی کے اور وہ علقمہ کے اور وہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ تھے (۲) اور امام ابوداؤد کے لیے سب سے زیادہ قابل فخر بات یہ ہے کہ ان کے استاد احمد بن حنبل بھی ان سے ایک حدیث روایت کرتے ہیں، قال الحافظ ابن كثير: هوماروا ه أبوداؤد من حديث حماد بن سلمة عن أبي معشر الدارمي عن أبيه" أنّ رسول الله صلى الله عليه وسلم سئل عن العتيرة فحسنها"(۳) امام ابوداؤدفرماتے ہیں کہ ایک دن میں امام احمد بن حنبل کی خدمت میں حاضر ہوا، وہاں ابوجعفر بن ابی سمیہ بھی موجود تھے، امام صاحب نے ابوجعفر سے فرمایا کہ ابوداؤد کے پاس ایک غریب حدیث ہے، اس سے لکھ لو تو میں نے ابوجعفر کو بھی لکھوائی (۴)۔

امام ابوداؤد بحیثیت فقیہ

امام ابوداؤدؒ علم حدیث میں مہارت تامہ کاملہ رکھنے کے ساتھ ساتھ اپنے زمانے کے بڑے فقہاء میں سے بھی تھے، ابن خلکان فرماتے ہیں کہ شیخ ابواسحاق شیرازی نے امام

---

۱)......وفیات الاعیان: ۲/ ۴۰۵۔

۲)......البدایۃ والنہایۃ: ۱۱/ ۵۵، تذکرۃ الحفاظ: ۲/ ۵۹۲، سیر اعلام النبلاء: ۱۳/ ۲۱۶۔

۳)......البدایۃ والنہایۃ: ۱۱/ ۵۵، تہذیب الکمال: ۱۱/ ۳۶۴، تہذیب التہذیب: ۴/ ۱۷۱۔

۴)......تاریخ بغداد: ۹/ ۵۷۔

صاحب کا نام ''طبقات الفقہاء'' میں ذکر کیا ہے(۱) اسی طرح ابوحاتم بن حبان کا بیان ہے: أبوداؤد أحد أيمة الدنيا فقها" (۲) علامہ ذہبی سیر اعلام النبلاء میں لکھتے ہیں: ''کان أبوداؤد مع إمامته في الحديث وفنونه من كبار الفقهاء فكتابه يدل على ذلك"(۳)۔

مسلک

امام ابوداوّد کے بارے میں مشہور یہ ہے کہ وہ حنبلی ہیں، علامہ ذہبی لکھتے ہیں: ''وهو من نجباء أصحاب الإمام احمد لازم مجلسه مدة"(۴) ابن ابی یعلی نے ان کو طبقات الحنابلہ میں ذکر کیا ہے۔(۵) اسماعیل پاشا بغدادی نے ہدیۃ العارفین میں ان کو حنبلی لکھا ہے(۶) علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے بھی ان کو حنبلی قرار دیا ہے(۷) ابن خلکان نے فرمایا ہے کہ ابواسحاق شیرازی نے اپنی تصنیف ''طبقات الفقہاء'' میں آپ کو احمد بن حنبل کے اصحاب میں شمار کیا ہے(۸) حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ نے بھی اسی کو اختیار کیا

---

۱)......وفیات الاعیان:۲/۴۰۴۔
۲)......سیر اعلام النبلاء:۱۳/۲۱۲۔
۳)......سیر اعلام النبلاء:۱۳/۲۱۵۔
۴)......سیر:۱۳/۲۱۵۔
۵)......ماتمس الیہ الحاجۃ:۲۶۔
۶)......ھدیۃ العارفین:۱/۳۹۵۔
۷)......فیض الباری:۱/۵۸۔العرف الشذی:۲۔
۸)......وفیات الاعیان:۲/۴۰۴۔

ہے(۱) تاج الدین سبکی اور نواب صدیق حسن خان نے ان کو شافعی کہا ہے(۲) ایک قول یہ بھی ہے کہ وہ مجتہد مطلق ہیں (۳) بعض حضرات کا کہنا ہے کہ وہ مجتہد منتسب الی احمد واسحاق ہیں (۴) بعض متأخرین کے نزدیک یہ اہل حدیث ہیں" لیس بمجتهد ولاهو من المقلدین" (۵) البتہ سنن ابی داؤد کے مطالعہ سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ راجح پہلا قول ہے، اس لیے کہ بہت سے مسائل میں امام ابوداوُدؒ نے ثابت ومعروف روایات کے مقابلہ میں ان روایات کو اختیار فرمایا ہے جو امام احمد کی تائید میں ہیں۔

تالیفات

امام صاحبؒ نے اپنی زندگی میں مختلف کتابیں تصنیف فرمائی ہیں، جن کی فہرست درج ذیل ہے (۱) مراسیل (۲) الردّ علی القدریۃ (۳) الناسخ والمنسوخ (۴) التفرد (ماتفرد بہ اہل الامصار) (۵) فضائل انصار (۶) مسند مالک بن انس (۷) المسائل (یہ ان سوالات کا مجموعہ ہے جو انہوں نے اصول وفروع کے متعلق امام احمد سے کئے ہیں) (۸) کتاب الزھد (۹) دلائل النبوۃ (۱۰) کتاب الدعاء (۱۱) ابتداء الوحی (۱۲) اخبار الخوارج (۶) (۱۳) کتاب البعث (۱۴) تسمیۃ الاخوان (۷) اور ان کی کتاب (۱۵)

۱)......مقدمہ لامع الدراری: ۱۷۔

۲)......ماتمس الیہ الحاجۃ لمن یطالع سنن ابن ماجہ: ۲۵۔۲۶۔

۳)......یہ ابن تیمیہ کا قول ہے، دیکھئے توجیہ النظر: ۱۸۵۔

۴)......یہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دھلویؒ کا قول ہے دیکھئے، ماتمس الیہ الحاجۃ: ۲۶۔

۵)......ماتمس الیہ الحاجۃ: ۲۷۔

۶)......تہذیب التہذیب: ۱، ۶، ۴، ۱۷۰، تقریب لتہذیب: ۷۶، ھدیۃ العارفین: ۵/ ۳۹۵۔

۷)......الاعلام: ۳/ ۱۲۲۔

''السنن''، تو شہرۂ آفاق ہے ہی۔

زمانہ تألیف

یقین سے تو نہیں کہا جا سکتا کہ امام صاحب سنن کی تالیف سے کس سنہ میں فارغ ہوئے، اس لیے کہ اس سلسلے میں کوئی صریح عبارت نہیں ملتی، البتہ اتنی بات یقینی ہے کہ امام صاحب نے تالیف کے بعد اپنی کتاب امام احمد بن حنبلؒ کے سامنے پیش کی تھی اور امام صاحب نے اسے بہت پسند فرمایا تھا(۱) امام احمد بن حنبل کا سن وفات ۲۴۱ھ ہے، اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ امام صاحب ۳۹ سال کی عمر میں سنن کی تالیف سے فارغ ہوئے تھے۔

تعداد روایات

امام ابوداؤدؒ اپنے رسالے میں فرماتے ہیں کہ میں نے پانچ لاکھ احادیث کے مجموعہ سے چار ہزار آٹھ سو (۴۸۰۰) احادیث کا انتخاب کر کے سنن کو ترتیب دیا ہے۔

سنن ابوداؤد مطبوعہ بیروت کے مقدمہ میں ہے کہ یہ سنن ۳۵ کتابوں پر مشتمل ہے، تین کتابوں میں باب قائم نہیں کیا گیا ہے، باقی کتابوں میں (۱۸۷۱) باب ہیں اور کل احادیث (۵۲۷۴) ہیں اور یہ تعداد امام ابوداؤدؒ کی بیان کردہ تعداد روایات سے زیادہ اس لیے ہے کہ سنن ابوداؤد کے نسخے تعداد روایات میں ایک دوسرے سے مختلف ہیں اور دوسری بات یہ ہے کہ بعض احادیث مکرر بھی ہیں، ہوسکتا ہے کہ جو تعداد امام ابوداؤد نے بتائی ہے کسی ایک نسخہ کی روایات غیر مکررہ کی ہو۔

---

۱)......تہذیب التہذیب:۴/۱۷۱، تہذیب الکمال:۱۱/۳۶۳۔

منتخبات

امام صاحب فرماتے ہیں کہ مجموعۂ احادیث میں سے چار احادیث انسان کے دین اور فلاح وکامیابی کے لیے کافی ہیں ''انما الاعمال بالنیات"(۱) ''من حسن اسلام المرٔ ترکه ما لایعنیه" (۲) "لایکون المؤمن مؤمنا حتی یرضی لأخیه مایرضی لنفسه"(۳) "الحلال بیّن والحرم بیّن، وبین ذلك أمور مشتبهات"(۴)۔

لیکن علامہ ذہبی کو ان کی اس بات پر اشکال ہے او وہ فرماتے ہیں: "هذا ممنوع بل یحتاج المسلم الی عدد کثیر من السنن الصحیحة مع القرآن"(۵) حضرت مولانا شاہ عبدالعزیزؒ ان کے رد میں فرماتے ہیں کہ اس بات کا مطلب یہ ہے کہ شریعت مطہرہ (علی صاحبها الصلاة والسلام) کے قواعد کلیہ اور احکام مشہورہ کا علم حاصل ہوجانے کے بعد دوسرے اخلاقی واصلاحی مسائل میں کسی مجتہد کی ضرورت نہیں رہتی، اس لیے کہ حدیث ''انما الا عمال بالنیات" تمام عبادات واعمال کی درستگی کے لیے کافی ہے اور دوسری حدیث سے وقت عزیز کی اہمیت اور حفاظت کی تاکید ظاہر ہوتی ہے، حدیث

---

۱)...... اخرجه ابوداود فی الطلاق، باب فیما عنی به الطلاق والنیات: ۱/۳۰۰۔

۲)......اخرجه الترمذی فی جامعه فی کتاب الزهد وابن ماجه فی کتاب الفتن۔

۳)......بعض حضرات نے اس کی جگہ ازهد فی الدنیا یحبك الله کو ذکر کیا ہے۔اخرجه ابن ماجه فی السنن فی کتاب الزهد۔

۴)......اخرجه البخاری فی الصحیح فی کتاب الایمان باب فضل من استبرأ لدینه، وفی کتاب المساقاة باب الحلال بیّن والحرام بیّن، ومسلم فی الصحیح فی کتاب المساقاة باب أخذ الحلال وترك الشبهات۔

۵)......سیر اعلام النبلاء: ۲۱۰/۱۳۔

''لایکون المؤمن مؤمنا'' سے حقوق العباد کی رعایت اور پاسداری معلوم ہوتی ہے اور چوتھی حدیث تقویٰ وتشرع کی حفاظت اور اختلاف علماء کے حل کے لیے بہترین نسخہ ہے اور ظاہر ہے کہ یہی چیزیں نجات کی کنجی ہیں (۱) حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا نور اللہ مرقدہٗ نے اوجز المسالک میں جامع اصول الاولیاء کے حوالے سے فرمایا کہ امام ابوداوٗد سے پہلے حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ نے بھی اپنے صاجزادے حماد کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ پانچ احادیث کو اپنی بنیاد بناوٗ جن کو میں نے پانچ لاکھ احادیث سے منتخب کیا ہے، چار وہی ہیں جن کو امام ابوداوٗد نے ذکر فرمایا ہے اور ایک حدیث ''المسلم من سلم المسلمون من لسانه ویده'' ہے حضرت شیخ فرماتے ہیں کہ ہوسکتا ہے امام ابوداوٗد نے اس حدیث کو تیسری حدیث یعنی ''لایکون المؤمن مؤمنا'' میں داخل فرمایا ہو، کہ دونوں کا مضمون ایک ہے تو لہذا تعداد چار ہوگئی (۲)۔

شرائط وخصوصیات

(۱) ان احادیث کی تخریج جو صحیح علی شرط الشیخین ہوں (۳)۔

(۲) ان رواۃ کی احادیث جن کے ترک پر اجماع نہ ہو (۴)۔

(۳) موضوع، مقلوب یا مجہول روایت کو نہیں لیتے مگر بوقت ضرورت، مثلاً اس باب سے متعلق کوئی صحیح روایت موجود نہ ہو یا خصم کی دلیل بیان کرکے اس پر جرح وغیرہ

---

۱)...... بستان المحدثین: ۲۸۶۔

۲)...... اوجز المسالک: ۱۴/۱۲۲ کتاب ماجاء فی حسن الخلق۔

۳)...... شروط الائمۃ الستۃ مطبوع مع سنن ابن ماجہ: ۷۰۔

۴)...... مختصر سنن ابی داوٗد للمنذری: ۸۔

کرنی ہو، البتہ انہوں نے یہ التزام کیا ہے کہ اکثر مواضع میں اس حدیث کا سقم بیان کرتے ہیں(۱)۔

(۴) رواۃ کے طبقات خمسہ میں سے طبقہ اولی، ثانیہ اور ثالثہ کی احادیث کو بالاستیعاب لاتے ہیں اور کبھی طبقہ رابعہ کی احادیث کو متابعات میں ذکر کرتے ہیں(۲)۔

امام بوداودؒ نے اہل مکہ کی درخواست پر ان کو ایک خط لکھ کر اس میں اپنی کتاب میں روایات کی نوعیت بیان فرمائی ہے(۳) اس خط میں وہ لکھتے ہیں: ''ذكرت فيه الصحيح ومايشبهه ويقاربه، ومافيه وهن شديد بينته، ومالايفهم منه ومابعضه اصح من بعض"۔

صدیق حسن خان اس عبارت کے متعلق لکھتے ہیں کہ اس میں حدیث کے ان اقسام کی طرف اشارہ ہے جو سنن ابوداود میں موجود ہیں (۱)الصحيح يعنی صحيح لذاته (۲) مايشبهه يعنی صحيح لغيره(۳)مايقاربه يعنی حسن لذاته(۴) مافيه وهن شديد (یعنی سقم بیان کرنے کے بعد)(۵) مالايفهم منه يعنی جس میں وھن شدید نہ ہو، جب تک اس کا کوئی مؤید نہ ہو(۶) اگر اس کی کوئی مؤید حدیث مل جائے تو وہ حسن لغیرہ بن جائے گی(۴)۔

(۵) امام ابوداودؒ کی عادت ہے کہ وہ اقدم کی روایت کو احفظ پر ترجیح دیتے ہیں چنانچہ اہل مکہ کی طرف ارسال کردہ خط میں لکھتے ہیں: ''فاعلموا أنه كذلك كله إلا أن يكون قدروى من وجهين؛ إحدهما أقوى إسناداً، والآخر صاحبه أقدم في

۱)......معالم السنن للخطابی مطبوع مع مختصر سنن ابی داؤد:۱۱۔
۲)......شروط الائمۃ الخمسہ مطبوع مع سنن ابن ماجہ:۸۰۔
۳)......خط کے تفصیلی مندرجات کے لیے دیکھئے مقدمہ بذل المجہود:۳۵۔
۴)......الحطۃ فی ذکر صحاح الستۃ:۲۵۳۔
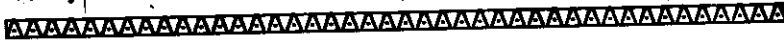
الحفظ، فربما کتبت ذلك"۔

(۶) کبھی طویل حدیث کومختصر بیان کرتے ہیں تا کہ سمجھنے میں دشواری نہ ہو۔

(۷) اختصار کے پیش نظر ترجمۃ الباب ثابت کرنے کے لیے ایک ہی حدیث پر اکتفا فرمایا کرتے ہیں اور کسی باب میں اگر ایک سے زیادہ حدیث لاتے ہیں تو کسی خاص فائدہ کے لیے، اسی خط میں ہے: "وإذا أعدت الحدیث فی الباب، من وجھین او ثلاثة مع زیادة کلام فیه، وربما فیه کلمة زائدة علی الحدیث الطویل؛ لانی لو کتبته بطوله لم یعلم بعض من سمعه ولایفھم موضع الفقه منه، فاختصرته لذلك"۔

(۸) علامہ خطابیؒ نے فرماتے ہیں کہ اگر کسی مسئلے میں احادیث متعارض ہوں تو ایک باب قائم کرنے کے بعد دوسرے باب میں امام ابوداؤد معارض حدیث کی تخریج کرتے ہیں(۱)۔

(۹) اقاویل ابوداؤد بھی ان خصوصیات میں سے ہیں جس میں امام صاحب منفرد ہیں، مختصر اور بہترین انداز میں کبھی الفاظ حدیث میں رواۃ کے اختلاف یا تعدد طرق کی طرف اشارہ فرماتے ہیں۔

ضروری تنبیہ

خصوصیات ابوداؤد میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ اول السنن ہے، یعنی کتب حدیث میں سنن سے متعلق سب سے پہلی کتاب جو لکھی گئی وہ سنن ابوداؤد ہے، لیکن شیخ محمد بن جعفر الکتانی نے اس رائے سے اختلاف کیا ہے، وہ الرسالۃ المستطرفۃ میں لکھتے ہیں: قیل:

---

۱)......شروط الأیمۃ الستۃ: ۷۰، وشروط الأیمۃ الخمسۃ: ۸۳، مطبوعہ مع سنن ابن ماجہ۔

هو أول من صنف في السنن، وفيه نظر يتبين مما ياتي . مصنف نے کچھ صفحات کے بعد سنن امام شافعیؒ کا تذکرہ فرمایا ہے، امام شافعیؒ کی وفات ۲۰۴ھ میں ہے، جبکہ امام ابوداؤد کی ولادت ۲۰۲ھ میں ہے تو مطلب یہ ہوا کہ سنن امام شافعی پہلے ہے، لہذا سنن امام ابوداؤد کو اول السنن کہنا مخدوش ہے(۱)۔

ماسکت عنہ ابوداؤد کی بحث

امام ابوداؤدتخریج روایات میں ایسے طریقے اختیار فرماتے ہیں کہ اس سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ یہ روایت کس درجہ کی ہے، لیکن بعض مواقع پر ایسا ہوتا ہے کہ روایات نقل فرمانے کے بعد اس پر سکوت کرتے ہیں یعنی اس میں کسی قسم کا اضطراب بیان نہیں کرتے ،اہل مکہ کی طرف ارسال کردہ خط میں وہ لکھتے ہیں:"وما كان في كتابي من حديث فيه وهن شديد، فقد بينته منه مالايصح سنده ومالم أذكر فيه شيأ فهو صالح، وبعضها أصح من بعض"۔

امام صاحب کا یہ آخری جملہ اور سنن میں ان کا یہ طریقہ کار ایک معرکۃ الآراء مسئلہ بن گیا ہے کہ جس حدیث پر امام صاحب سکوت فرماتے ہیں وہ کس درجہ کی ہوگی؟

علامہ نووی فرماتے ہیں کہ اس قول کے پیش نظر اگر امام صاحب کسی حدیث پر سکوت فرماتے ہیں اور دوسرے محققین نے بھی اس پر کوئی کلام نہیں کیا ہے تو وہ حدیث امام صاحب کے نزدیک حسن ہے(۲) ابن حجرؒ نے فرمایا کہ نووی کے قول کا مطلب یہ ہے کہ جس حدیث پر امام صاحب نے سکوت فرمایا ہے، لیکن دوسرے محققین نے اس کو ضعیف قرار

۱)......دیکھئے الرسالۃ المستطرفۃ:۱۱،۲۹۔

۲)......تدریب الراوی فی شرح تقریب:۱/۱۶۷۔

دیا ہے تو امام ابوداؤد کے سکوت کی طرف توجہ نہیں کی جائے گی بلکہ اس پر ضعیف کا حکم لگایا جائے گا، پھر ابن حجر علامہ نووی پر اعتراض کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اگر چہ نووی کا قول تحقیقی ہے لیکن وہ خود اپنے اس فیصلہ پر قائم نہیں رہے اور اپنی بعض تصانیف میں بہت سی احادیث کو صرف سکوت ابوداؤد کی وجہ سے حسن کا درجہ دے دیا ہے، حالانکہ وہ حسن نہیں ہیں (۱) مثلاً حدیث مسور بن یزید مالکی کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

''رواه أبو داؤد بإسناد جيد ومذهبه أن مالم يضعفه فهو عنده حسن''

(۲) حالانکہ اس کی سند میں یحیی بن کثیر کاہلی ہے جو کہ ضعیف ہے (۳) ابن صلاح بھی علامہ نووی کے قول کے موافق ہیں وہ لکھتے ہیں: ''فعلى هذا ماوجدناه في كتابه مذكوراً مطلقاً وليس في واحد من الصحيحين ولانص على صحته أحد ممن يميز عن الصحيح والحسن عرفناه بأنه من الحسن عند أبي داؤد'' (۴)۔

لیکن ابن کثیرؒ نے ابن صلاح کے قول پر نکتہ چینی کی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ سنن ابوداؤد کے نسخے زیادہ ہونے کے ساتھ ان میں کافی فرق بھی ہے، بعض نسخوں میں بعض احادیث پر کلام موجود ہے، جبکہ دوسرے نسخوں میں نہیں، اسی طرح ابوعبیدہ آجری کے سوالات کے جواب میں بعض احادیث پر انہوں نے جرح فرمائی ہے حالانکہ ان روایات میں سے کچھ سنن میں بھی موجود ہیں تو اب سوال یہ ہے کہ ابن صلاح کے اس قول: ماسكت عنه ابوداؤد فهو حسن عنده، سے سکوت مطلق مراد ہے یا صرف سنن میں

۱)......النکت علی کتاب ابن الصلاح: ۱/۴۴۴۔

۲)......المجموع شرح المهذب للنووی، فرع مذاهب العلماء فی تلقین الامام: ۴/۲۴۱۔

۳)......نسائی نے ان کو ضعیف اور حافظ ابن حجر نے لین الحدیث کہا ہے، دیکھئے تقریب التہذیب: ۵۹۵، ان کی حدیث کی تخریج امام ابوداؤد نے کتاب الصلاۃ باب الفتح علی الامام میں فرمائی ہیں۔

۴)......النکت علی کتاب ابن الصلاح: ۱/۴۴۵۔

سکوت مراد ہے، ابن صلاح نے اس کی تصریح نہیں کی ہے(۱)۔

علامہ عراقی نے اس اعتراض کا جواب یوں دیا ہے کہ امام صاحب ضعف شدید کے بیان کا اہتمام فرماتے ہیں اور یہ ہوسکتا ہے کہ سنن میں جن روایات پرانہوں نے سکوت کیا ہے اور دوسری تصانیف میں ان کو ضعیف قرار دیا ہے، ان میں ضعف شدید نہ ہو(۲)۔

علامہ سیوطیؒ نے فرمایا ہے کہ یہاں صالح سے مراد صالح للاحتجاج ہے جو صحیح اور حسن دونوں کو شامل ہے، لیکن احتیاطاً حسن مراد لیا جائے گا یا اس سے صالح للاعتبار مراد ہے تو اس صورت میں حدیث ضعیف کو بھی شامل ہوگا(۳) محقق کوثری نے بھی انہی دو احتمالات کو بیان فرمایا ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

"فهوصالح اى للاعتبار أو للحجة، وتعيين أحدهما تابع للقرينة القائمة كما هوشان المشترك وادّعاءُ أنه صالح للححة تقويل لأبى داؤد مالم يقله"(۴)۔

ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ بعض نسخوں میں فهو صالح کے بجائے فهو حسن ہے(۵) اور حافظ صاحب فرماتے ہیں: "فهذه النسخة إن كانت معتمدة فهو نص فى موضع النزاع فيتعين المصيرإليه"(۶)۔

بعض حضرات نے کہا ہے کہ بظاہر یہ ایک روایتِ شاذہ ضعیفہ ہے اور صحیح روایت

---

۱)......اختصار علوم الحدیث لابن کثیر مع شرحہ الباعث الحثیث لاحمد محمد شاکر:۳۴۔۳۵۔

۲)......دیکھئے محولہ بالا۔

۳)......تدریب الراوی:۱/ ۱۶۸۔

۴)......دیکھئے تعلیقات استاد عبدالفتاح ابوغدہ بر اعلاء السنن:۱/ ۵۱۔

۵)......اختصار علوم الحدیث:۳۴۔

۶)......النکت علی کتاب ابن الصلاح:۱/ ۴۳۲۔

(فهو صالح) ہے جیسا کہ امام صاحب کے خط میں موجود ہے (۱) اس سلسلے میں حافظ صاحب کا قول بہت ہی لطیف اور تحقیق ہے (۲) وہ فرماتے ہیں کہ امام ابوداوَد کے قول (وما كان في كتابي من حديث فيه وهن شديد فقد بينته) کا مطلب یہ ہے کہ وہ وھن ضعیف کے بیان کا التزام نہیں فرماتے، لہذا جن روایات پر سکوت فرماتے ہیں وہ سب حسن اصطلاحی کے قبیل میں سے نہیں، بلکہ ان کی مختلف نوعیت ہوگی۔

(۱) بعض تو وہ ہیں جو صحیحین میں موجود ہیں۔

(۲) بعض اگر چہ صحیحین میں نہیں لیکن شرط صحت پر پوری اترتی ہیں۔

(۳) بعض حسن لذاتہ ہیں۔

(۴) بعض حسن لغیرہ ہیں۔

(۵) بعض ضعیف ہیں لیکن ان رواۃ سے مروی ہیں جن کے ترک پر اجماع نہیں، مثلاً عبداللہ بن محمد بن عقیل (متوفی ۱۴۰ھ کے بعد) (۳) موسی بن وردان (متوفی ۱۱۷ھ) (۴) سلمۃ بن الفضل (متوفی ۱۹۱ھ) (۵) وغیرہ اور یہ سب اقسام امام صاحب

---

۱)...... دیکھئے تعلیقات استاد عبدالفتاح ابوغدہ بر اعلاء السنن: ۱/ ۵۱۔

۲)...... تفصیل کے لیے دیکھئے: النکت علی کتاب ابن الصلاح: ۱/ ۴۳۵۔

۳)...... یہ ابومحمد عبداللہ بن عقیل ابن عم النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، ان کی والدہ زینب بنت علی بن ابی طالب ہیں، ابن معین و یحیی بن سعید نے ان کو ضعیف قرار دیا ہے، بخاری نے ان کو مقارب الحدیث فرمایا ہے اور امام احمد نے بھی ان کی روایات سے استدلال کیا ہے المتوفی ۱۴۰ھ کے بعد، دیکھئے سیر اعلام النبلاء: ۶/ ۲۰۴، تہذیب الکمال: ۱۶/ ۷۸۔

۴)...... یہ ابوعمر مری ہیں، امام ابوداوَد نے ان کو ثقہ اور ابوحاتم نے ان کے بارے میں ليس به بأس کہا ہے، ابن معین نے ان کو ضعیف اور ليس بالقوی کہا ہے، دیکھئے سیر اعلام النبلاء: ۵/ ۱۰۷، تہذیب الکمال: ۲۹/ ۱۶۳۔

۵)...... یہ ابوعبداللہ الرازی ہیں، ابن معین اور ابن سعد نے ان کی توثیق، ابوحاتم اور نسائی نے تضعیف کی ہے، امام بخاری نے فرمایا ہے: "عنده مناكير وهّنه علي......" دیکھئے سیر اعلام النبلاء: ۹/ ۴۹۔۵۰، تہذیب الکمال: ۱۱/ ۳۰۵۔

کے یہاں حجت ہیں، اس لیے کہ وہ حدیث ضعیف کو رائے رجال پر فوقیت دیتے ہیں، یہی مذہب امام احمد بن حنبل کا بھی ہے، اوران کا قول ان کے صاحبزادے عبداللہ کے طریق سے مروی ہے: ''لاتکاد تریٰ أحداً ینظر فی الرأی الاوفی قلبه دغل، والحدیث الضعیف أحبّ إلیّ من الرأی'' ان کے صاحبزادے کا بیان ہے کہ میں نے اپنے والد سے سوال کیا کہ اگر کسی شہر میں ایک محدّث ہو جو صحیح اور سقیم میں فرق نہ کرسکتا ہو اور ایک صاحب رائے، تو مسائل کس سے دریافت کیے جائیں، انہوں نے فرمایا: ''یسأل صاحب الحدیث ولایسأل صاحب الرأی''(۱) ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں کہ اس مسئلہ میں امام ابوداؤد امام احمد کا اتباع کریں کیونکہ وہ امام احمد کے اجل تلامذہ میں سے ہیں (۲)۔

(۶) بعض مرتبہ ایسی روایات بھی لاتے ہیں جن کے رواۃ بہت ہی ضعیف اور متروک ہوتے ہیں جیسے حارث بن وحید (۳) اور عثمان بن واقد (۴) وغیرہ۔

(۷) ایسی روایات بھی سنن میں ملتی ہیں جن کی سند میں انقطاع یا ابہام ہے اور

---

۱)..... دیکھئے مقدمہ اعلاء السنن: ۱/ ۵۹-۶۰۔

۲)..... النکت علی کتاب ابن الصلاح: ۱/ ۴۳۷۔

۳)..... یہ ابومحمد بصری ہیں یحییٰ بن معین نے فرمایا ہے: ''لیس حدیثه بشی'' امام بخاری اور ابوحاتم فرماتے ہیں: ''فی حدیثه بعض المناکیر'' امام نسائی نے بھی ان کو ضعیف کہا ہے، دیکھئے تہذیب الکمال: ۵/ ۳۰۴۔

۴)..... ان کا نسب حضرت عمرؓ سے جاملتا ہے، احمد بن حنبل نے فرمایا: ''لاأری به بأسا'' یحییٰ بن معین نے ان کی توثیق کی ہے، ابن حبان نے ان کا تذکرہ کتاب ''الثقات'' میں کیا ہے، امام ابوداؤد نے ان کو ضعیف قرار دیا ہے، دیکھئے تہذیب الکمال: ۱۹/ ۵۰۴، لیکن حافظ ابن حجرؒ کا عثمان بن واقد کو متروکین میں شمار کرنا محل نظر ہے۔

ان پر امام صاحب نے سکوت فرمایا ہے تو صرف سکوت ابوداوُد کی وجہ سے ان کو حسن نہیں کہا جائے گا، اس لیے کہ ان کا سکوت کبھی اس وجہ سے ہے کہ پہلے اس پر کلام ہو چکا ہے یا ذھول کی وجہ سے یا شدۃ وضوح ضعف کے بنا پر، اسی طرح وہ بعض روایات کو نہایت ضعیف قرار دیتے ہیں، لیکن سنن میں اس پر سکوت فرماتے ہیں، مثلاً کتاب الطهارة باب التيمم فى الحضر میں محمد بن ثابت عبدی سے روایت لی ہے بغیر کسی تبصرے کے، لیکن کتاب التفرد میں فرمایا ہے: ''لم يتابع أحد محمد بن ثابت على هذا'' پھر امام احمد بن حنبل کا قول نقل کیا ہے: هو حديث منكر، لیکن غالباً یہاں حافظ صاحب سے سہو ہو گیا ہے کیونکہ امام صاحب نے ابوداوُد میں اس روایت پر کلام کیا ہے(۱)۔

علامہ منذری نے کہا کہ امام ابوداوُد نے بہت سی ضعیف احادیث پر سکوت فرمایا ہے اور میں نے ان کی نشاندہی کی ہے(۲) پھر علامہ شوکانی نے فرمایا کہ ابوداوُد اور منذری نے بعض احادیث پر سکوت کیا ہے، حالانکہ وہ ضعیف ہیں اور میں نے ان پر کلام کیا ہے(۳)۔

ابن قیمؒ نے بھی بعض روایات کے متعلق کہا ہے کہ وہ ضعیف ہیں اور کسی نے ان

---

۱)...... حافظ ابن حجر کی طرف سے یہ اعتذار ممکن ہے کہ ان کے پاس موجود نسخہ میں وہ عبارت نہیں تھی جس کی حافظ صاحب نفی فرما رہے ہیں تفصیل کے لیے دیکھئے ڈاکٹر ربیع بن ہادی کا حاشیہ بر ''النکت علی کتاب ابن الصلاح'' ۱/۴۴۲۔

۲)...... دیکھئے تعلیقات استاد عبدالفتاح ابوغدہ بر اعلاء السنن: ۵۳۔

۳)...... قال الشوكانى فى نيل الأوطار: ''وماسكتا (أى ابوداؤد والمنذرى) عليه جميعا فلاشك أنه صالح للاحتجاج إلافى مواضع يسيرة قد نبهت على بعضها فى هذا الشرح'' نيل الأوطار: ۱/۳۳۔

پر کلام نہیں کیا ہے۔(۱) تو مطلب یہ ہوا کہ ان چار حضرات کے سکوت کے بعد وہ روایت قابل احتجاج ہوسکتی ہے، البتہ یقین سے نہیں کہا جاسکتا کہ ابوداؤد کی تمام ضعیف روایات کی نشاندہی کردی گئی ہے، اوراب کسی کو ان کے متعلق تحقیق وتفتیش کا حق نہیں بلکہ ہر محقق عالم کو یہ حق حاصل ہے کہ تمام اصول وقواعد کو مدنظر رکھ کر ان کے متعلق کوئی رائے قائم کرے چنانچہ ابوداؤد کے شروع میں ایک حدیث ہے: عن الحسن بن ذکوان عن مروان الصفر قال:" رأيت ابن عمر أناخ راحلته مستقبل القبلة ثم جلس يبول إليها الخ"(۲)۔

امام بوداؤد، شوکانی، منذری نے اس پر سکوت کیا ہے، ابن حجر نے بھی کوئی کلام نہیں کیا ہے، البتہ فتح الباری میں اس کو حسن قرار دیا ہے، ان تمام حضرات کے سکوت کے بعد حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری علیہ الرحمۃ والغفران نے اس پر زبردست کلام کیا ہے وہ فرماتے ہیں:

"سكوت المحدثين عليه وقول الحافظ: إسناده حسن، عجيب، فإن حسن بن ذكوان راوى الحديث ضعفه كثير من المحدّثين، فكيف يصلح للاحتجاج به، فقد قال ابن معين وأبو حاتم: ضعيف، وقال أبو حاتم والنسائى أيضاً: ليس بالقوى، قال يحيى بن معين: منكر الحديث وضعّفه، وقال ابن أبي الدنيا: ليس عندى بالقوى، وقال أحمد: أحاديثه أباطيل"(۳)۔

ابن سید الناس نے روایات ابوداؤد کے متعلق آراء علماء کو رد کیا ہے ان کا کہنا ہے

---

۱)......ابن قیم کہتے ہیں: وزدت عليه (أي على مختصر سنن أبي داؤد للمنذری) من الكلام على علل سكت (أى المنذرى) عنها أولم يكملها" شرح مختصر سنن أبى داؤد المطبوع مع معالم السنن: ۱۱/۹۔

۲)......ابوداؤد: ۱/۲، باب كراهية استقبال القبلة عند قضاء الحاجة۔

۳)......بذل المجهود: ۱/۲۹، باب كراهية استقبال القبلة عند قضاء الحاجة۔

کہ امام مسلمؒ اور امام ابوداؤدؒ کی شرائط ایک جیسی ہیں۔ امام مسلمؒ نے فرمایا تھا کہ رواۃ کے تین طبقے ہیں؛ ایک وہ جو حفظ وعدالت کے اعلیٰ درجہ پر فائز ہے، دوسرا وہ جو صرف عدالت میں پہلے طبقہ کے برابر ہے اور تیسرا ضعفاء ومجاہیل کا طبقہ ہے اور ہم صرف پہلے دو طبقے کی روایات کو لائیں گے، امام ابوداؤد نے بھی یہی فرمایا ہے کہ وہ صحیح یعنی طبقہ اولیٰ وما یشبھہ اویقاربہ یعنی طبقہ ثانیہ کی روایت کو لائیں گے، اوران کی کتاب کے مطالعہ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے صرف طبقہ اولیٰ اور ثانیہ کی روایات کو درج کیا ہے اور طبقہ ثالثہ کی روایات کو نظر انداز کیا ہے، البتہ اتنی بات ہے کہ امام مسلمؒ نے اپنی کتاب میں صحیح کی شرط لگائی ہے اور وہ صرف صحیح احادیث کی تخریج فرماتے ہیں، بخلاف امام ابوداؤد کے کہ وہ حدیث ضعیف کو بھی لیتے ہیں اور ان کا ضعف بھی بیان فرماتے ہیں اور احادیث ضعیفہ کو جاننا بھی اپنی جگہ بہت اہم چیز ہے(۱)۔

حافظ ابن حجر نے حافظ صلاح الدین علائی کی طرف سے اس اعتراض کا جواب یہ دیا ہے، کہ امام مسلمؒ طبقہ اولی کی روایات کو اصالۃً اور طبقہ ثانیہ کی روایات کو متابعات میں ذکر کرتے ہیں اور امام ابوداؤدؒ دونوں کی روایات اصالۃً لاتے ہیں، لہذا دونوں کتابوں کے درمیان فرق واضح ہے(۲)۔

علامہ عراقی نے اس بات کا یوں جواب دیا ہے کہ امام مسلمؒ نے صحیح احادیث کا التزام کیا ہے، لہذا ہم ان کی کتاب کی کسی حدیث پر حسن کا حکم نہیں لگا سکتے، اس لیے کہ حسن کا درجہ صحیح سے کم ہے، بخلاف امام ابوداؤد کے کہ انہوں نے فرمایا ہے: ''ماسکت عنه فهو صالح'' اور صالح میں صحیح اور حسن دونوں داخل ہیں اور احتیاطاً حسن ہی مراد لیا جاوے گا

---

۱)......تدریب الراوی: ۱/ ۱۶۸، النکت علی کتاب ابن الصلاح: ۱/ ۴۳۲۔

۲)......النکت علی کتاب ابن الصلاح: ۱/ ۴۳۳۔

جب تک کہ صحیح ہونے کا یقین نہ ہو(۱) بعض حضرات نے یہ جواب دیا ہے کہ دراصل امام مسلمؒ نے رجال کے تین طبقے بتائے ہیں اور امام ابوداوٗد نے متون حدیث کی تین قسمیں بنائی ہیں یعنی امام مسلمؒ کی تقسیم رجال سے متعلق ہے اور امام ابوداوٗد کی تقسیم متن حدیث سے اور یہ ہوسکتا ہے کہ کوئی حدیث متن کے اعتبار سے صحیح ہو اور وہ امام ابوداوٗد کی شرط پر پوری اترتی ہو، لیکن اس کے بعض رجال ضعیف ہوں جس کی وجہ سے امام مسلم اس کو رد کرتے ہیں(۲)۔

بعض علماء نے کہا ہے کہ امام مسلمؒ رواۃ کے پانچ طبقات میں سے طبقہ اولی اور ثانیہ کی روایت کو اصالۃ اور طبقہ ثالثہ کی روایات کو متابعات میں ذکر کرتے ہیں اور امام ابوداوٗد تینوں کی روایات کو اصالۃ لاتے ہیں، لہذا دونوں میں فرق واضح ہے، بعض نے کہا کہ امام ابوداوٗد کے قول سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ضعف غیر شدید کے بیان کا التزام نہیں فرماتے، لہذا ان کی کتاب کا درجہ مسلم سے کم ہے(۳)۔

سنن ابوداوٗد میں کوئی حدیث ثلاثی نہیں

نواب صدیق حسن خان نے لکھا ہے کہ سنن ابوداوٗد میں ایک حدیث ثلاثی ہے جو اس سند و متن کے ساتھ مروی ہے: حدثنا مسلم بن إبراهيم حدثنا عبدالسلام بن أبي حازم أبوطالوت قال: شهدت أبابرزة دخل على عبيدالله بن زياد فحدثني فلان

---

۱)......تدریب الراوی: ۱/ ۱۶۹، النکت علی کتاب ابن الصلاح: ۱/ ۴۳۲۔

۲)......تدریب الراوی: ۱/ ۱۶۹۔

۳)......دیکھئے محولہ بالا۔

(ا) سماه مسلم وكان في السماط فلما رآه عبيدالله قال: إن محمد يكم هذا الدحداح، ففهمها الشيخ فقال: "ماكنت أحسب أني أبقى في قوم يعيروني بصحبة محمد صلى الله عليه وسلم" فقال له عبيدالله: إن صحبة محمد صلى الله عليه وسلم لك زين غير شين، ثم قال: إنما بعثت إليك لأسئلك عن الحوض سمعت رسول الله صلي الله عليه وسلم يذكر فيه شيئاً قال: فقال أبو برزة: "نعم لامرة ولا ثنتين ولا ثلاثاً ولا أربعا ولا خمسة فمن كذب به فلاسقاه الله منه،.ثم خرج مغضباً"۔

بقول نواب صاحب کے اس حدیث میں امام ابوداؤداور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان تین واسطے ہیں؛ ایک مسلم بن ابراہیم، دوسرا عبدالسلام اور تیسرا ابوبرزۃ، لہذا یہ حدیث ثلاثی ہے، لیکن نواب صاحب کی یہ بات نظر سے خالی نہیں اس لیے کہ عبدالسلام نے صرف یہ کہا کہ میں نے حضرت ابوبرزۃ کو عبیداللہ کے پاس جاتے ہوئے دیکھا، باقی ان دنوں کے درمیان جو گفتگو ہوئی اس کو ابوطالوت ازخود نقل نہیں کرتے بلکہ ایک دوسرے شخص (جس کا نام امام ابوداؤد کو یاد نہیں رہا) سے نقل کرتے ہیں تو گویا واسطے چار ہوگئے نہ کہ تین۔

حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری نوراللہ مرقدہ بھی اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بذل المجہود میں فرماتے ہیں :(شهدت أبابرزة دخل على عبيدالله بن زياد)...... ولم أدخل معه على عبيدالله بن زياده فلم أسمع الحديث من غير

ا)...... قال الحافظ: "عبدالسلام بن أبي حازم، حدثني فلان، عن أبي هريرة، هو عمه، ولم أقف على اسمه" التقريب باب المبهمات (بترتيب من روى عنهم) ص٧٣٥۔ وقد أخرج الإمام أحمد في مسنده حديث الحوض هذا برواية عبدالسلام أبي طالوت، فسماه فيه من حدثه وهو العباس الجريري: انظر مسند الإمام أحمد:٤/٤٢٤۔

واسطة (۱)۔

علامہ شمس الحق عظیم آبادی لکھتے ہیں: ”ولم يكن عبدالسلام حاضراً مع أبي برزة فلم يسمع من أبي برزة نفسه ماجرىٰ بين أبي برزة وبين عبيدالله بن زياد“ (۲)۔

سنن ابوداوُد کے نسخے

سنن ابوداوُد کے متعدد نسخے ملتے ہیں، حضرت مولانا شاہ عبدالعزیزؒ فرماتے ہیں کہ اس کتاب کے تین نسخے مشہور ہیں، بلادِ مشرق میں نسخہ لولوی مشہور ہے۔ یہ ابوعلی محمد بن احمد بن عمرو، بصری لوُلوی کا نسخہ ہے، جو بیس سال تک امام صاحب کی خدمت میں سنن پڑھتے رہے ان کو وراق ابوداوُد بھی کہا جاتا ہے (۳) انہوں نے سنہ ۳۳۳ھ میں وفات پائی (۴)۔

بلادِ مغرب میں نسخہ ابن داسہ کی شہرت ہوئی یہ نسخہ ابوبکر محمد بن بکر بن محمد بصری کا ہے ان کی وفات ۳۴۶ھ میں ہوئی ہے (۵) تیسرا نسخہ ابن الاعرابی کا ہے ان کا پورا نام ابو سعید احمد بن محمد بن زیاد بصری ہے، ان کی ولادت سنہ ۲۴۰ھ کے بعد ہے اور ۳۴۰ھ میں وفات پائی ہے (۶) ابوعلی لوُلوی کا نسخہ اصح النسخ سمجھا جاتا ہے، کیونکہ انہوں نے ۲۷۵ھ میں

۱)......بذل المجہود: ۱۸/ ۲۸۷۔

۲)......عون المعبود: ۱۳/ ۸۳۔۸۴۔

۳)......والورّاق فی لغۃ اہل البصرۃ: القاری للناس، سیر اعلام النبلاء: ۱۵/ ۳۰۷۔

۴)......سیر اعلام النبلاء: ۱۵/ ۳۰۸۔

۵)......سیر اعلام النبلاء: ۱۵/ ۵۳۸۔

۶)......سیر اعلام النبلاء: ۱۵/ ۴۱۰۔

امام ابوداوٗد سے روایت کیا ہے اور یہ آخری املاء ہے جو کہ امام صاحب نے کرایا ہے (۱) ابن الاعرابی کے نسخے میں کافی کمی پائی جاتی ہے، چنانچہ اس میں کتاب الفتن کتاب الملاحم، کتاب الحروف اور کچھ حصہ کتاب اللباس کا موجود نہیں۔ (۲) علامہ ذہبیؒ نے لوٗلوٗی کا قول نقل فرمایا ہے: ''والزیادات التی فی روایة ابن داسة، حذفها أبو داؤد آخراً لأمر رأيه فی الإسناد'' (۳) جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن داسہ کے نسخہ میں بنسبت نسخہ لولوی کے کچھ زیادتی موجود ہے، اگرچہ ان دونوں میں زیادہ تر اختلاف تقدیم وتاٗخیر کا ہے، سنن ابوداوٗد کے رواۃ کی فہرست میں ان کے علاوہ ابوطیب احمد بن ابراہیم بن اشنانی بغدادی، ابوعمرو احمد بن علی بن حسن بصری، اسحاق بن موسیٰ رملی (وراق ابوداوٗد)، علی بن حسن بن عبدانصاری، ابواسامہ محمد بن عبدالملک وغیرہ کے نام بھی ملتے ہیں (۴)۔

سنن ابوداوٗد اہل فن کی نظر میں

سنن ابوداوٗد کی سب سے بڑی قابل فخر خوبی یہ ہے کہ حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے اس کی تعریف وتحسین فرمائی ہے (۵)۔

ابن سبکی اپنے طبقات میں لکھتے ہیں: ''هی من دواوین الإسلام والفقهاء

---

۱)......سیر اعلام النبلاء: ۱۳/ ۲۰۶ (حاشیہ)

۲)......مقدمہ تحفۃ الاحوذی: ۶۲۔

۳)......سیر اعلام النبلاء: ۱۵/ ۳۰۷۔

۴)......تہذیب الکمال: ۱۱/ ۳۶۰-۳۶۱ وسیر اعلام النبلاء: ۱۳/ ۲۰۵-۲۰۶۔

۵)......تہذیب الکمال: ۱۱/ ۳۶۳۔

لایتحاشون من إطلاق لفظ الصحیح علیها وعلی سنن الترمذی"(۱)۔

حسن بن محمد بن ابراہیم کا بیان ہے کہ میں نے ایک رات جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا، وہ ارشاد فرما رہے تھے کہ جو شخص سنتیں سمجھ کر ان پر عمل کرنا چاہے تو سنن ابوداود کا مطالعہ کرے۔ یحیی بن زکریا ساجی کا قول ہے: "أصل الإسلام کتاب اللّٰہ وعمادہ سنن أبی داؤد" ابن الاعرابی فرماتے ہیں کہ اگر کسی کو کتاب اللہ اور سنن ابوداود کا علم حاصل ہوجائے (تو مقدمات دین میں) اسے کسی اور چیز کی ضرورت نہ ہوگی۔

علامہ نووی فرماتے ہیں کہ علم فقہ میں دلچسپی لینے والوں کے لیے ضروری ہے کہ سنن ابوداود کے اچھی طرح سمجھ کر اس کی معرفت حاصل کریں، اس لیے کہ احادیثِ احکام کا ایک بہت بڑا ذخیرہ اس میں موجود ہے (۲)۔

علامہ خطابی فرماتے ہیں کہ سنن ابوداود ایسی شاندار و جاندار کتاب ہے کہ اس کی مثال ملنا مشکل ہے، تمام لوگوں کے درمیان مشہور و مقبول اور علماء کے اختلافی مسائل میں حَکَم ہے، سب اس کی طرف رجوع کر کے خوشہ چینی کرتے ہیں، اگرچہ اہل خراسان صحیحین کے گرویدہ ہیں جو ترتیب اور کثرت مسائل فقہیہ کے لحاظ سے سنن ابوداود پر فائق ہے (۳)۔

امام صاحب خود اپنی کتاب کے بارے میں یہ فرماتے ہیں:

''لا اعلم شیئاً بعد القرآن ألزم للناس أن یتعلموا من ھذا الکتاب،

۱)......الحطۃ فی ذکر صحاح الستۃ: ۳۴۶، کشف الظنون: ۴/۱۰۰۴۔

۲)......تمام اقوال کے لیے دیکھیے، الحطہ فی ذکر صحاح الستۃ: ۲۴۵-۲۴۶۔ ومقدمۃ تحفۃ الاحوذی: ۶۱، بستان المحدثین: ۲۸۷۔

۳)......دیکھیے مختصر سنن ابوداود: ۱۰۔

ولا يضر رجلاً أن لا يكتب من العلم بعد مايكتب هذا الكتاب شيئاً، وإذا نظر فيه وتدبره و تفهمه حنيئذٍ يفهم قدره"۔

میرے خیال میں قرآن حکیم کے بعد سب سے زیادہ ضرورت اس کتاب کے سیکھنے کی ہے اگر کوئی آدمی حدیث کی دوسری تمام کتابیں چھوڑ کر صرف اس کتاب کے لکھنے پر اکتفا کرے تو اس کے لیے کافی ہے، اس کی قدر وہی جانے گا جو اس میں غور وخوض کرے گا (۱)۔

حافظ محمد بن مخلد دوری کا قول ہے:

"لما صنف (أبوداؤد) السنن وقرأه على الناس، صار كتابه لأهل الحديث كالمصحف يتبعونه"(۲)۔

شروح وحواشی ومختصرات

سنن ابوداؤد پر کافی شروح وتعلیقات لکھی گئی ہیں، جن سے اس کتاب کا حسن قبول واضح ہو جاتا ہے ان میں سے چند کا تعارف درج ذیل ہے۔

(۱) معالم السنن از ابوسلیمان احمد بن محمد بن ابراہیم خطابی م ۳۸۸ھ۔

(۲) عجالۃ العالم من المعام از ابومحمود احمد بن محمد مقدسی م ۷۶۵ھ، یہ معالم السنن کی تلخیص ہے۔

(۳) المجتبیٰ از زکی الدین عبدالعظیم بن عبدالقوی المنذری م ۶۵۶ھ۔

(۴) زہر الربیٰ علی المجتبیٰ از علامہ سیوطی ۹۱۱ھ یہ علامہ منذری کی کتاب "المجتبیٰ"

---

۱)...... مقدمہ بذل المجہود:۳۶۔

۲)......تہذیب الکمال:۱۱/ ۳۶۵۔

کی شرح ہے۔

(۵) شرح مختصر سنن ابوداوٗد از ابن قیمؒ الجوزیہ م ۷۵۱ھ، یہ بھی المجتبیٰ کی شرح وتہذیب ہے۔

(۶) مرقاۃ الصعود از سیوطی م ۹۱۱ھ۔

(۷) درجاۃ مرقاۃ الصعود از علی بن سلیمان الدمنتی م ۱۳۰۶ھ، یہ علامہ سیوطی کی کتاب کی تلخیص ہے۔

(۸) شرح سنن ابوداوٗد از علامہ نووی م ۶۷۶ھ۔

(۹) شرح ابوداوٗد از قطب الدین ابوبکر بن احمد م ۷۵۲ھ۔

(۱۰) شرح سنن ابوداوٗد حافظ علاء الدین مغلطای بن قلیج م ۷۶۲ھ، ناتمام۔

(۱۱) انتماء السنن واقتفاء السنن از شہاب الدین ابومحمد بن محمد بن ابراہیم المقدسی م ۷۶۵ھ۔

(۱۲) شرح سنن ابوداوٗد از سراج الدین عمر بن علی بن الملقن شافعی م ۸۰۴ھ۔

(۱۳) شرح سنن ابوداوٗد از ابوزرعہ احمد بن عبدالرحیم عراقی م ۸۲۶ھ ۷ جلدوں پر مشتمل ہے، صرف باب سجود السہو تک ہے۔

(۱۴) شرح سنن ابوداوٗد از شہاب الدین احمد بن حسن رملی مقدسی م ۸۴۴ھ۔

(۱۵) شرح سنن ابوداوٗد از علامہ بدرالدین عینی م ۸۵۵ھ۔

(۱۶) شرح سنن ابوداوٗد از شہاب الدین رسلان۔

(۱۷) فتح الودود از ابوالحسن عبدالہادی سندھی م ۱۱۳۹ھ۔

(۱۸) بذل المجہود از مولانا خلیل احمد سہارنپوری م ۱۳۴۶ھ۔

(۱۹) انوار المحمود، یہ حضرت شیخ الہند اور شاہ صاحب کی تقاریر کا مجموعہ ہے۔

(۲۰) التعلیق المحمود از مولانا فخر الحسن گنگوہی (م ۱۳۱۵)۔

(۲۱) فلاح و بہبود از مولانا محمد حنیف گنگوہی۔

(۲۲) الھدی المحمود از وحید الزمان بن مسیح الزمان۔

(۲۳) غایۃ المقصود از شمس الحق ابوطیب عظیم آبادی لکھنوی (م ۱۳۲۹ھ)۔

(۲۴) عون المعبود از شیخ محمد اشرف۔ یہ غایۃ المقصود کی تلخیص ہے البتہ اس کی جلد پر شمس الحق صاحب کا نام ہے اور اس کی آخری عبارت سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے خود اپنی شرح کی تلخیص کی ہے۔

(۲۵) المنہل المورود۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ (۱)

نسب ونسبت

محمد بن عیسیٰ بن سورة بن موسیٰ الضحاك، بعض نے نسب یوں بیان کیا ہے: "محمد بن عیسیٰ بن یزید بن سورة بن السّکن" (۲) بعض اس طرح بیان کرتے ہیں: "محمد بن عیسیٰ بن سورة بن شداد بن عیسیٰ (۳) ابو عیسیٰ السّلَمِیّ، الترمذی، البوغی، الضریر".

بوغ شہر ترمذ سے چھ فرسخ کے فاصلے پر واقع ایک قریہ کا نام ہے، امام ابو عیسیٰ اسی قریہ میں رہتے تھے اس لیے اس کی طرف نسبت کر کے بوغی کہا جاتا ہے اور چونکہ بوغ شہر ترمذ کے مضافات میں ہے تو اس کی طرف نسبت کر کے ترمذی بھی کہا جاتا ہے، البتہ لفظ ترمذ کے تلفظ و کیفیت میں قدرے اختلاف ہے، تَرمِذ، ترمِذ، تُرمُذ، تین طرح سے پڑھا گیا ہے (۴) علامہ سمعانی کہتے ہیں کہ میں بارہ دن اس شہر میں رہا، وہاں کے لوگ تَرمِذ بولتے

۱)...... امام ترمذیؒ کے حالات کے لیے دیکھئے: سیر اعلام النبلاء: ۱۳/۲۷۰، وفیات الاعیان: ۴/۲۷۸، تہذیب الکمال: ۹/۳۸۷، الانساب: ۱/۴۱۵ فی نسبۃ "البوغی" وفی صفحہ ۴۵۹ فی نسبۃ الترمذی، معجم البلدان: ۱/۵۱۰ فی بیان بوغ ومجلد: ۲/۲۶ فی بیان ترمذ۔

۲)...... دیکھئے تہذیب الکمال: ۲۶/۲۵۰۔

۳)...... الانساب ۱/۴۱۵ و۴۵۹، البدایۃ والنہایۃ: ۱۱/۶۶۔

۴)...... الانساب: ۱/۴۵۹، معجم البلدان: ۲/۲۶، وفیات الاعیان: ۴/۱۹۶۔

تھے۔(۱) یہ دونسبتیں آپ کی مشہور ہیں باقی چونکہ آپ کا تعلق قبیلہ سُلَم سے ہے تو سلمی بھی کہتے ہیں، آخر عمر میں آپ نابینا ہوگئے تھے اس لیے ضریر بھی کہا جاتا ہے۔

ابوعیسیٰ کنیت رکھنا

حدیث میں ابوعیسیٰ کنیت رکھنے کی ممانعت ہے، مصنف ابن ابی شیبہ میں روایت ہے:"عن موسی بن علی عن أبيه أن رجلاً اكتنى بأبي عيسىٰ، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن عيسىٰ لاأب له"(۲)۔

اسی طرح حضرت عمرؓ اپنے ایک صاحبزادے پر اس وجہ سے غصہ ہوئے کہ اس نے اپنی کنیت ابوعیسیٰ رکھی تھی، حدیث میں اس ممانعت کی وجہ اور حکمت کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کوئی باپ نہیں تھا، لہذا اگر کوئی ابوعیسیٰ کنیت رکھتا ہے اس سے فسادِ عقیدہ کا شبہ پیدا ہوتا ہے(۳) اب سوال یہ ہے کہ جب حدیث میں ممانعت موجود ہے تو امام ترمذی نے اپنی کنیت ابوعیسیٰ کیوں رکھی، بعض نے کہا کہ شاید یہ روایت امام ترمذی تک نہ پہنچی ہو یا یہ کہ آپ نے خود یہ کنیت اختیار نہ کی ہو بلکہ ان کے باپ، دادا نے یہ کنیت رکھی ہو(۴)۔

دوسرے حضرات نے کہا کہ امام صاحب نے اس روایت کو خلاف اولیٰ پر حمل فرمایا ہوگا نہ کہ حرمت پر، لیکن یہ باتیں اس جبلِ علم وتقوی کی شان کے خلاف ہیں، حضرت

---

۱)......الانساب:۱/۴۵۹۔

۲)......دیکھئے مصنف ابن ابی شیبہ باب مایکرہ للرجل أن یکتنی بأبی عیسیٰ۔

۳)......دیکھئے بذل المجہود:۲۰/۱۹۸۔

۴)......حوالۂ بالا۔

مولانا محمد یوسف بنوریؒ نے فرمایا کہ امام ترمذی کی طرف سے ایک ہی اعتذار پیش کیا جا سکتا ہے جو حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ نے بیان فرمایا کہ سنن ابوداؤد میں حضرت شعبہ کی روایت سے ابوعیسیٰ کنیت رکھنے کا جواز ثابت ہوتا ہے(۱) روایت یہ ہے:

"عن زيد بن أسلم عن أبيه أن عمر بن الخطاب ضرب ابناله تكنى أباعيسىٰ، وإن المغيرة بن شعبة تكنى بأبي عيسىٰ، فقال له عمر: أما يكفيك أن تكنى بأبي عبدالله؟ فقال له: أنّ رسول الله صلى الله عليه وسلم كنّاني، فقال: انّ رسول الله صلى الله عليه وسلم قد غفرله ما تقدم من ذنبه وماتأخر، وإنا في جلجتنا، فلم يزل يكنى بابي عبدالله حتى هلك"۔(۲) حضرت عمرؓ نے اپنے لڑکے کو مارا جنہوں نے اپنی کنیت ابوعیسیٰ رکھی تھی، حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے بھی اپنی کنیت ابوعیسیٰ رکھی تھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کیا آپ کو ابوعبداللہ کی کنیت کافی نہیں؟ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اس کنیت کے ساتھ پکارا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام بھول چوک اللہ نے معاف فرمادی تھیں اور ہم تو ایک امر مضطرب میں مبتلا ہیں، پھر انہوں نے مرتے دم تک اپنی کنیت ابوعبداللہ ہی رکھی۔

تو گویا امام ترمذیؒ مصنف ابن ابی شیبہ کی روایت کو ابتدائے اسلام پر محمول کرتے ہیں جبکہ فساد عقیدہ کا شبہ تھا اور حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کی روایت بعد کی ہے اور اس سے جواز معلوم ہوتا ہے، حضرت شاہ عبدالعزیزؒ اس جواب سے بھی مطمئن نہیں ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ حضرت مغیرہ کے قول "كناني رسول الله صلى الله عليه وسلم" کے معنی یہ نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی کنیت ابوعیسیٰ رکھی بلکہ معنی یہ ہیں کہ مجھے اس کنیت

۱)......العرف الشذی المطبوع مع جامع الترمذی:۱/۲،معارف السنن:۱/۱۴۔

۲)......دیکھئے سنن ابی داؤد، كتاب الأدب، باب فيمن يتكنى بأبي عيسىٰ:۲/۳۲۲۔

سے پکارا، اور پھر حضرت عمرؓ کا جواب بھی حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کوئی غیر اولیٰ فعل کرتے تھے، بیان جواز کے لیے اور قاعدہ یہ ہے کہ رسول اگر کوئی غیر اولیٰ فعل کرے بیان جواز کے لیے، وہ فعل ان کے لیے مکروہ نہیں ہوگا بلکہ اس پر ثواب ملے گا، بخلاف عام لوگوں کے کہ ان کے حق میں کراہیت ختم نہیں ہوتی، خلاصہ یہ ہوا کہ ابوعیسیٰ کی کنیت رکھنے کی کراہت اب بھی موجود ہے، حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ختم نہیں ہوئی (۱)۔

حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ نے فرمایا کہ ہوسکتا ہے امام ترمذی کو یہ کنیت اس لیے پسند ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کو اس کے ساتھ پکارا ہے تو اس سنت پر عمل کرنے کے لیے انہوں نے اس کراہت کا ارتکاب کیا ہو (۲)۔

بعض حضرات نے کہا کہ احادیث نہی مرفوع متصل نہیں، ابن ابی شیبہ والی روایت مرسل ہے اور حضرت عمرؓ کا اثر کہ انہوں نے اپنے لڑکے کو مارا وہ بھی مرفوع کے حکم میں نہیں، لہٰذا بظاہر جواز ہی معلوم ہوتا ہے اور اگر حدیث کو مرفوع مان بھی لیا جائے تو اس میں ابوعیسیٰ کنیت رکھنے سے منع تو نہیں، بلکہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزاحاً ایک امر واقع کا بیان فرمایا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کا کوئی باپ نہیں ہے تو تم کہاں سے ابوعیسیٰ بن گئے! اس طرح کے مزاح احادیث میں وارد ہیں (۳) بہرحال شامی میں ہے: "لا ينبغي أن يسمى بهذا" (۴)۔

---

۱)......بستان المحدثین: ۲۹۴۔

۲)......بذل المجہود: ۲۰/ ۱۹۸۔۱۹۹۔

۳)......مقدمہ تحفۃ الاحوذی: ۱۷۰۔

۴)......ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ: ۶/ ۴۱۸ مطبوع ایچ ایم سعید کمپنی کراچی۔

ولادت، وفات

آپ کی ولادت ۲۰۹ھ میں ہوئی (۱) تاریخ وفات میں اکثر علماء کا قول یہ ہے کہ بروز دوشنبہ تیرہ رجب ۲۷۹ھ میں انتقال ہوا اور ترمذ ہی میں مدفون ہوئے۔ (۲) سمعانی نے لکھا ہے کہ ۲۷۵ھ میں قریہ بوغ میں انتقال ہوا۔ (۳) حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے تیرہ رجب کے بجائے سترہ رجب فرمایا ہے (۴) مشہور قول پہلا ہے اور اس کے مطابق کل عمر ستر سال بنتی ہے، کسی نے آپ کی عمر اور تاریخ وفات کو اس شعر میں ظاہر کیا ہے:

الترمذی محمد ذوزین

عطر وفاة عمره فی عین

عطر سے تاریخ وفات اور عین سے کل عمر کی طرف اشارہ ہے۔

کیا امام ترمذیؒ پیدائشی نابینا تھے؟

بعض حضرات نے کہا ہے کہ امام ترمذی پیدائشی نابینا تھے (۶) لیکن یہ بات غلط ہے بلکہ امام صاحب آخر عمر میں نابینا ہوئے تھے، حضرت شاہ عبدالعزیزؒ لکھتے ہیں: ''زہد

۱)......علامہ ذہبی فرماتے ہیں: ''ولد فی حدود سنة عشر ومئتین'' دیکھئے سیر اعلام النبلاء: ۱۳/۲۷۱۔

۲)...... سیر اعلام النبلاء: ۱۳/۲۷۷، البدایة والنهایة: ۱۱/۶۷، وفیات الاعیان: ۴/۲۷۸، تذکرة الحفاظ: ۲/۶۳۵۔

۳)......الانساب: ۱/۴۱۵، اس کے بعد صفحہ نمبر ۴۶۰ میں لکھتے ہیں: ''توفی بقریة بوغ سنة نیف و سبعین ومائتین احد قری ترمذ''۔

۴)......بستان المحدثین: ۲۹۳۔

۵)......العرف الشذی مطبوع مع جامع الترمذی: ۱/۲، معارف السنن: ۱/۱۴۔

۶)......سیر اعلام النبلاء: ۱۳/۲۷۰۔

وخوف بحدے داشت کہ فوق آن متصور نیست، بخوف الٰہی بسیار گریہ وزاری کرد، و نابینا شد"۔(۱) امام ترمذی کی خدا ترسی تصور انسانی سے بالاتر تھی، اللہ کے خوف سے روتے روتے نابینا ہو گئے، اسی طرح عمر بن علک کا بیان ہے: "بكى حتى عمي وبقي ضرير العينين"(۲)۔

تحصیلِ علم

امام ترمذیؒ نے تحصیل علم کے لیے خراسان، عراق، حجاز کی طرف سفر کیا اور وہاں کے علماء سے کسب فیض کیا، البتہ مصر اور شام تشریف نہیں لے گئے (۳)۔

حیرت انگیز حافظہ

اللہ تعالیٰ نے امام ترمذیؒ کو حیران کن قوت حافظہ عطا فرمائی تھی، علامہ ذہبی لکھتے ہیں: "قال أبو سعيد الإدريسي: كان أبوعيسىٰ يضرب به المثل في الحفظ"(۴) امام ترمذیؒ قوت حافظہ میں ضرب المثل تھے، اس کا اندازہ اس واقعہ سے بھی

---

۱)...... بستان المحدثین: ۲۹۰۔

۲)...... سیر اعلام النبلاء: ۲۷۳/۱۳، تذکرۃ الحفاظ: ۶۳۴/۲، تہذیب التہذیب: ۳۷۹/۹ میں راوی کا نام عمران بن علان آیا ہے، ابن کثیر لکھتے ہیں: "والذي يظهر من حال الترمذي أنه إنما طرأ عليه العمي بعد أن رحل وسمع وكتب وذاكر وناظر وصنف" البدایۃ والنہایۃ: ۶۷/۱۱، علامہ ذہبی فرماتے ہیں: "والصحيح أنه أضرفي كبره بعد رحلته وكتابته العلم" سیر اعلام النبلاء: ۲۷۰/۱۳۔

۳)...... سیر اعلام النبلاء: ۲۷۱/۱۳، تہذیب الکمال: ۲۵۱/۲۶۔

۴)...... سیر اعلام النبلاء: ۲۷۳/۱۳، تذکرۃ الحفاظ: ۶۳۴/۲۔

ہوسکتا ہے کہ امام ترمذیؒ نے ایک شیخ کی روایات کے دو جزء نقل کیے تھے، مکہ کے راستہ میں اسی شیخ سے ملاقات ہوئی، امام صاحب نے سوچا کہ کیوں نہ براہ راست شیخ سے سماعت کروں، درخواست لے کر شیخ کے پاس گئے، انہوں نے منظور کر کے کہا میں پڑھتا جاؤنگا اور آپ اپنے نسخہ میں مقابلہ کرتے جاؤ، اتفاق سے وہ دو جزء امام صاحب کے سامانِ سفر میں نہ ملے تو وہ سادہ کاغذ لے کر بیٹھ گئے، شیخ کی نظر پڑ گئی، بہت سخت ناراض ہوئے، امام صاحب نے واقعہ سنایا اور کہا کہ وہ دو جزء مجھے از بر یاد ہیں اور پھر شیخ کے کہنے پر سنانا شروع کیا، شیخ نے کہا کہ آپ پہلے سے یاد کر کے آئے ہو، امام ترمذیؒ نے کہا امتحان کر لیجئے، انہوں نے چالیس غریب حدیثیں امام ترمذیؒ کے سامنے پڑھیں، پھر اسی وقت امام صاحب نے بغیر کسی غلطی کے ان کو وہ سب حدیثیں سنا دیں!(۱)۔

جلالتِ قدر

حضرت امام بخاریؒ کو اپنے اس شاگرد رشید پر ناز تھا، وہ فرماتے ہیں: ''ما انتفعت بك أكثر مما انتفعت بی،،(۲)۔

علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ یہ بات بظاہر بعید نظر آتی ہے اس لیے کہ امام ترمذیؒ اگرچہ فن حدیث میں علم کے پہاڑ ہیں، لیکن امام بخاریؒ علم حدیث کی دنیا کا چمکتا ہوا سورج ہیں جو اپنی روشنی میں کسی کے محتاج نہیں تو اس قول کا مطلب یہ ہے کہ دوسرے تلامذہ کی بنسبت آپ نے مجھ سے زیادہ علم حاصل کیا اور ظاہر ہے کہ شاگرد جتنا علم حاصل کرے

---

۱)...... دیکھئے تذکرۃ الحفاظ:۲/۶۳۵، سیر اعلام النبلاء:۱۳/ ۲۷۳، تہذیب التہذیب :۹/ ۳۸۸، الانساب:۱/ ۴۱۵ بتغییر یسیر واللہ اعلم۔

۲)......تہذیب التہذیب:۹/ ۳۸۹۔

استاد کا فائدہ ہوتا ہے، چونکہ جس طرح شاگرد استفادہ کا محتاج ہے استاد بھی افادہ اور اپنے علم کی اشاعت کا ذمہ دار ہے، اگر شاگرد ذکی ہو تو اشاعتِ علم کا بہترین ذریعہ ہونے کے ساتھ دورانِ درس بھی ایسے سوالات کرتا ہے جو استاد کے لیے فائدہ سے خالی نہیں ہوتے (۱)
علامہ ابن حجرؒ نے ادریسی کا قول نقل کیا ہے: ''كان الترمذى أحد الائمة الذين يقتدى بهم فى علم الحديث'' (۲) امام ترمذی کے لیے ایک قابل فخر بات یہ بھی ہے کہ حضرت امام بخاریؒ نے ان سے دو حدیثیں سنی ہیں (۳)۔

ایک ابوسعید رضی اللہ عنہ کی روایت:

''أن النبى صلى الله عليه وسلم قال لعليّ: لايحل لأحد يجنب فى هذا المسجد غيرى و غيرك (۴) قال الترمذى: سمع منى محمد بن إسماعيل''، دوسری حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت سورہ ''حشر'' کی تفسیر میں (۵)۔

علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ امام بخاری کا اپنے شاگرد سے حدیث سننا کوئی تعجب کی بات نہیں، وہ خود فرمایا کرتے تھے: "لايكون المحدث محدثا كاملا حتى يكتب عمن هو فوقه، وعمن هو دونه وعمن هو مثله" (۶)۔

عمران بن علان کہتے ہیں:

امام بخاریؒ وفات پا گئے اور خراسان کی زمین میں اپنا ایک ہی جانشین چھوڑ گئے

---

۱)......العرف الشذی المطبوع مع جامع الترمذی: ۱/۲، معارف السنن: ۱/۱۵۔
۲)......تہذیب التہذیب: ۹/ ۳۸۸۔
۳)......تہذیب التہذیب: ۹/ ۳۸۷۔
۴)......اخرجہ الترمذی فی مناقب علی بن ابی طالب: ۲/۲۱۴۔
۵)......اخرجہ الترمذی فی تفسیر سورۃ الحشر: ۲/۱۶۶۔
۶)......عمدۃ القاری ۱/ ۸۔

ہیں جو علم و پرہیزگاری میں اپنی مثال آپ ہیں اور وہ امام ترمذی ہیں (۱)۔

امام ترمذیؒ ابن حزم کی نظر میں

ابن حزم نے اپنی کتاب ''الایصال'' میں امام ترمذیؒ کے بارے میں لکھا ہے: ''هو مجهول'' اور اپنی دوسری تصنیف میں لکھا ہے: "ومن محمد بن عيسىٰ بن سورة؟" (۲) ابن حزم کی اس تجہیل کو علماء نے بہت سخت رد کیا ہے (ابن حزم کا نام علی بن احمد بن سعید بن حزم اور کنیت ابو محمد ہے، ۳۸۴ھ میں شہر قرطبہ میں ان کی ولادت ہوئی اور ۴۵۶ھ میں وفات پائی) (۳)۔

حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں:

''كان واسع الحفظ جداً، إلا أنه لثقته بحافظته كان يهجم على القول في التعديل والتجريح وتبيين اسماء الرواة، فيقع له من ذلك أوهام شنيعة" (۴)۔

تاج الدین سبکی لکھتے ہیں:

ابن حزم ایک زبان دراز اور جرح وتعدیل میں بغیر کسی تحقیق کے اپنے گمان پر اعتماد کرتے ہوئے فیصلہ کرنے والے ہیں، اپنے الفاظ میں ائمۂ اسلام کو ہدف تنقید بناتے ہیں اور ان کی کتاب ''الملل والنحل'' تو شر الکتب ہے، اس کتاب میں انہوں نے امام

---

۱)...... تہذیب التہذیب: ۹/۳۸۹۔

۲)...... البداية والنهاية: ۱۱/۹۷، تہذیب التہذیب: ۹/۳۸۸، مقدمہ اعلاء السنن مع تعلیقات الشیخ عبدالفتاح: ۱/۱۶۵ مقدمۃ تحفۃ الاحوذی۔

۳)...... سیر اعلام النبلاء: ۱۸/۸۴؛ وفیات الاعیان: ۳/۳۳۵، تذکرۃ الحفاظ: ۳/۱۱۴۶، البدایۃ والنہایۃ: ۱۲/۹۱۔

۴)...... لسان المیزان: ۴/۱۹۸۔

ابوالحسن اشعری پر سخت تنقید کرتے ہوئے ان کو کفر کے کنارے تک پہنچا دیا اور ان کے بدعتی ہونے کا فیصلہ کیا، محققین نے اس کتاب کے مطالعہ سے منع کیا ہے(۱)۔

امام ترمذیؒ کا دفاع کرتے ہوئے علامہ ذہبی فرماتے ہیں:

''الحافظ العالم أبوعيسىٰ الترمذی صاحب " الجامع" ثقة مجمع عليه، ولا التفات إلى قول أبي محمد بن حزم فيه في الفرائض من كتاب " الإيصال": أنه مجهول، فإنه ماعرفه ولادری بوجود "الجامع" ولا "العلل" اللذين له"(۲)۔

حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں:

''ابن حزمؒ نے امام ترمذیؒ کے بارے میں لاعلمی کا اظہار کرکے اپنے مرتبہ ومقام کو اہل علم کے نزدیک پست کیا ہے، نہ کہ امام صاحب کے مقام ومنزلت کو''(۳)۔

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:

''کوئی یہ نہ سمجھے کہ ابن حزم امام ترمذیؒ کو جانتے نہیں تھے اور ان کی تصانیف وقوت حفظ کی اطلاع ان تک نہیں پہنچی تھی، بلکہ یہ اس آدمی کی عادت ہے جیسا کہ انہوں نے بہت سارے ثقہ حفاظ کے بارے میں اس جیسے جملے استعمال کئے ہیں، حالانکہ حافظ ابن فرضی (جو ابن حزم کے شہر کے ہیں) کی کتاب ''المؤتلف والمختلف'' میں امام ترمذی کی تعریف وتوثیق موجود ہے تو کیا ابن حزم نے اپنے شہر کے محقق ومصنف کی کتاب کا مطالعہ نہیں کیا؟''(۴)۔

---

۱)......طبقات الشافعیۃ الکبریٰ:۱/۴۳۔

۲)......میزان الاعتدال:۳/۶۷۸ ترجمہ محمد بن عیسیٰ۔

۳)......البدایۃ والنہایۃ:۱۱/۶۷۔

۴)......تہذیب التہذیب:۹/۳۸۸۔

شیوخ وتلامذہ

امام ترمذیؒ نے اپنے زمانے کے ہر خرمنِ علم سے خوشہ چینی کی، امام بخاری اور امام مسلمؒ جیسے ائمہ فن سے استفادہ کے ساتھ ساتھ ان کے بعض شیوخ میں بھی ان کے ساتھ شریک ہیں، جیسے قتیبہ بن سعید، علی بن حجر، محمد بن بشار، اسحاق بن راھویہ، ان کے تلامذہ میں ایک محمد بن احمد (۱) جو جامع کے رواۃ میں سے ہیں اور ہیثم بن کلیب (۲) جو شمائل کے رواۃ میں سے ہیں وغیرہ مشہور ہیں۔

تصانیف

جامع ترمذی کے علاوہ بہت سی کتابیں یادگار چھوڑ گئے ہیں، جیسے ''علل صغری'' جو جامع ترمذی کے ساتھ مطبوع ہے، ''علل کبری'' یہ نایاب ہے، ''شمائل النبی صلی اللہ علیہ وسلم''، یہ اپنے موضوع کی بہترین کتاب ہے اور اس کے پڑھنے میں بہت برکت ہے، شیخ عبدالحق اشعۃ اللمعات میں لکھتے ہیں:

''خواندن آن برای مہمات مجرب اکابراست'' یعنی مشکلات میں اس کا پڑھنا بزرگوں کا مجرّب ہے۔

---

۱)...... یہ ابوالعباس محمد بن احمد بن محبوب المحبوبی المروزی ہیں، ۲۶۵ھ میں امام ترمذی سے استفادہ کرنے آئے جبکہ آپ کی عمر ۱۶ برس کی تھی، ۳۴۶ھ میں ان کا انتقال ہوا، دیکھئے سیر اعلام النبلاء :۱۵/ ۵۳۷، شذرات الذہب: ۲/ ۳۷۳۔

۲)...... یہ ابوسعید الھیثم بن کلیب الشاشی الترکی اور المسند الکبیر کے مصنف ہیں، ۳۳۵ھ میں سمرقند میں انتقال ہوا، دیکھئے سیر اعلام النبلاء: ۱۵/ ۳۵۹، تذکرۃ الحفاظ: ۳/ ۸۴۸۔

"التاريخ، الزهد، الأسماء والكنى، الجرح والتعديل"(۱) بھی ان کی تصنیفات ہیں۔

مسلک

علامہ انورشاہ کشمیریؒ (۲) مولانا محمد یوسف بنوریؒ (۳) سید صدیق حسن خان (۴) نے امام ترمذیؒ کو شافعی کہا ہے، شیخ ابراہیم سندھی نے کہا کہ امام ترمذیؒ امام شافعی کے مقلد نہیں تھے بلکہ خود مجتہد تھے، اگرچہ اکثر مواقع میں ان کی تخریج امام شافعی کے مذہب سے ملتی جلتی ہے (۵) امام ابن تیمیہ نے ان کو اہل حدیث قرار دیا ہے (۶) اور حضرت شاہ ولی اللہ کی رائے میں یہ مجتہد منتسب الی احمد واسحاق ہیں (۷)۔

کتاب کا نام

جامع ترمذی میں اصناف ثمانیہ (سیر، آداب، تفسیر، عقائد، فتن، احکام، اشراط،

۱)......الأعلام: ۶/۳۲۲، البداية والنهاية: ۱۱/۶۶-۶۷۔
۲)......فیض الباری: ۱/۵۸، العرف الشذی: ۲۔
۳)......مقدمہ معارف السنن: ۲۲۔ قال صاحب "التحفة" معترضا على الشيخ أنورشاه: "أن الترمذي لم يكن مقلداً للشافعي ولا لغيره، ولهذا اعترض على تأويل الشافعي في "حديث الإبراد" فانه ليس من شأن المقلد الاعتراض على إمامه". انتهى. قال الشيخ محمد يوسف: "ياليت لو كان يعلم طبقات المقلدين ودرجاتهم والفروق بينهم، وياليت لو كان يعلم الفرق بين تقليد أكابر المحدثين من السلف، وبين تقليد المتأخرين" معارف السنن: ۲/۵۵،۵۶۔
۴)......ماتمس اليه الحاجة: ۲۵۔
۵)......ماتمس اليه الحاجة: ۲۵-۲۶۔
۶)......توجیہ النظر الی اصول الاثر: ۱۸۵۔
۷)......ماتمس اليه الحاجة: ۲۶۔

مناقب) موجود ہیں لہذا اس پر ''جامع'' کا اطلاق کیا جاتا ہے، صاحب کشف الظنون نے کہا کہ عموماً اس کی نسبت مؤلف کی طرف کی جاتی ہے اور ''جامع الترمذی'' کہا جاتا ہے (۱) (جس طرح صحاح ستہ کی دوسری کتابوں میں ہوتا ہے) اسی طرح یہ کتاب ابواب فقہیہ کی ترتیب پر ہے، لہذا اسے ''السنن'' بھی کہا جاتا ہے، حاکم اور خطیب نے جامع ترمذی پر صحیح کا اطلاق کیا ہے لیکن ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ یہ اطلاق تغلیبی ہے، وگرنہ اس میں احادیث ضعیفہ بھی موجود ہیں، لہذا اس پر تغلیباً ''الجامع الصحیح'' کا اطلاق بھی کیا جا سکتا ہے، لیکن پہلا نام زیادہ مشہور ہے۔

عادات امام ترمذی رحمہ اللہ

(۱) اکثر ابواب خصوصاً ابواب متعلقہ بالاحکام میں ایک ہی روایت لاتے ہیں اور اس باب کے تحت آنے والی باقی روایات کی طرف ''وفی الباب عن فلان وفلان'' سے اشارہ کرتے ہیں۔

(۲) جتنے صحابہ کی روایت پیش نظر ہوتی ہیں ''وفی الباب'' میں ان کی طرف اشارہ کرتے ہیں (۲) علامہ عراقی فرماتے ہیں کہ ''وفی الباب،، سے صرف اوپر والی حدیث کی طرف اشارہ نہیں بلکہ وہ تمام روایات پیش نظر ہیں جو باب میں آ سکتی ہیں۔(۳) بعد کے علماء و مصنفین نے ''وفی الباب'' کی روایات کی تخریج وتشریح پر کام کیا ہے، حافظ ابن حجر کی کتاب ''اللباب فیما یقولہ الترمذی وفی الباب'' اور علامہ عراقی کی ایک کتاب کا تذکرہ

---

۱)...... کشف الظنون: ۱/ ۵۵۹۔ مقدمہ تحفۃ الأحوذی: ۱۸۱۔

۲)...... نفع قوت المغتذی المطبوع مع جامع الترمذی: ۱/ ۲، الکوکب الدری: ۱/ ۳۳، مقدمہ تحفۃ الاحوذی: ۱۹۰۔

۳)...... تحفۃ الأحوذی ج ۱ ص ۹۔

ملتا ہے، حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ نے بھی اس سلسلہ میں اہم کام شروع فرمایا تھا اور اس کا نام لب اللباب تجویز فرمایا تھا، معارف السنن میں فرماتے ہیں:

"قد بدأت والحمد لله فی تألیف کتاب فی تخریج أحادیث ما فی الباب بنمط بدیع وأسلوب جید، ولوتمّ الکتاب لوقع فی جذر قلوب أولی الألباب"(۱)۔

(۳) کبھی مشہور حدیث کو ترجمہ کے تحت نہیں لاتے بلکہ دوسری غیر مشہور حدیث لاتے ہیں، پھر "وفی الباب" میں اس مشہور حدیث کی طرف اشارہ کرتے ہیں، اس طریق کار میں غیر مشہور حدیث سے واقف کرانا اور اس کی علتِ خفیہ یا متن کی کمی زیادتی پر متنبہ کرنا مقصود ہے(۲)۔

(۴) بالعموم امام ترمذیؒ کی عادت ہے کہ "وفی الباب" میں صحابہؓ کے اسماء مبارکہ کو ذکر کرتے ہیں، لیکن کبھی "عن فلان عن أبیه" کہتے ہیں، یہاں مقصود بالذکر باپ ہی ہوتا ہے لیکن بیٹے کا نام اس وجہ سے ذکر کرتے ہیں کہ اس صحابی سے سوائے ان کے بیٹے کے کوئی اور روایت کرنے والا نہیں ہے، مثلاً "باب ماجاء لاتقبل صلاة بغیر طهور" میں "وفی الباب عن أبی الملیح عن أبیه" کہا، یا "باب ماجاء فی الزکاة من التشدید" میں "وفی الباب عن قبیصة بن هلب عن أبیه" کہا، تو تنبیہ اس بات پر

---

۱)...... معارف السنن: ۱/۳۶، مزید فرماتے ہیں: "وأکبر عون علی تخریج مافی الباب بعد الصحاح "مسند أحمد بن حنبل" و"زوائد الهیثمی"، وکتب التخریجات، ومن أنفعها وأوسعها" نصب الرایة" للحافظ جمال الدین الزیلعی ثم " تلخیص الحبیر" للحافظ ابن حجر، انتهی۔

۲)...... نفع قوت المغتذی المطبوع مع جامع الترمذی: ۱/۲، مقدمہ تحفۃ الاحوذی: علامہ محمد یوسف بنوری فرماتے ہیں: "هذا غیر مطرد فی الأبواب، نعم تارة یکون الأمر هکذا" معارف السنن: ۱/۳۵۔

کرتے ہیں کہ اسامہ بن عمیر ھذلی بصریؓ(۱) ان کے بیٹے ابوالملیح کے علاوہ اور ھلب طائی (۲) سے ان کے بیٹے قبیصہ کے علاوہ اور کوئی روایت نہیں کرتا، کبھی ایسا ہوتا ہے کہ صحابی کے نام میں اختلاف ہوتا ہے تو التباس دور کرنے کے لیے بیٹے کا نام ذکر کرتے ہیں۔

(۵) عام طور پر جس صحابی کی روایت ذکر کرتے ہیں پھر دوبارہ ''وفی الباب'' میں ان کا ذکر نہیں ہوتا، لیکن بعض مقامات پر اس کے خلاف بھی موجود ہے، مثلاً ''باب حرمة خاتم الذهب'' میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت ذکر کی ہے: ''قال: نهاني رسول الله صلى الله عليه وسلم عن التختم بالذهب وعن لباس القسي''(۳)۔ پھر عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی روایت بیان کی ہے پھر "وفي الباب عن علي"فرمایا، علامہ عراقی فرماتے ہیں کہ ظاہر یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مذکورہ روایت کے علاوہ کسی دوسری روایت کی طرف اشارہ ہے، یعنی وہ روایت جسے امام احمد، ابوداؤد اور نسائی نے نقل کیا ہے: ''إن النبي صلى الله عليه وسلم أخذ حريراً فجعله في يمينه، وأخذ ذهبا فجعله في شماله، ثم قال: إن هذين حرام على ذكور أمتي''(۴)۔

(۶) امام ترمذیؒ جب کسی حدیث پر ''حسن وغریب'' کا حکم لگاتے ہیں تو عموماً

---

۱)...... ابن حجر تقریب التہذیب میں لکھتے ہیں: ''أسامة بن عمير بن عامر بن الأقيشر الهذلي، البصري، والد أبي المليح: صحابي، تفرد ولده عنه'' دیکھئے تقریب التہذیب:۹۸۔

۲)...... هلب، بضم أوله وسكون اللام ثم موحدة، الطائي صحابي، قيل: اسمه يزيد وهلب لقب، وفد على النبي صلى الله عليه وسلم وهو أقرع، فمسح رأسه فنبت شعره، سكن الكوفة، وروى عن النبي صلى الله عليه وسلم وعنه ابنه قبيصة، دیکھئے تقریب التہذیب:۵۷۴، تہذیب التہذیب:۱۱/۶۶۔

۳)...... دیکھئے جامع ترمذی، ابواب اللباس، باب کراهية خاتم الذهب:۱/۳۰۴۔

۴)...... مقدمہ تحفۃ الاحوذی:۱۹۱ والحدیث اخرجہ ابوداؤد فی کتاب اللباس باب فی الحریر للنساء:۲/۲۰۵۔

''حسن'' کو مقدم کرکے ''حسن غریب'' کہتے ہیں لیکن بعض مقامات پر اس کا عکس بھی کیا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ امام ترمذیؒ اجتماع وصفین کے وقت وصف غالب کو مقدم کرتے ہیں، اگر غرابت غالب ہو تو غریب کو مقدم کرتے ہیں اور اگر وصف حسن غالب ہو تو حسن کو مقدم لاتے ہیں (۱)۔

(۷) رواۃ کی جرح وتعدیل ذکر کرتے ہیں۔

(۸) راوی کے نام اور کنیت کی وضاحت کرتے ہیں۔

(۹) سلف کا تعامل بیان کرتے ہیں۔

(۱۰) ائمہ کے مذاہب پر تقریباً ہر باب میں تنبیہ کرتے ہیں۔

(۱۱) ترتیب عمدہ ہے تکرار بھی نہیں۔

(۱۲) امام ترمذی کی تمام روایات معمول بہا ہیں، امام صاحب کتاب العلل میں فرماتے ہیں: ''اس کتاب میں دو حدیثوں کے علاوہ کوئی حدیث ایسی نہیں جس پر امت میں کسی نہ کسی کا عمل نہ ہو، ایک حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ کی ہے ''جمع رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم بین الظھر والعصر بالمدینۃ'' اور دوسری حدیث: ''من شرب الخمر فاجلدوہ، فان عاد فی الرابعۃ فاقتلوہ'' (۲) یہ امام ترمذی کا اپنا خیال ہے ورنہ حنفیہ کے یہاں یہ دونوں حدیث معمول بہا ہیں، بایں طور کہ پہلی حدیث جمع صوری پر محمول ہے اور دوسری سیاست وتعزیر پر، تو گویا جامع ترمذی کی تمام روایات معمول بہا ہیں (۳)۔

---

۱)...... العرف الشذی المطبوع مع جامع الترمذی: ۱/۷، معارف السنن: ۱/۸۶۔

۲)...... العلل الصغری للترمذی المطبوع فی آخر جامع الترمذی: ۲/۲۳۳۔

۳)...... تفصیل کے لیے دیکھئے معارف السنن: ۲/۱۶۷، باب ماجاء فی الجمع بین الصلاتین، العرف الشذی المطبوع مع جامع الترمذی: ۲۳۳۔

(۱۴) امام ترمذیؒ احادیث کی اقسام بھی بیان فرماتے ہیں جیسے حسن، صحیح، ضعیف۔

تنبیہ

امام ترمذیؒ حدیث کی نوعیت تو بیان کرتے ہیں لیکن یہ بات ذہن نشین ہونی چاہیے کہ امام ترمذی تصحیح وتحسین میں متساہل ہیں (۱) اور بہت سی ضعیف روایات کو انہوں نے حسن قرار دیا ہے، ان میں سے چند درج ذیل ہیں۔

۱۔ حدیث كثير بن عبدالله عن أبيه عن جده:" أن النبى صلى الله عليه وسلم كبّر فى العيدين فى الأولىٰ سبعا قبل القراء ة وفى الآخرة خمسا قبل القراء ة" اس حدیث کے متعلق امام ترمذی فرماتے ہیں "حديث جد كثير حديث حسن، وهوأحسن شيئ روى فى هذا الباب"(۲) اوراپنی کتاب "العلل الكبرىٰ" میں لکھتے ہیں: "سالت محمدا عن هذا الحديث...... فقال: ليس شيئ في هذا الباب أصح منه، وبه أقول"(۳) امام ترمذیؒ نے اس حدیث کی تحسین کی ہے، حالانکہ

---

۱)......مقدمہ اعلاء السنن:۱/۱۱۶، مقدمۃ الکوکب الدری:۱/۱۷ مقدمہ تحفۃ الاحوذی:۱۷۱۔

۲)...... جامع الترمذی ابواب العیدین باب فی التکبیر فی العید:۱/۱۹ حضرت مولانا انور شاہ کشمیری لکھتے ہیں: "قال الحافظ أبو الخطاب بن دحية المغربى: إن أقبح الأحاديث التى أخرجها الترمذى وحسنها رواية كثير بن عبدالله فى تكبيرات العيدين وأما ابن دحية فمتكلم فيه، فقيل: إنه وضاع، ولكنى لا اسلمه، نعم إنه رجل غير مبالٍ" انتهى۔ دیکھئے العرف الشذی المطبوع مع جامع الترمذی:۱/۱۱۷۔

۳)......الکاشف وتعلیقاتہ: ج۲/۱۴۵ رقم ۴۶۷۳۔

اس کی سند میں کثیر بن عبداللہ ہیں جن کی اکثر محدثین نے تضعیف کی ہے۔

قال ابن معین: "لیس بشیئ، وقال الشافعی وأبوداؤد: رکن من أرکان الکذب وضرب أحمد علی حدیثه، قال الدارقطنی وغیره: متروك"(۱)۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: "أنکر جماعة تحسینه علی الترمذی"(۲)۔

۲۔اسی کثیر بن عبداللہ کی ایک اور روایت جامع ترمذی میں ہے۔

"إن رسول الله صلی الله علیه وسلم قال: الصلح جائز بین المسلمین إلاصلحا حرّم حلالا أو أحلّ حراما، والمسلمون علی شروطهم إلاشرطا حرّم حلالا أو أحل حراما"(۳) امام ترمذیؒ اس کی تحسین کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "هذا حدیث حسن صحیح"(۴)۔

حضرت مولانا انورشاہ کشمیریؒ نے فرمایا: "قال أحمد: "إنه لایساوی درهماً"(۵)۔

صاحب میزان الاعتدال لکھتے ہیں: "وأما الترمذی فروی عن کثیر بن عبدالله "الصلح جائز بین المسلمین" وصححه؛ فلهذا لایعتمد العلماء علی تصحیح الترمذی"(۶) البتہ یہ بات اپنی جگہ مسلم ہے کہ امام ترمذیؒ کے تساہل کے باوجود

۱)......میزان الاعتدال للذہبی:۳/۳۰۶۔

۲)......تلخیص الحبیر کتاب الصلاۃ:۲/۸۴۔

۳)......دیکھئے جامع ترمذی، أبواب الأحکام، باب ماذکر عن النبی صلی الله علیه وسلم فی الصلح بین الناس:۱/۲۵۱۔

۴)......محولۂ بالا۔

۵)......العرف الشذی المطبوع مع جامع الترمذی:۱/۲۵۰۔

۶)......میزان الاعتدال للذہبی:۳/۴۰۷۔

ان کی کتاب میں کوئی موضوع حدیث موجود نہیں۔

بعض اصطلاحات کی تشریح

ھذا حدیث صحیح

صحیح کی دو قسمیں ہیں

۱۔صحیح لذاتہ:''ماروا ہ العدل تام الضبط باتصال السند من غیر شذوذ ولا علۃ"۔

۲۔صحیح لغیرہ جس کے قصورِ ضبط کی تعدد طرق سے تلافی ہوگئی ہو۔

ہذا حدیث حسن

حسن کی بھی دو قسمیں ہیں

۱۔حسن لذاتہ: وہ حدیث ہے جس میں کوئی ایک راوی ضعیف الضبط ہو لیکن صحیح کی دوسری شرائط بدستور اس میں موجود ہوں۔

۲۔حسن لغیرہ: وہ ضعیف حدیث جو طرق متعددہ سے مروی ہو اور اس کا کوئی متابع موجود ہو(۱) امام ابن تیمیہؒ نے کہا ہے کہ''حدیث حسن''، امام ترمذی کی ایجاد ہے، ان سے پہلے جو محدثین تھے حدیث کی دو قسمیں بتاتے تھے، صحیح اور ضعیف (وأول ماعرف أنه قسم الحديث ثلاثة أقسام: صحيح و حسن وضعيف هو أبو عيسى الترمذي في جامعه)(۲)۔

---

۱)......تعریفات کے لیے دیکھئے: مقدمہ اعلاء السنن:۲۴۔

۲)......قاعدۃ جلیلۃ فی التوسل والوسیلۃ:۸۲، ومجموع الفتاوی:۱/۲۵۱۔

امام ابن تیمیہؒ کی یہ بات نظر سے خالی نہیں، اس لیے کہ امام ترمذیؒ کے استاذ حضرت امام بخاریؒ اور دوسرے محدثین جو امام ترمذی سے پہلے کے ہیں، نے بعض احادیث پر حسن کا حکم لگایا ہے، امام ترمذیؒ اپنی کتاب میں حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کرتے ہیں:

''إن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم قال: من زرع فی أرض قوم بغیر إذنهم، فلیس له من الزرع شیئ وله نفقته"(۱) اس کے بعد فرماتے ہیں: ''سالت محمد بن إسماعیل عن هذا الحدیث، فقال: هو حدیث حسن" اور بھی احادیث اس طرح کی ہیں۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ امام علی بن المدینی عموماً احادیث پر صحیح یا حسن کا حکم لگاتے ہیں بظاہر وہ حدیث حسن کے موجد ہیں، ان سے یہ اصطلاح امام بخاری نے اور امام بخاری سے امام ترمذی نے اخذ کی (۲) البتہ امام ترمذی یہ اصطلاح بہت استعمال کرتے ہیں، اس لیے ابن صلاح نے فرمایا: ''کتاب أبی عیسیٰ الترمذی أصل فی معرفة الحدیث الحسن"(۳)۔

ھذا حدیث حسن صحیح

امام ترمذی نے یہاں حسن اور صحیح کو جمع کر دیا ہے یہ جمع قابل اعتراض ہے اس

---

۱)......دیکھئے جامع ترمذی ابواب الاحکام، باب ماجاء من زرع فی ارض قوم بغیر اذنھم :۱/۲۵۳۔

۲)......دیکھئے النکت علی کتاب ابن الصلاح :۱/۴۲۶ ثم اعلم أن الحافظ قد ذکر بحثا مشبعا فارجعه إن شئت۔ النکت المجلد الأول من الصفحة ٤٢٤ إلی ٤٢٩۔

۳)......مقدمہ ابن الصلاح :۱۵۔۱۶ (مکتبہ فاروقی) ملتان۔

لیے کہ صحیح اور حسن میں تضاد ہے، صحیح میں حافظہ اعلیٰ درجے کا ہونا چاہیے اور حسن میں حافظہ کے اندر قصور ہوتا ہے، لہٰذا صحیح وحسن جمع نہیں ہوسکتے۔

ا۔ یہاں صحیح اور حسن کے اصطلاحی معنی مراد نہیں جو اعتراض کیا جائے بلکہ لغوی معنی مراد ہیں، یعنی "ماتميل إليه النفس وتستحسنه"(۱) لیکن یہ جواب غلط ہے، اول تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر حدیث ایسی ہوتی ہے جس کو نفس پسند کرتا ہے، پھر امام ترمذیؒ کا "ہذا حدیث حسن صحیح" کہنے کا کیا فائدہ؟

دوم یہ کہ اگر معنی لغوی مراد لیا جائے تو یہ بات موضوع اور ضعیف حدیثوں پر بھی صادق آئیگی (۲) کیونکہ جو آدمی موضوع یا ضعیف حدیث بناتا ہے تو وہ اس کا مضمون اچھا ہی بناتا ہے اور امام ترمذی موضوع اور ضعیف کے لیے یہ عنوان استعمال نہیں کرتے۔

سوم یہ کہ کتاب حدیث کی ہے اور باقی تمام اصطلاحات محدثین کی استعمال کر رہے ہیں پھر "حسن صحیح" میں اصطلاحِ قوم سے اعراض، اصول کے خلاف ہے (۳)۔

۲۔ علامہ ابن دقیق العید فرماتے ہیں کہ صحیح کو بشرط الشیٔ کے درجے میں لیا جائے یعنی اس میں کمالِ ضبط واتقان وعدالت وغیرہ کی رعایت رکھی جائے اور حسن کو لابشرط الشیٔ

---

۱)...... دیکھئے الکوکب الدری: ۱/۳۱، اسی طرح ابن الصلاح لکھتے ہیں: "إن المراد بالحسن فقط معناه اللغوی (دون الصحيح)" مقدمہ ابن الصلاح: ۱۹۔

۲)...... حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: "هذا الإلزام عجيب لأن ابن الصلاح إنما فرض المسألة حيث يقول القائل حسن صحيح، فحكمه عليه بالصحة يمنع معه أن يكون موضوعاً، قلت: هذا إذا كان الحسن فقط بالمعنى اللغوى، وأما إذا كان المراد بالصحيح أيضا معناه اللغوى (كماذكره الشيخ الجنجوهى) فالإيرادوارد"۔

۳)...... تینوں اعتراضات کا ذکر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی نے فرمایا ہے، دیکھئے: الکوکب الدری: ۱/۳۱۔

کے درجے میں لیا جائے، یعنی نہ قصورِ حافظہ کی قید ہو نہ کمال حافظہ کی تو اب ہر صحیح حسن ہو گی، لیکن ہر حسن صحیح نہیں ہو گی عموم خصوص مطلق کی نسبت ہو گی، لہذا دونوں جمع ہو جائینگے (۱) حافظ ابن حجرؒ نے بھی اس جواب کو پسند فرمایا (۲) لیکن یہ جواب بھی اس لیے مشکوک ہے کہ محدثین کی اصطلاح کے خلاف ہے، ان کی اصطلاح میں حسن میں قصورِ ضبط شرط ہے۔

۳۔ حافظ ابن کثیر نے فرمایا کہ حسن اور صحیح کے درمیان ایک متوسط درجہ ہے جسے حسن صحیح کہا جاتا ہے یعنی وہ روایت جس کے راوی میں ضبط کا نقصان اتنا نہ ہو جتنا حسن کے راوی میں ہوتا ہے اور اتنا کمال بھی نہ ہو جتنا صحیح کے راوی میں ہوتا ہے، یعنی بین بین ہو (۳) جیسے حلو میٹھا، حامض کھٹا اور حلو حامض کھٹا میٹھا، یہ جواب محل نظر ہے، کیونکہ یہ بھی اصطلاح محدثین کے خلاف ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ امام ترمذی نے حسن صحیح کا اطلاق کئی جگہ ان حدیثوں پر کیا ہے جو بالکل صحیح ہوتی ہیں تو اگر یہ جواب صحیح تسلیم کیا جائے تو وہ تمام حدیثیں جو عند المحدثین صحیح ہیں، امام ترمذی کے ہاں صحیح کے درجے سے گری ہوئی ہوں گی حالانکہ ایسا نہیں، یہ اعتراض علامہ زرکشی اور ابن حجر نے ابن کثیر پر کیا ہے (۴)۔

۴۔ علامہ زرکشی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہوتی ہے اور حسن کا لفظ بطور تاکید

---

۱)...... دیکھئے تدریب الراوی للسیوطی: ۱/۱۶۳۔

۲)...... حافظؒ فرماتے ہیں: "في الجملة أقوى الأجوبة ما أجاب به ابن دقيق العيد" دیکھئے النکت علی کتاب ابن الصلاح: ۱/۴۷۸، مولانا محمد یوسف بنوری لکھتے ہیں: "هذا الجواب هو الصواب عن شيخنا (الشيخ أنورشاه الكشميريؒ) وهو من أحسن ما أجيب به" دیکھئے معارف السنن: ۱/۴۴۔

۳)...... اختصار علوم الحدیث مع شرح الباعث الحثیث: ۳۶۔

۴)...... دیکھئے النکت علی کتاب ابن الصلاح: ۱/۴۷۷۔

کے بڑھا دیتے ہیں، اس پر یہ اعتراض ہے کہ تاکید بعد میں آیا کرتی ہے اور امام ''ترمذی حسن'' پہلے کہتے ہیں(۱)۔

۵۔علامہ زرکشی نے دوسرا جواب یہ دیا کہ محدث جب تک ضبط وعدالت کے اعلیٰ مقام تک نہیں پہنچتا اس کی حدیث حسن ہوتی ہے اور جب اس بلند مقام تک پہنچتا ہے اس کی حدیث صحیح کے درجے میں آجاتی ہے تو ''حسن صحیح'' کہنا دو مختلف زمانوں کے اعتبار سے ٹھیک ہے(۲)۔

۶۔ انہوں نے تیسرا جواب یہ دیا کہ وہ حدیث امام ترمذیؒ کی نظر میں حسن اور دوسرے محدثین کے نزدیک صحیح ہوتی ہے یا اس کا عکس ہوتا ہے، اس لیے امام ترمذیؒ دونوں کو ذکر کرتے ہیں (۳)۔

۷۔حافظ ابن حجر نے یہ جواب دیا ہے اگر حدیث ایک ہی سند سے مروی ہو تو راوی کے بارے میں مصنف کو تردد پیش آیا ہے کہ اس کو کامل الضبط قرار دیا جائے یا نہیں ،اس صورت میں عبارت کے اندر ''او'' مقدر ہوگا حسن او صحیح۔

۸۔اگر وہ حدیث کئی سندوں سے مروی ہے تو مطلب یہ ہوگا کہ ایک سند کے اعتبار سے حسن اور دوسری سند کے اعتبار سے صحیح ہے، تقدیر عبارت یہ ہوگی: حسن بسند

---

۱)......حافظ ابن حجرؒ یہ اعتراض کر کے لکھتے ہیں: "التاسيس أولى عن التاكيد" النکت علی کتاب ابن الصلاح:۱/۴۷۸۔

۲)......مقدمہ تحفۃ الاحوذی ص۲۰۰۔

۳)......محولۂ بالا۔

وصحیح بسند(۱)۔

هذا الحديث أصحّ شيء في هذا الباب وأحسن

اس عبارت کا یہ مطلب نہیں کہ اس باب کی تمام حدیثیں صحیح ہیں اور یہ حدیث ان میں زیادہ صحیح ہے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس باب میں تمام روایت شدہ احادیث میں سے یہ روایت ارجح ہے، چاہے تمام حدیثیں صحیح ہوں یا ضعیف(۲)۔

---

۱)...... "قال الحافظ: وإنى لأميل إليه (أى إلى هذا الجواب) وأرتضيه، قال المحشى: كيف يميل إليه الحافظ مع أنه يرد عليه ماذكر الحافظ (انه لوارادلآتى بالواوالتى للجمع أو أتى بأوالتى هى للتخيير أو الترديد ويتوقف ايضاعلى اعتبار الأحاديث التى جمع الترمذى فيها بين الوصفين، فان كان فى بعضها مالا اختلاف فيه عند جميعهم فى صحته، فيقدح فى الجواب" النكت:١/٤٧٧_٤٧٨، ثم اعلم أن الشيخ محمد يوسف البنوريؒ قال بعد نقل هذا الاعتراض: إن الحافظ ايضاً اختار هذا الجواب فى " شرح النخبة" وارتضاه وقوى جواب ابن دقيق العيد فى "نكته" فلعل ما أجاب به الحافظ فى شرح النخبة غير مرضى عنده أيضاً، وارى والله أعلم أن "نكته" آخر تاليفاً عن "شرح النخبة" انتهى معارف السنن:١/٤٣_٤٤ الحافظ ذكر الجوابين فى "نكته" فيمكن أن يكون كلاهما مرضيين عنده، لأنه قال: "جواب ابن دقيق العيد أقوى، ولا يلزم من هذا أن لا يكون الجواب الثانى قويا" وإن شئت تفصيل هذا البحث كله فانظر: النكت المجلد الأول من ص٤٧٥ إلى ٤٧٨، وتدريب الراوى١/ ١٦١ الى ١٦٤ ومقدمة فتح الملهم:١/٣١ ومعارف السنن:١/٤٣_٤٤ ومقدمة تحفة الأحوذى:٢٠٠_

۲)...... تدریب الراوی:١/٨٧_٨٨، فتح الملہم:١/٣١ شیخ عبدالفتاح ابوغدہ تعلیقات اعلاء السنن میں لکھتے ہیں:"وكثيراً مايطلق أهل الحديث هذه العبارة على أرجح الحديثين الضعيفين، وهو كثير فى كلام المتقدمين، ولو لم يكن اصطلاحاً لهم لم تدل اللغة على إطلاق الصحة عليه، فإنك تقول لأحد الحديثين هذا أصح من هذا، ولا يدل على أنه صحيح مطلقاً" مقدمه اعلاء السنن:١/٥٦_

ھو مقارب الحدیث

اگر لفظ مقارب کو بکسر راء (اسم فاعل) پڑھا جائے تو معنی یہ ہوگا "حدیثه یقارب حدیث غیرہ" اور اسم مفعول ہونے کی صورت میں معنی یہ ہوگا "حدیثه یقاربه حدیث غیرہ" اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ فرماتے ہیں: "أی یقارب حدیثه القبول أو الذھن" (۱) دونوں معنی قریب قریب ہیں، اور جمہور محدثین کے یہ الفاظ تعدیل میں سے ہے، علامہ سیوطی نے ابن سید کا قول نقل کیا ہے کہ اسم فاعل کی صورت میں یہ الفاظِ تعدیل سے ہے اور اسم مفعول کی صورت میں الفاظ تجریح میں سے ہے۔ (۲) اس کے الفاظ تعدیل میں سے ہونے کا ایک قرینہ یہ بھی ہے کہ امام ترمذی کئی جگہ "ثقة مقارب الحدیث" فرماتے ہیں (۳) مولانا محمد یوسف بنوریؒ فرماتے ہیں: "وغایة مایعبر عنه بأنه متوسط الحدیث" (درمیانی حدیث والا) "باللغة الأردیة" (۴)۔

ھذا حدیث مضطرب وھذا حدیث فیه اضطراب

۱۔ فی المتن فی السند۔

۲۔ اضطراب کی دو قسمیں ہیں۔

---

۱)......الکوکب الدری: ۱/۳۵۔

۲)......تدریب الراوی: ۱/۳۴۹۔

۳)......معارف السنن: ۱/۷۵۔

۴)......معارف السنن: ۱/۷۶: قال صاحب المعجم الوسیط فی مادة قرب: "قارب فلان فی أمورہ: اقتصد وترك المبالغة" المعجم الوسیط: ۷۲۳/۲ وفی مصباح اللغات قارب فی الأمر: غلو کو چھوڑ دینا اور میانہ روی اختیار کرنا۔

اضطراب فی السند یہ ہوتا ہے کہ حدیث کے راوی سند میں کمی بیشی کریں، کوئی تین اور کوئی چار واسطے بتائے یا ایک ہی راوی کے نام ونسب میں تبدیلی کرتے رہیں۔

اضطراب فی المتن یہ ہوتا ہے کہ متن حدیث میں تبدیلی یا کمی بیشی آ جائے۔

اضطراب کے تحقق کے لیے یہ ضروری ہے کہ اس حدیث کے طرق مختلفہ میں سے کسی ایک کو دوسرے پر ترجیح حاصل نہ ہو، اگر ایک طریق کو دوسرے پر ترجیح حاصل ہے پھر راجح اور مرجوح میں سے کوئی مضطرب نہیں، بلکہ طریق مرجوح کے راوی اگر ثقہ ہیں اسے شاذ اور اگر ضعیف ہیں اسے منکر کہا جائے گا، اضطراب فی السند کے بارے میں تفتیش کرنا محدث کا کام ہے، جبکہ فی المتن کی تحقیق مجتہد کرتا ہے اور اضطراب کا حکم یہ ہے کہ مورث ضعف ہوتا ہے(۱)۔

هذا حديث غير محفوظ

غیر محفوظ سے حدیث شاذ مراد ہے، یعنی وہ حدیث جس میں ثقہ راوی نے ثقات کی مخالفت کی ہو تو دوسرے ثقات کی روایت جو راجح ہیں اسے محفوظ اور متفرد ثقہ راوی کی روایت کو غیر محفوظ یعنی شاذ کہا جائے گا (۲) شاذ روایت غیر مقبول مردود ہے، البتہ شاذ کا اطلاق اس روایت پر بھی ہوتا ہے جس میں ثقہ راوی متفرد ہو لیکن وہ دوسرے ثقات کی مخالفت نہ کرے، اس لحاظ سے شاذ روایت مقبول ہے، شاذ غیر مقبول کی مثال وہ روایت ہے، جسے امام ترمذیؒ نے اضطجاع بعد رکعتی الفجر میں نقل کیا ہے۔

---

۱)...... تفصیل کے لیے دیکھئے مقدمہ ابن الصلاح: ۴۴ ونخبۃ الفکر مع شرحہ نزهۃ النظر: ۸۱، تدریب الراوی: ۲۶۲/۱، فتح الملہم: ۱۵۹/۱، معارف السنن: ۷۹/۱۔

۲)...... تفصیل کے لیے دیکھئے: نخبة الفكر مع شرحه نزهة النظر: ۴۹، تدریب الراوی: ۲۳۲/۱، مقدمہ ابن الصلاح: ۳۶۔
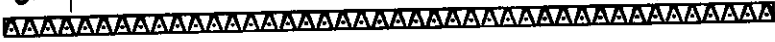
"حدثنا بشر بن معاذ العقدی ناعبدالواحد بن زیاد ناالأعمش عن أبی صالح عن أبی هریرة قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: إذا صلی أحدکم رکعتی الفجر فلیضطجع علی یمینه"(۱)۔

اس روایت میں عبدالواحد نے اعمش سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول نقل کیا ہے، حالانکہ اعمش کے دوسرے تلامذہ سب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل بیان کرتے ہیں(۲)۔

حافظ ابن حجرؒ عبدالواحد کے بارے میں لکھتے ہیں:

"فی حدیثه من الأعمش وحده مقال"(۳) اگر ضعیف راوی ثقہ کی مخالفت کرے تو اس کی روایت کو منکر اور ثقہ کی روایت کو معروف کہا جاتا ہے۔

هذا حدیث حسن غریب

امام ترمذیؒ علل صغری میں حدیث حسن کی اس طرح تعریف کرتے ہیں:

"کل حدیث یروی لایکون فی إسناده من یتهم بالکذب، ولایکون الحدیث شاذا، ویروی من غیر وجه نحو ذلك"(۴) اس تعریف کے پیش نظر امام ترمذیؒ کی رائے میں حدیث حسن میں تعدد طرق ضروری ہے اور حدیث غریب میں تعدد نہیں

---

۱)...... دیکھئے جامع ترمذی: ابواب الصلوة باب ماجاء فی الاضطجاع بعد رکعتی الفجر:۱/۹۶۔

۲)......تدریب الراوی:۱/۲۳۵۔

۳)......تقریب التهذیب:۳۶۷۔

۴)......کتاب العلل الصغری المطبوع مع جامع الترمذی:۲/۲۳۸۔

ہوتا بلکہ تفرد ہوتا ہے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ حدیث حسن اور غریب میں منافات ہے تو امام ترمذیؒ کس طرح ایک ہی حدیث پر حسن اور غریب کا حکم لگاتے ہیں؟

اس کا ایک جواب یہ ہے کہ امام ترمذی نے حسن کی جو تعریف کی ہے وہ حسن مطلق کی تعریف ہے، یعنی جبکہ اس کے ساتھ دوسرے اوصاف نہ ہوں اگر دوسرے اوصاف ساتھ ہیں پھر ان کے یہاں حسن میں تعدد طرق ضروری نہیں ہوتا (۱) مولانا انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ امام ترمذیؒ نے علل صغری میں غریب کی تین تعریفیں کی ہیں۔

۱۔ هو الذی لا یروی إلا من طریق واحد کما هو عند الجمهور۔

۲۔ ما یستغرب لزیادة تکون فی الحدیث، ولا تکون هی فی المشهور۔

۳۔ ما یستغرب لحال الإسناد و إن کان یروی من أوجه کثیرة (۲)

دوسری اور تیسری تعریف کے لحاظ سے حسن اور غریب جمع ہو سکتے ہیں ان میں کوئی منافات نہیں، منافات پہلی تعریف کے لحاظ سے ہے (۳)۔

مولانا بنوریؒ فرماتے ہیں کہ علامہ زرکشی نے بھی تقریباً ایسا ہی جواب دیا ہے اگرچہ انہوں نے امام ترمذیؒ کے کلام کا حوالہ نہیں دیا اور ابن حجر کی رسائی اس جواب تک نہ ہو سکی اور تفصیلات میں جانے لگے، حالانکہ حضرت شاہ صاحب کی بات بہت دلنشین ہے (۴)۔

هذا حدیث جید

علامہ ابن الصلاح کی رائے ہے کہ ''جید'' اور ''صحیح'' دونوں ایک ہی درجے کے

---

۱)......دیکھئے نخبة الفکر: ۴۴۔

۲)......کتاب العلل الصغری المطبوع مع جامع الترمذی: ۲/ ۲۳۸۔

۳)......العرف الشذی المطبوع مع جامع الترمذی: ۱/ ۷۔

۴)......تفصیل کے لیے دیکھئے معارف السنن: ۱/ ۸۶۔

دو نام ہیں، جامع ترمذی کتاب الطب میں ''ھذا حدیث جید حسن'' وارد ہوا ہے، عام محدثین کے نزدیک جید اور صحیح میں کوئی فرق نہیں لیکن ماہرین کا کہنا ہے کہ اس میں ایک باریک نکتہ ہے یعنی جو حدیث ''حسن لذاتہ'' کے درجے سے اعلیٰ اور صحیح سے ادنیٰ ہو اسے ''جید'' کہتے ہیں(۱)۔

اسنادہ لیس بذاک

یعنی اس کی سند قوی نہیں۔ علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں ''ذاک'' کا مشارالیہ علم حدیث سے تعلق رکھنے اور سند قوی کو معتبر سمجھنے والے کے ذہن میں موجود ہے۔(۲)۔

هذا إسناد مشرقي

اسناد مشرقی کا مطلب یہ ہے کہ اس حدیث کی سند میں مذکور تمام رواۃ مشرق (بصرہ، کوفہ اور ان کے قرب وجوار) کے رہنے والے تھے، اِن میں اہل مدینہ میں سے کوئی نہیں ہے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ فرماتے ہیں کہ یہ الفاظ جرح میں سے نہیں، صرف یہ بتانا ہے کہ اس کے تمام رواۃ مشرقی تھے، حضرت شیخ الحدیث صاحب نے فرمایا کہ امام شافعی سے منقول ہے:''كل حديث لايوجدله أصل في حديث الحجا زيين واهٍ'' اسی طرح علامہ حازمی نے بھی کہا کہ اگر دو متعارض حدیثوں میں سے ایک کی سند مشرقی اور دوسری کی حجازی ہو تو حجازی کو مشرقی پر ترجیح ہوگی'' وللمخالف فيه مجال وسيع للكلام''(۳)۔

---

(۱)......مقدمۃ تحفۃ الاحوذی ص ۱۹۷۔

(۲)......حوالۂ بالا ص ۱۹۶۔

(۳)......الکوکب الدری:۱/۸۵۔۸۶، معارف السنن:۱/۲۱۴۔

ھذا حدیث مفسر

کلام کے سیاق وسباق کے اعتبار سے اس میں تین معنی مراد ہو سکتے ہیں۔

ایک یہ کہ مفسر کو اسم فاعل (بکسر عین) پڑھا جائے، یعنی یہ حدیث کسی آیت یا دوسری حدیث کی تفسیر ہے، یا اسم مفعول (بفتح سین) پڑھا جائے یعنی کسی راوی یا کسی اور حدیث سے اس کی تفسیر کی گئی ہے، یا اس سے اصطلاح اصول والا مفسر مراد ہو جو نص کے مقابلہ میں ہوتا ہے، اس صورت میں بھی بفتح سین پڑھا جائے گا(۱)۔

قد ذھب بعض اہل الکوفہ

امام ترمذیؒ ہر باب میں بیان مذاہب کا التزام فرماتے ہیں اور اس میں یہ جملہ'' بعض اہل الکوفہ'' بھی استعمال کرتے ہیں نیز امام ترمذیؒ نے اپنی کتاب جامع میں کسی جگہ امام اعظم ابوحنیفہؒ کا نام نہیں لیا، البتہ کتاب العلل کی ایک روایت میں امام ابوحنیفہؒ کا نام ملتا ہے لیکن وہ روایت بعض نسخوں میں نہیں ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ کتاب العلل خود مستقل ایک کتاب ہے، لہذا یہ جو کہا جاتا ہے کہ جامع ترمذی میں امام ابوحنیفہؒ کا نام نہیں ہے، اپنی جگہ صحیح ہے۔

شیخ سراج احمد سرہندی اور شیخ عبدالحق محدث دھلویؒ فرماتے ہیں کہ جامع ترمذی میں جہاں بھی اہل کوفہ کا لفظ آتا ہے اس سے امام ابوحنیفہؒ اور ان کے پیروکار مراد ہیں (۲) ان حضرات کا یہ حکمِ عام، للاکثر حکم الکل کے اعتبار سے ہے ورنہ بعض ایسے مقامات ہیں جہاں اہل کوفہ سے حنفیہ کے علاوہ دوسرے حضرات مراد ہیں۔

---

۱)......الکوکب الدری:۱/ ۱۲۹، معارف السنن:۱/ ۳۳۴۔

۲)...... مقدمۃ تحفۃ الاحوذی ص ۲۰۸۔

باقی رہا یہ سوال کہ امام ترمذیؒ حضرت امام اعظمؒ کے نام گرامی کو کیوں ذکر نہیں کرتے؟ بعض حضرات نے کہا کہ غایتِ تعصب کے بنا پر یہ طریقہ اختیار کیا ہے لیکن بہتر توجیہ جو امام ترمذی کے شایان شان بھی ہے، یہ ہے کہ حنفیہ کا مذہب امام ترمذیؒ تک کسی قابل اعتماد سند سے نہیں پہنچا تھا اس لیے انہوں نے تصریح نہیں فرمائی (۱)۔

بعض اہل الرائے

بعض نام نہاد علماء نے کہا ہے کہ اہل الرائے سے امام ابو حنیفہؒ اور ان کے متبعین مراد ہیں اور ان کو اہل الرائے اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ وہ رائے اور قیاس کو حدیث پر مقدم کرتے ہیں، یعنی بالفاظ دیگر یہ لفظ تنقیص کے لیے استعمال ہوتا ہے، ان حضرات کی دونوں باتیں غلط ہیں، اہل الرائے صرف حنفیہ ہی کو نہیں بلکہ دوسرے ائمہ فقہاء کو بھی کہا جاتا ہے۔

امام ربیعۃ بن عبدالرحمان کا لقب کثرت اجتہاد ہی کی وجہ سے ''الرای'' پڑ گیا تھا علامہ ذہبی لکھتے ہیں: ''وكان إماماً حافظ فقيها مجتهداً بصيراً بالرأى، ولذلك يقال له ربيعة الرأى'' (۲) ابن قتیبہؒ نے اپنی کتاب المعارف میں مستقل ایک فہرست اہل الرای کی بنائی ہے، جس میں یہ نام لکھے ہیں ''ابن أبي ليلى، أبوحنيفة، ربيعة الرأى، زفر، أوزاعي، سفيان ثورى، مالك بن أنس، أبويوسف، محمد بن الحسن'' (۳)۔

۱)..... حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ شرح بخاری کے مقدمہ میں لکھتے ہیں: ''ثم إن الترمذى ليس عنده إسناد مذهب الإمام أبى حنيفة، فلذا لا يذكر اسمه صراحة بخلاف مذاهب الأئمة الآخرين، فلها عنده أسانيد سردها فى كتاب العلل ويظن من ليس عنده علم أنه لايذكر اسمه لعدم رضائه منه'' مقدمة فيض البارى: ۱/ ۵۸۔

۲)..... دیکھیے تذکرۃ الحفاظ: ۱/ ۱۴۸۔

۳)..... دیکھیے سیرۃ النعمان از شبلی نعمانی: ۱۸۸۔

دوسری بات یہ ہے کہ اہل الرائے ہونا ایک صفت محمود اور باعث فضیلت ہے نہ کہ مذموم اور موجب تنقیص، علامہ شبیر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں:

"والرأی هو نظر القلب یقال: رأی رأیا بدل دید ورای رؤیابغیر تنوین بخواب دید ورأی رؤیة بچشم دید"(۱) ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کو قلب بینا عطا فرمائیں یہ کوئی کم فضیلت کی بات نہیں، اب دیکھنا یہ ہے کہ فقہاء کرام کو اصحاب رائے کیوں کہا جاتا ہے۔

ابن اثیر جزری متوفی ۶۰۶ھ کہتے ہیں:

"والمحدثون یسمّون أصحاب القیاس أصحاب الرأی، یعنون أنهم یأخذون برأیهم فیما یشکل من الحدیث، أو مالم یأت فیه حدیث ولاأثر"(۲)۔

صاحب قاموس لکھتے ہیں:

"أصحاب الرأی أصحاب القیاس لأنهم یقولون برأیهم فیما لم یجدوافیه حدیثا أوأثراً"(۳)۔

ملاعلی قاری، علامہ طیبی پر رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"إنما سمّوا بذلك لدقة رأیهم وحذاقة عقلهم"(۴)۔

ان تصریحات سے بخوابی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ حنفیہ اور دوسرے فقہاء کرام کو ان کی باریک بینی اور استنباط مسائل کی وجہ سے اہل الرای کہا جاتا ہے نہ اس لیے کہ وہ قیاس کو حدیث پر مقدم کرتے ہیں محدثین اور فقہاء دو الگ الگ اصطلاحیں ہیں لیکن درحقیقت ان میں کوئی تضاد وتنافی نہیں ہے، بات صرف اتنی ہے کہ جن حضرات نے حدیث کو من

۱)......مقدمۂ فتح الملہم:۷۳۔

۲)......دیکھئے النہایہ:۲/۱۱۷۔

۳)......الکوکب الدری:۲/۱۳۲۔

۴)......مرقاۃ:۲/۸۷۔

حیث الروایۃ اپنا مشغلہ بنایا ہے انہیں محدث اور جن حضرات نے صرف حدیث کے ظاہری الفاظ اور عبارۃ النص پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ اشارہ، دلالۃ، اور اقتضاء النص سے بھی احکام استنباط کر کے ان مستنبطہ احکام کی نشر واشاعت کی ہے، انہیں فقیہ اور مجتہد کہا جاتا ہے۔

ابن خلدون اور حضرت شاہ ولی اللہ نے انہی دو فرقوں کا تذکرہ فرمایا ہے (۱) یہ بات بھی اپنی جگہ مسلّم ہے کہ حدیث بغیر رائے کے سمجھ میں نہیں آتی، مولانا شبیر احمد عثمانی نے امام محمدؒ کا قول نقل کیا ہے کہ حدیث بغیر رائے کے اور رائے بغیر حدیث کے نا قابل فہم ہے (۲)۔

ابن حجر مکی لکھتے ہیں:

"وقد قال المحققون لایستقیم العمل بالحدیث بدون استعمال الرأی فیه، اذھو المدرك لمعانیه التی ھی مناط الاحکام۔

ومن ثمّة لمّا لم یکن لبعض المحدثین تأمل لدرك التحریم فی الرضاع، قال بان المرتضعین بلبن الشاه تثبت بینھما المحرمیة ولا العمل بالرأی المحض، ومن ثمّة لم یفطر الصائم بنحو الأكل ناسیاً" (۳) یہ بات کہ امام ابوحنیفہ اپنی رائے کو حدیث پر مقدم کرتے ہیں بالکل بے جا اور بے دلیل ہے تاریخ بغداد میں امام صاحب کا اپنا بیان موجود ہے فرماتے ہیں: "میں پہلے کتاب کو لیتا ہوں، اگر اس میں حکم نہیں ملتا تو سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو لیتا ہوں، اگر اس میں بھی نہ ہو تو صحابہؓ کے اقوال میں سے کسی کا قول لیتا ہوں اور دوسروں کا قول چھوڑ دیتا ہوں، لیکن ان کے اقوال سے ہٹ کر کوئی فیصلہ نہیں کرتا اور جب معاملہ ابراہیم، شعبی، ابن سیرین تک پہنچتا ہے

---

۱ ۔۔۔ دیکھئے مقدمہ ابن خلدون: ۴۴۶، حجۃ اللہ البالغۃ: ۱/۱۶۱۔

۲ ۔۔۔ مقدمہ فتح الملہم: ۲:۷۔

۳ ۔۔۔ الخیرات الحسان، الفصل الأربعون: فی رد ماقیل إنه خالف الأحادیث الصحیحة: ۱۷۲۔

تو جیسے انہوں نے اجتہاد کیا، میں بھی کرتا ہوں" (۱) امام ذہبی نے بھی یحیٰی بن معین کے طریق سے امام صاحب کا یہ قول نقل کیا ہے۔

علامہ شعرانیؒ باوجود شافعی ہونے کے ان لوگوں کے متعلق جو امام صاحب کے بارے میں ایسے خیال خام رکھتے ہیں، فرماتے ہیں: "اعلم أن هذا الكلام صدر من متعصّب على الإمام، متهور في دينه، غير متورع في مقاله، غافلا عن قوله تعالى: "ان السمع والبصر والفؤاد كل أولئك كان عنه مسئولا" (۲)۔

پھر علامہ شعرانی نے سند متصل کے ساتھ نقل کیا ہے:

"عن الإمام أبي حنيفة أنه كان يقول: كذب والله، وافترىٰ علينا من يقول عنا أنا نقدم القياس على النص، وهل يحتاج بعد النص إلى القياس" (۳)۔

نواب صدیق حسن خان نے کہا کہ ابن حزم ظاہری نے اجماع نقل کیا ہے کہ امام صاحب کے نزدیک حدیث ضعیف رائے وقیاس سے بہتر اور اس پر مقدم ہے (۴)۔

قیاس کی حیثیت

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا: ﴿فاعتبروا يأولي الأبصار﴾۔

اس سے قیاس ورائے کی حجیت ثابت ہوتی ہے، صاحب نورالانوار لکھتے

---

۱)...... تاریخ بغداد: ۱۳/ ۳۶۸۔

۲)...... میزان کبریٰ: ۱/ ۵۶۔

۳)...... محولۂ بالا: ۶۱۔

۴)...... دیکھئے الحطۃ: ۶۰۔

ہیں: ''الاعتبار ردّ الشيئ إلی نظيره، فكأنه قال: قيسوا الشيئ إلی نظيره"(۱)۔

اسی طرح قول ﴿وشاورهم في الأمر﴾اور ﴿وأمرهم شوریٰ بينهم﴾اور ان جیسی آیات سے بھی استدلال ہوتا ہے، صحیحین میں حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی روایت ہے: ''أنه سمع رسول الله صلی الله عليه وسلم يقول: إذا حكم الحاكم فاجتهد فأصاب، فله أجران، وإذا حكم وأخطأ، فله أجر"(۲)۔

حضرت معاذؓ کی حدیث بہت مشہور ہے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے پوچھا: ''کہ جب کوئی حکم کتاب اللہ اور سنت رسول میں نہ ملے تو کیا کروگے؟'' انہوں نے کہا اجتهد برائی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انتہائی مسرور ہوکر فرمایا: ''الحمدلله الذی وفق رسولَ رسولِ الله لما يرضی به رسولُ الله"(۳)، طبقات ابن سعد میں حضرت ابوبکرؓ کا یہ معمول منقول ہے۔

''إن أبابكر نزلت به قضية لم نجد لها في كتاب الله اصلاً، ولا في السنة اثراً، فقال: اجتهد رأئي، فان يكن صوابا، فمن الله وإن يكن خطأً، فمني وأستغفرالله"(۴)۔

حضرت عمرؓ نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں دوسرے صحابہ کو مخاطب کرکے فرمایا: ''إني رأيت في الجَدّرأيا، فان رأيتم أن تتبعوه، فقال عثمان: إن نتبع رأيك

۱)......نورالانوار:۲۲۴۔

۲)......أخرجه البخاري في كتاب الاعتصام باب أجر الحاكم إذا اجتهد فاصاب أو أخطأ، ومسلم في الأقضية في نفس الباب۔

۳)......دیکھئے مسند امام احمد بن حنبل:۵/۲۳۶،۲۴۲۔

۴)......طبقات ابن سعد۳/۱۷۸۔

فهو رشد، وإن نتبع رأی الشیخ قبلك؛ فنعم ذوالرأی کان۔"(۱)ان واضح اور بے غبار احادیث وآثار سے بخوبی معلوم ہوتا ہے کہ غیر منصوص مسائل میں رائے اوراجتہاد جائز ہی نہیں بلکہ ضروری بھی ہے۔

جن حضرات نے رائے اور قیاس کی مذمت میں احادیث وآثار نقل کئے ہیں، ان سب کا ''بصورت تسلیم سند'' ایک ہی جواب کافی ہے کہ وہاں رائے سے وہ رائے مراد ہے جو دین کے کسی اصل کی طرف مستند نہ ہو۔

امام بخاری نے بھی ایک باب قائم کیا ہے'' باب مایذکر من ذم الرأی وتکلف الناس '' یہاں بھی شراح یہی جواب دیتے ہیں کہ یہ اس رائے کی مذمت ہے جو مستندالی اصل شرعی نہ ہو۔محترم وحیدالزمان صاحب کی بھی یہی تحقیق ہے وہ حضرات آیت "الیوم أکملت لکم دینکم" اور "تبیانا لکل شیئ''اوراس جیسی آیات سے استدلال کرتے ہیں،اس کا مختصر جواب یہ ہے کہ قیاس مظہر للحکم ہے مثبت للحکم نہیں ہے والتفصیل فی المطوّلات۔

شروح ومختصرات

جامع ترمذی کی چند شروح درج ذیل ہیں۔

۱۔عارضۃ الاحوذی از قاضی ابوبکر بن عربی مالکی (متوفی ۵۴۶ھ) علامہ سیوطی فرماتے ہیں کہ ہمارے علم کے مطابق یہ ایک ہی شرح ہے ترمذی کی، جو مکمل ہے۔

۲۔شرح ترمذی از حافظ ابوالفتح محمد بن سیدالناس (متوفی ۷۳۴ھ) یہ نامکمل ہے۔

۳۔شرح ترمذی از حافظ زین الدین عراقی (متوفی ۸۰۶ھ) یہ ابن سیدالناس

---

۱).....مستدرک حاکم ۴/۳۴۰۔

کی شرح کا تکملہ ہے۔

۴۔ شرح زوائد الترمذی علی الصحیحین از سراج الدین محمد بن علی ابی الملقن (متوفی ۸۰۴ھ)۔

۵۔ شرح ترمذی از ابوالفرج زین الدین عبدالرحمان بن شہاب الدین احمد بن رجب (متوفی ۷۹۵ھ)۔

۶۔ شرح ترمذی از شہاب الدین ابوالفضل احمد بن علی بن محمد العسقلانی المعروف بابن حجر (متوفی ۸۵۲ھ) اس کا تذکرہ انہوں نے فتح الباری میں کیا ہے(۱)۔

۷۔ العرف الشذی علی جامع الترمذی از محمد بن رسلان بلقینی شافعی (متوفی ۸۰۵ھ) یہ نامکمل ہے۔

۸۔ قوت المغتذی علی جامع الترمذی از جلال الدین عبدالرحمان بن الکمال السیوطی (متوفی ۹۱۱ھ)۔

۹۔ شرح ترمذی از علامہ محمد طاہر صاحب مجمع البحار (متوفی ۹۸۶ھ)۔

۱۰۔ شرح ترمذی فارسی از شیخ سراج احمد سرہندی (متوفی ۱۲۳۰ھ)۔

۱۱۔ شرح ترمذی از ابوطیب سندھی۔

۱۲۔ شرح ترمذی از عبدالہادی سندھی (متوفی ۱۱۳۸ھ)۔

۱۳۔ الکوکب الدری از افادات مولانا رشید احمد گنگوہی (متوفی ۱۳۲۳ھ)۔

۱۴۔ العرف الشذی از مولانا انور شاہ کشمیریؒ (متوفی ۱۳۵۲ھ)۔

۱۵۔ معارف السنن از مولانا محمد یوسف بنوریؒ (متوفی ۱۳۹۷ھ/۱۹۷۷م)۔

---

۱)...... قال الحافظ فی فتح الباری: ,,ولم یثبت عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی النھی عنہ (أی عن البول قائماً) شیئ کما بینتہ فی أوائل شرح الترمذی،، فتح الباری ۱/۳۳۰ باب البول عند سباطۃ قوم۔

۱۶۔تحفۃ الاحوذی از عبدالرحمان مبارکپوری (متوفی ۱۳۵۲ھ)۔

۱۷۔جائزۃ الشعوذی از بدیع الزمان بن مسیح الزمان لکھنوی (متوفی ۱۳۰۴ھ)۔

۱۸۔المسک الزکی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی (متوفی ۱۳۲۳ھ) کی تقریر ہے۔

۱۹۔شرح ترمذی از شیخ فضل احمد انصاری۔

۲۰۔شرح ترمذی از مفتی صبغت اللہ بن محمد غوث شافعی (متوفی ۱۲۸۰ھ)

۲۱۔افادات درسیہ حضرت شیخ الہند (متوفی ۱۳۳۹ھ)(۱)۔

۱)......دیکھئے کشف الظنون ۱/۵۵۹ ومقدمۃ الکوکب الدری ۱/۶، مقدمۃ تحفۃ الاحوذی:۱۸۲ الی ۱۹۰۔

امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ

ولادت ۲۰۹ھ　　وفات ۲۷۳ھ　　کل عمر ۶۴

نسب

"أبوعبدالله محمد بن يزيد الربعي القزويني" (۱)، اسماء الرجال کی عام کتابوں میں آپ کے دادا کا نام نہیں ملتا، حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے دادا کا نام عبداللہ لکھا ہے، صدیق حسن خان نے بھی الحطہ میں اسی کا تذکرہ کیا ہے (۲)۔

نسبت

حافظ صاحب فرماتے ہیں: "محمد بن يزيد الربعي مولاهم" (۳) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قبیلہ ربیعہ کے ساتھ رشتہ موالات رکھنے کی وجہ سے آپ ربعی کہلاتے ہیں، ابن خلکان کہتے ہیں کہ ربیعہ متعدد قبائل کا نام ہے، اب یہ معلوم نہیں کہ ان کی نسبت کس کی طرف ہے (۴)۔

---

۱)...... تفصیلی حالات کے لیے دیکھئے: سیر اعلام النبلاء ۱۳/ ۲۷۷، تہذیب التہذیب: ۹/ ۵۳۰، وفیات الاعیان: ۴/ ۲۷۹ تذکرہ الحفاظ: ۲/ ۶۳۶، البدایۃ والنہایۃ: ۱۱/ ۵۲، بستان المحدثین: ۲۹۸، الاعلام: ۷/ ۱۴۴، تقریب التہذیب: ۵۱۴، الکاشف: ۲/ ۲۳۲۔

۲)...... بستان المحدثین: ۲۹۸، الحطہ: ۲۹۴۔

۳)...... تہذیب التہذیب: ۹/ ۵۳۰۔

۴)...... وفیات الاعیان: ۴/ ۲۷۹۔

علامہ سمعانی لکھتے ہیں:

"هذه النسبة إلى ربيعة بن نزار، وقلما يستعمل ذلك لأنه ربيعة بن نزار شعب واسع، فيه قبائل عظام وبطون وأفخاذ استغنى بالنسب إليها عن النسب إلى ربيعة" (۱)۔

تحقیق ابن ماجہ

ماجہ (بالتخفیف وسکون الہاء) (۲) کے بارے میں اقوال مختلف ہیں، بعض حضرات کا خیال ہے کہ ماجہ آپ کی والدہ کا نام ہے، حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ بستان المحدثین میں اسی کو راجح قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں: صحیح یہ ہے کہ ماجہ آپ کی والدہ تھیں لہذا ابن کے ساتھ الف لکھنا چاہئے تاکہ معلوم ہو کہ ابن ماجہ محمد کی صفت ہے نہ کہ عبداللہ کی (۳) صدیق حسن خان نے بھی "الحطہ" اور "اتحاف النبلاء" میں اسی کو صحیح کہا ہے (۴)۔

علامہ سید مرتضی زبیدیؒ نے "تاج العروس" میں لکھا ہے:

"وهناك قول آخر صحّحوه وهو أن ماجه اسم أمه" (۵)۔

پھر حضرت شاہ عبدالعزیزؒ "عجالہ نافعہ" میں فرماتے ہیں کہ ماجہ ابو عبداللہ کے باپ یزید کا لقب ہے، نہ دادا کا نام ہے، نہ والدہ کا (۶) حالانکہ بستان میں والد کا نام

۱)......الانساب: ۴۳/۳۔

۲)......سنن ابن ماجہ تحقیق محمد فؤاد عبدالباقی میں لکھا ہے کہ صحیح ابن ماجہ (بالہاء) یا ابن ماجة (بالتاء المربوطة) ہے۔

۳)......بستان المحدثین: ۲۹۸، ۲۹۹۔

۴)......الحطة: ۲۹۵، اتحاف النبلاء: ۳۸ طبع ہند۔

۵)......دیکھئے: تاج العروس المجلد الثانی آخر فصل المیم من باب الجیم: ۱۰۳۔

۶)......عجالہ نافعہ: ۲۳، (مکتبہ نور محمد، آرام باغ، کراچی)۔

ہونے کی آپ نے تصحیح فرمائی ہے، صاحب قاموس لکھتے ہیں: ''ماجة والد محمد بن یزید لاجده'' (۱) ابن کثیر نے خلیلی کا قول نقل فرمایا ہے: ''ویعرف یزید بماجه''(۲) مؤرخ قزوین علامہ رافعی کہتے ہیں: ''إن ماجه لقب یزید وإنه بالتخفیف، اسم فارسی'' پھر کہتے ہیں: وقدیقال: ''محمد بن یزید بن ماجه والاول اثبت''(۳)۔

شہر قزوین

''قزوین'' قاف کے زبر زاء کے سکون اور واو کی زیر کے ساتھ، اصفہان کے مشہور شہروں میں اس کا شمار ہوتا ہے، کہا جاتا ہے کہ ''باب الجنۃ'' وہی ہے، صدیوں تک یہ ہر علم وفن کے علماء وفضلاء کا مستقر ومنبع رہا ہے...... اسی شہر میں امام ابن ماجہؒ کی ولادت ہوئی (۴)۔

ولادت

علامہ ابن حجرؒ نے ابن طاہر مقدسی کا قول نقل فرمایا ہے:

''ورأیت له تاریخا وفی آخره بخط صاحبه جعفر بن إدریس: مات أبو عبداللّٰہ لثمان بقین من رمضان سنة ثلاث وسبعین، وسمعته یقول ولدت سنة تسع''(۵)(أی ومائتین) میں نے ابن ماجہ کی کتاب ''التاریخ'' دیکھی ہے اس کے

۱)......دیکھئے، تاج العروس، آخر فصل المیم من باب الجیم: ۱۰۳/۲۔
۲)......البدایۃ والنہایۃ: ۵۲/۱۱۔
۳)......ماتمس الیہ الحاجۃ: ۳۳، والبدایۃ والنہایۃ: ۵۲/۱۱۔
۴)......الأنساب: ۴۹۳/۴۔
۵)......تہذیب التہذیب: ۵۳۱/۹ وذکرہ المزی ایضافی تہذیب الکمال: ۴۰/۲۷۔

آخر میں آپ کے ایک تلمیذ جعفر بن ادریس نے بقلم خود لکھا ہے کہ ابن ماجہ کا انتقال ۲۲ رمضان ۲۷۳ھ میں ہوا اور میں نے آپ کو کہتے ہوئے سنا تھا کہ میری ولادت ۲۰۹ھ میں ہوئی ہے۔

ابتدائی تعلیم اور علمی اسفار

اس زمانہ میں شہر قزوین علوم وفنون اسلامیہ کا خاص مرکز تھا، بڑے بڑے علماء کی موجودگی میں کسی اور جگہ جانے کی ضرورت نہ تھی، چنانچہ آپ نے قزوین ہی میں اپنی تعلیم شروع فرمائی، اس کے بعد علمی پیاس بجھانے کے لیے ترک وطن فرما کر خراسان، عراق، حجاز، مصر، شام، ری، بصرہ ،کوفہ، بغداد، مکہ اور دمشق تشریف لے گئے (۱) بعض حضرات نے کہا کہ آپ نے ۲۳۰ھ کے بعد سفر کیا یعنی تقریباً ۲۲ سال کی عمر میں راہ سفر اختیار کیا۔

شیوخ

ان کے اساتذہ میں امام ذہلی، محمد بن بشار اور محمد بن مثنی سرفہرست ہیں، یہ دونوں مؤخر الذکر حضرات صحاح ستہ کے تمام مصنفین کے استاد ہیں۔

علامہ ذہبی فرماتے ہیں کہ علی بن محمد طنافسی (۲) سے بھی کافی استفادہ کیا۔

صاحب معجم البلدان کہتے ہیں:

دمشق میں ہشام بن عمار وغیرہ، مصر میں یونس بن عبدالاعلی وغیرہ، حمص میں محمد

۱)......ذکرہ الذہبی من کلام ابی یعلی الخلیلی انظر سیر اعلام النبلاء: ۱۳/ ۲۷۹، تہذیب الکمال ۲۷/ ۴۰ وفیات الاعیان: ۴/ ۲۷۹۔

۲)......سیر اعلام النبلاء: ۱۳/ ۲۷۷۔

بن مصفی وغیرہ، عراق میں ابوبکر بن ابی شیبہ وغیرہ سے استفادہ کیا (۱)۔

تلامذہ اور راویان سنن

علی بن ابراہیم، سلیمان بن یزید، محمد بن عیسٰی، ابوبکر حامد ابہری، سعدون اور ابراہیم بن دینار، یہ چھے حضرات سنن ابن ماجہ کے راوی بھی ہیں۔

وفات

بروز دوشنبہ ۲۱ رمضان المبارک ۲۷۳ھ کو انتقال فرما گئے اور ۲۲ رمضان بروز سہ شنبہ سپرد خاک کیے گئے، نماز جنازہ ان کے بڑے بھائی ابوبکر بن یزید نے پڑھائی اور دفن کے لیے ان کے دونوں بھائی ابوبکر اور ابوعبداللہ اور ان کا بیٹا عبداللہ قبر میں اترے۔

امام ابن ماجہ ائمہ فن کی نظر میں

تمام علماء وائمہ فن، امام ابن ماجہ کے کمالات اور علو درجات کے معترف اور ان کو محبت واحترام کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، چنانچہ ابویعلی حنبلی کا بیان ہے:

"ابن ماجه ثقه كبير، متفق عليه محتج به، له معرفة وحفظ قال: وكان عارفا بهذا الشأن"(۲)۔

---

۱)......ذكر الشيخ عبدالرشيد النعماني في كتابه "الإمام ابن ماجه وعلم الحديث" (بالأردية) البلاد التي سمع بها ابن ماجه مع ذكر أساتذته بمالا مزيدعليه، فراجعه ان شئت، وصنف الإمام الحافظ ابن عساكر المتوفى ۵۷۱ھ معجماً يشتمل على ذكر أسماء شيوخ الأيمة الستة وهوعن محفوظات دارالكتب الظاهرية بدمشق۔

۲)......تذکرہ الحفاظ:۲/۶۳۶، سیر اعلام النبلاء:۱۳/۲۷۹، تہذیب التہذیب:۹/۵۳۱۔

علامہ ذہبی سیر اعلام النبلاء میں ان الفاظ سے آپ کو خراج عقیدت پیش کرتے ہیں:

''قد كان ابن ماجة حافظا ناقداً صادقا واسع العلم"(۱)۔

ابن ناصر الدین کہتے ہیں:

ابن ماجہ بڑے درجے کے حافظ حدیث اور ثقہ ہیں، نامور ائمہ میں سے ایک اور ان کی کتاب السنن دنیائے اسلام کی مایہ ناز کتابوں میں سے ہے(۲)۔

ابن اثیر کا قول ہے:

''كان عاقلا إماماً عالما" (۳)۔

ابن خلکان لکھتے ہیں:

''كان اماما في الحديث عارفا بعلومه وجميع مايتعلق به"(۴)۔

امام ابن ماجہ بحیثیت مفسر و مؤرخ

امام ابن ماجہؒ امام فی الحدیث ہونے کے ساتھ علم تفسیر و تاریخ میں بھی ایک مسلم شخصیت ہیں اور علم حدیث کی طرح تفسیر و تاریخ میں بھی آپ نے یادگار تصانیف چھوڑی ہیں، جن کا تذکرہ کتابوں میں ملتا ہے، ابن کثیر فرماتے ہیں: ''ولابن ماجة تفسير حافل وتاريخ كامل من لدن الصحابة إلى عصره"(۵) اسی طرح ابو یعلی خلیلی کا قول نقل

۱)......سیر اعلام النبلاء:۱۳/ ۲۷۸۔

۲)......ماتمس الیہ الحاجۃ:۳۳، شذرات الذھب:۲/۱۶۴۔

۳)......تاریخ ابن اثیر:۶/ ۶۲۔

۴)......وفیات الاعیان:۴/ ۲۷۹۔

۵)......دیکھئے، البدایۃ والنہایۃ:۱۱/۵۲۔

کرتے ہیں کہ ابن ماجہ نے تفسیر وتاریخ میں بھی کتابیں لکھی ہیں (۱) ابن خلکان لکھتے ہیں:
''وله تفسير القرآن الكريم، وتاريخ مليح" (۲) کچھ پہلے ابن طاہر کا قول گذرا ہے کہ انہوں نے ابن ماجہ کی کتابِ تاریخ دیکھی ہے جس کے آخر میں امام صاحب کے تلمیذ نے ان کی تاریخِ ولادت ووفات ضبط کی ہے (۳)۔

علامہ ذہبی آپ کا ترجمہ اِن الفاظ سے شروع کرتے ہیں:

''الحافظ الكبير، الحجة، المفسر، أبوعبدالله ابن ماجه القزويني، مصنف السنن والتاريخ والتفسير" (۴)۔ اسی طرح ہدیۃ العارفین فی اسماء المؤلفین واثار المصنفین میں ہے:

''من تصانيفه تاريخ قزوين، تفسير القرآن، سنن في الحديث من الكتب الستة" (۵) اس سلسلہ میں ایک واضح ثبوت یہ بھی ہے کہ علامہ سیوطیؒ نے الاتقان فی علوم القرآن میں طبقات مفسرین کا تذکرہ کرتے ہوئے آپ کے اسم گرامی کو بھی ذکر کیا ہے (۶)۔

---

۱)......محولہ بالا۔
۲)......وفیات الاعیان: ۴/ ۲۷۹۔
۳)......تہذیب التہذیب: ۹/ ۵۳۰۔
۴)......سیر اعلام النبلاء: ۱۳/ ۲۷۷۔
۵)......ہدیۃ العارفین: ۲/ ۱۸۔
۶)......قال السيوطي: "ثم بعد هذه الطبقة ألفت تفاسير تجمع أقوال الصحابة والتابعين كتفسير سفيان بن عيينة و...... وبعدهم ابن جرير الطبري، وكتابه اجل التفاسير وأعظمها، ثم ابن أبي حاتم وابن ماجه و...... وكلها مسندة إلى الصحابة والتابعين وأتباعهم، وليس فيها غير ذلك إلا ابن جرير فإنه يتعرض لتوجيه الأقوال وترجيح بعضها على بعض والإعراب والاستنباط، فهو يفوقها بذلك'' دیکھئے الاتقان فی علوم القرآن: ۲/ ۱۹۰ (لاہور، پاکستان)۔

مسلک

ابن ماجہؒ کے بارے میں علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ ان کا مذہب بالتحقیق معلوم نہیں (۱) اور العرف الشذی میں فرمایا ہے: "وأما ابن ماجه فلعلّه شافعي" (۲) شاید کہ امام ابن ماجہ شافعی ہیں، شاہ ولی اللہؒ کی رائے میں یہ مجتہد منتسب الی احمد واسحٰق ہیں (۳)۔

علامہ طاہر جزائری کی رائے میں بھی وہ مجتہد منتسب الی الشافعی واحمد واسحاق وابی عبیدہ ہیں (۴) ابن تیمیہ کا خیال ہے کہ وہ علماء اہل حدیث میں سے ہیں، نہ مجتہد مطلق ہیں، نہ مقلد محض (۵)۔

تعداد ابواب واحادیث

ابن کثیرؒ سنن ابن ماجہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

"يشتمل على اثنين وثلاثين كتابا، وألف وخمسائة باب، وعلى أربعة الاف حديث كلها جياد سوى اليسيرة" (۶) کہ سنن ابن ماجہ میں ۳۲ کتابیں، پندرہ سو ابواب اور چار ہزار حدیثیں ہیں، جس میں بہت کم روایات کے علاوہ سب عمدہ احادیث ہیں۔

۱)......فیض الباری: ۱/ ۵۸۔
۲)......العرف الشذی المطبوع مع جامع الترمذی: ۲۔
۳)...... ماتمس الیہ الحاجۃ: ۲٦۔
۴)......توجیہ النظر: ۱۸۵۔
۵)......توجیہ النظر: ۱۸۵۔
٦)......البدایہ والنہایۃ: ۱۱/ ۵۲۔

خصوصیات اور اقوال علماء

بعض خوبیوں کے اعتبار سے ابن ماجہ حدیث کی دوسری کتابوں سے ممتاز ہے، چنانچہ اس میں ترتیب بہت عمدہ اور بہترین ہے اور تکرار بھی، شاہ عبدالعزیزؒ اس بارے میں لکھتے ہیں:

''وفی الواقع از حسن ترتیب وسرد احادیث بے تکرار واختصار آنچہ این کتاب دارد ہیچ یک از کتب ندارد''(۱)۔

حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں:

''وهو كتاب قوى التبويب فى الفقه'' (۲)۔

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:''وكتابه فى السنن جامع جيد'' (۳)۔

دوسری نمایاں خوبی یہ ہے کہ اس میں کافی احادیث ایسی ہیں جو صحاح ستہ کی دوسری کتابوں میں نہیں پائی جاتی، اس میں کثرت فائدہ کے ساتھ ساتھ کمال احتیاط بھی ہے، امام ابن ماجہؒ نے باب النهى عن الخلاء على قارعة الطريق میں ابوسعید حمیری کا قول نقل فرمایا ہے:

''كان معاذ بن جبل يتحدث بمالم يسمع أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم ويسكت عما سمعوا''(۴) علامہ عبدالغنی دہلویؒ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے اس طرز عمل کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:''لأن التبليغ قد حصل من جهة غيره، واحتمال الزيادة والنقصان لايأمن عليه أحد والمعتمدبه سبب

۱)......بستان المحدثین:۲۹۸۔

۲)......الباعث الحثیث::۲۴۱، النوع الموفی الستین۔

۳)......تہذیب التہذیب:۹/۵۳۱۔

۴)......سنن ابن ماجہ:۲۸۔

التبوء فی النار کما مرفالترک کان أصلح لحاله"(۱)۔

اورعلامہ سندھی یہ وجہ بتاتے ہیں: "لتکثیر الفائدة"۔

پھر لکھتے ہیں: "و کأنّ المصنفؒ تبع معاذاً فی ذلك حیث أخرج من المتون فی کثیر من الأبواب مالیس فی الکتب الخمسة المشهورة وإن کانت ضعیفة، وفی الباب أحادیث صحیحة أخرجتها أصحاب تلك الکتب فی کتبهم"(۲)۔

اسی طرح سنن ابن ماجہ میں ایسی احادیث بھی کافی ہیں جو صحت کے اعتبار سے صحیح بخاری کی حدیثوں سے بھی اصح ہیں مثلاً: باب ماجاء إذا أقیمت الصلاة فلاصلوة إلا المکتوبة میں حضرت عبداللہ بن مالک (جو اپنی ماں کی نسبت سے ابن بُحَینہ کہلاتے ہیں) کی روایت اس سند سے منقول ہے۔

حدثنا أبو مروان محمد بن عثمان العثمانی ثنا إبراهیم بن سعد عن أبیه عن حفص بن عاصم عن عبدالله بن مالك ابن بحینة قال: مرّالنبی صلی الله علیه وسلم برجل وقد أقیمت صلاة الصبح وهویصلی فکلّمه بشیٔ لا أدری ماهو فلما انصرف أحطنابه نقول: ماذا قال لك رسول الله صلی الله علیه وسلم قال: قال لی: "یوشك أحدکم أن یصلی الفجرأ ربعاً"۔(۳)

صحیح بخاری میں اسی باب کے اندر شعبہ کی روایت اس سند سے مروی ہے:

---

۱)......حاشیہ سنن ابن ماجہ المسمّی بانجاح الحاجہ: ۲۸۔

۲)......دیکھئے حاشیہ: علامہ سندھی برابن ماجہ باب النهی عن الخلاء علی قارعة الطریق ج۱ص۲۰۸ مطبوع دارالمعرفۃ بیروت۔

۳)......الحدیث أخرجه ابن ماجه فی سننه تحت أبواب الجمعة، باب ماجاء اذأقیمت الصلاة فلا صلوة الا إلمکتوبة: ۸۰۔

حدثني عبدالرحمان قال حدثنا بهذ بن أسد قال حدثنا شعبة قال أخبرني سعد بن إبراهيم قال سمعت حفص بن عاصم قال سمعت رجلا من الأزديقال له مالك بن بحينة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم الخ۔ (۱)

چنانچہ بخاری کی اس سند میں دوغلطیاں ہیں؛ ایک یہ کہ بُحَینہ عبداللہ کی والدہ کا نام ہے نہ کہ مالک کی والدہ کا، دوسری یہ کہ روایت حضرت عبداللہ بن مالک سے مروی ہے جو مشہور صحابی ہیں ان کے باپ مالک سے نہیں، جس طرح اس سند میں ہے کیوں کہ وہ مسلمان نہیں ہوئے تھے (۲)۔

علامہ عینی اسی ضعف کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وحكم الحفاظ يحيى بن معين وأحمد ومسلم والنسائي والإسماعيلي والدارقطني وأبو مسعود وآخرون عليهم بالوهم في موضعين أحدهما: أن بحينة والدة عبدالله لا والدة مالك، والآخر: أن الصحبة والرواية لعبدالله لالمالك۔ (۳)

حافظ صاحب عبداللہ بن مالک کے بارے میں لکھتے ہیں:

"هوعبدالله بن مالك ابن القشب بكسر القاف وسكون المعجمة بعدها موحدة وهو لقب، واسمه جندب بن نضلة بن عبدالله، قال ابن سعد: قدم مالك بن القشب مكة يعني في الجاهلية فحالف بني المطلب بن عبد مناف وتزوج بحينة بنت الحارث بن المطلب، واسمها عبدة وبحينة لقب، وأدركت بحينة الإسلام فأسلمت وصحبت وأسلم ابنها عبدالله قديما ولم

۱)......أخرجه الإمام البخاري في كتاب الأذان باب إذا أقيمت الصلاة فلا صلاة إلا المكتوبة: ۹۱/۱۔

۲)......تفصیل کے لیے دیکھئے: ابن ماجہ اور علم حدیث از مولانا عبدالرشید نعمانی۔

۳)......عمدۃ القاری: ۲۸۳/۵۔

يذكرأحد مالكا فى الصحابة إلابعض ممن تلقاه من هذا الإسناد ممن لاتمييزله" (۱)۔

دوسرا نکتہ اس میں یہ ہے کہ ابن ماجہ کی سند خماسی ہے اور بخاری کی سند سداسی ہے تو اس لحاظ سے بھی اسے فوقیت حاصل ہے۔

اسی طرح اور بھی احادیث ہیں۔

امام صاحب غریب احادیث اور مختلف بلاد کی مخصوص روایات کی نشاندہی کرتے ہیں، مثلاً کئی جگہ فرماتے ہیں: "قال ابن ماجه: هذا حديث الرمليين ليس إلاعندهم" (۲) "قال ابن ماجه: هذا حديث المصريين" (۳) "هذا حديث الرقيين" (۴) شاید انہی خصوصیات کے پیش نظر جب امام ابن ماجہ نے اپنی کتاب امام ابوزرعہ کے سامنے پیش کی تو وہ کہنے لگے: "أظن إن وقع هذا فى أيدى الناس تعطلت هذه الجوامع أو أكثرها" (۵) اور ایسا ہی ہوا، چنانچہ حدیث کی بیشمار کتابوں میں سے صرف سنن ابن ماجہ ہی کو صحاح ستہ کی صف میں شامل ہونے کا شرف حاصل ہوا۔

ثلاثیات ابن ماجہ

سنن ابن ماجہ میں پانچ حدیثیں ثلاثی ہیں:

---

۱)......فتح الباری:۲/۱۴۹،۱۵۰۔

۲)......قاله بعد حديث انس بن مالك فى ابواب الديات، باب العفو عن القاتل:۱۹۳و۱۵۰۔

۳)......قاله بعد حديث ابن مسعود فى أبواب الاشربة، باب كل مسكر حرام:۲۴۲۔

۴)......قاله بعد حديث معاوية فى أبواب الاشربة، باب كل مسكر حرام:۲۴۲۔ والرقة بالفتح وتشديد القاف بلد على الفرات واسطة ديار ربيعة، واخرى عربى بغداد وقرية أسفل منها بفرسخ وبلد بقوهستان وموضعان آخران كذا فى القاموس، انجاح الحاجة:۲۴۲۔

۵)......تذکرۃ الحافظ للذہبی:۶۳۶۔

(۱)حدثنا جبارة بن المغلس ثناكثير بن سليم سمعت أنس بن مالك يقول: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :"من أحب أن يكثرالله خير بيته فليتوضأ إذا حضر غداؤه وإذا رفع"(۱)۔

(۲) حدثنا جبارة* بن المغلس ثنا كثير بن سليم عن أنس بن مالك قال: "مارفع من بين يدى رسول الله صلى الله عليه وسلم فضل شواء قط ولاحملت معه طنفسة"(۲)۔

(۳)حدثنا جبارة بن المغلس ثنا كثير بن سليم عن أنس بن مالك قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "الخير أسرع الى البيت الذى يغشى من الشفرة إلى سنام البعير"(۳)۔

(۴)حدثنا جبارة بن المغلس ثناكثير بن سليم سمعت أنس بن مالك يقول: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "مامررت بليلة أسرىٰ بى بملاء إلاقالوا: يا محمد مرأمتك بالحجامة"(۴)۔

(۵)حدثنا جبارة بن المغلس ثنا كثير بن سليم عن أنس بن مالك قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: 'إن هذه الأمة مرحومة عذابها بأيديها، فإذا كان يوم القيامية دفع إلى كل رجل من المسلمين رجل من المشركين فيقال: هذا فداؤك من النار"(۵)۔

---

۱)......الحديث أخرجه ابن ماجه فى سننه، أبواب الأطعمة، باب الوضوء عند الطعام:۲۳۴۔۲۳۵۔

۲)......الحديث أخرجه ابن ماجه فى سننه،أبواب الأطمة،باب الشواء:۲۳۷۔

۳)......الحديث اخرجه ابن ماجه فى سننه أبواب الأطمة،باب الضيافة:۲۴۰۔

۴)...... أخرجه الامام ابن ماجه فى أبواب الطب، باب الحجامة:۲۴۸۔

۵)......أخرجه الإمام ابن ماجة فى أبواب الزهد، باب صفة أمة محمد صلى الله عليه وسلم:۳۱۷۔

صحاح ستہ میں بخاری شریف کے بعد سب سے زیادہ ثلاثی روایات ابن ماجہ میں ہیں اور یہ باعث افتخار بھی ہے، لیکن افسوس یہ ہے کہ یہ پانچوں حدیثیں سنداً ضعیف ہیں، اس لیے کہ ان میں کثیر بن سلیم ہے جس کی اکثر حفاظ نے تضعیف کی ہے، حافظ ذہبی لکھتے ہیں:

"ضعفه ابن المدینی وأبوحاتم، قال النسائی: متروك، قال أبوزرعه: واه، قال البخاری: منکر الحدیث"(۱)۔

حافظ جمال الدین مزی لکھتے ہیں: "قال عباس الدّوریّ عن یحیی بن معین: کثیر بن سلیم ضعیف . قال عبدالله بن علی بن المدینی عن أبیه: کثیر صاحب انس ضعیف، کان یحدّث عن أنس أحادیث یسیرة خمسة أو نحوها، فصارت مئة حدیث"(۲)۔

باقی جبارة بن المغلس کی توثیق بھی موجود ہے، تضعیف بھی، قال ابن نمیر: "صدوق ماهو ممن یکذب، قال البخاری: حدیثه مضطرب، قال أبوحاتم: هو عندی عدل، قال ابن معین: کذّاب"(۳)۔

البتہ ناقدین کے تمام اقوال کو سامنے رکھ کر تتبع کے بعد یہ معلوم ہوتا ہے کہ جبارہ صدوق وامین ہیں لیکن بعد میں سوء حفظ عارض ہونے کی وجہ سے ان کی روایات میں غلطی آنے لگی اور دوسرے لوگ ان کی کتابوں میں اضافہ کرتے رہے لیکن یہ تمیز نہ کر سکے، چنانچہ حافظ مزی نے ابواحمد بن عدی کا قول نقل کیا ہے، وہ کہتے ہیں:

---

۱)...... دیکھئے میزان الاعتدال للذہبی: ۳/۴۰۵۔

۲)...... تہذیب الکمال: ۲۴/۱۱۹۔

۳)...... میزان الاعتدال: ۱/۳۸۷۔

’’له أحاديث عن قوم ثقات، وفي بعض حديثه مالايتابعه أحد عليه، غير أنه كان لايعتمد الكذب، إنما كانت غفلة فيه، وحديثه مضطرب‘‘(۱)۔

محشی لکھتے ہیں:

قال نصر بن أحمد البغدادي: ”جبارة في الأصل صدوق إلا أن ابن الحماني أفسد عليه كتبه“(۲)۔

تفردات ابن ماجہ

اس میں کوئی شک نہیں کہ ضعیف روایات سنن ابن ماجہ میں بکثرت ہیں، چنانچہ بعض حضرات نے اس سلسلے میں ایک عام قانون بھی بیان کیا ہے، چنانچہ حافظ مزی لکھتے ہیں: ’’كل من تفردبه ابن ماجه فهو ضعيف‘‘(۳)۔

حافظ ابن حجرؒ نے اس قول سے اختلاف کیا ہے، فرماتے ہیں: ’’وليس الأمر في ذلك على إطلاقه باستقرائي وفي الجملة ففيه أحاديث كثيرة منكرة‘‘(۴)۔

حافظ صاحب کے خیال میں اگر اس حکم عام کو رجال پر محمول کیا جائے تو صحیح ہوسکتا ہے، لیکن احادیث کے بارے میں صحیح نہیں ہوسکتا، لکھتے ہیں: ’’لكن حمله على الرجال أولى، وأماحمله على أحاديث فلا يصح كما قدمت ذكره من وجود الأحاديث الصحيحة والحسان مما انفردبه عن الخمسة‘‘(۵) یعنی جن رجال

---

۱)...... تہذیب الکمال: ۴/ ۴۲۹۔

۲)...... دیکھئے محولۂ بالا از تعلیقات ڈاکٹر بشار عواد۔

۳)...... تہذیب التہذیب: ۹/ ۵۳۱۔

۴)...... محولۂ بالا۔

۵)...... تہذیب التہذیب: ۹/ ۵۳۱۔

سے صرف امام ابن ماجہ نے روایت کی ہے، صحاح ستہ کے دوسرے مصنفین نے نہیں کی وہ ضعیف ہیں، جہاں تک نفس احادیث کا تعلق ہے تو اس میں ایسی روایات صحیح اور حسن ہیں جن سے دوسری کتابیں خالی ہیں۔

شروح

اگرچہ صحت کے اعتبار سے سنن ابن ماجہ کا درجہ سنن نسائی سے کم ہے اور یہ صحاح ستہ کی آخری کتاب بھی سمجھی جاتی ہے، لیکن حفاظ اور ائمہ حدیث کی طرف سے جو تلقی بالقبول اس کو حاصل ہوا وہ سنن سنائی کو حاصل نہیں ہوسکا، چنانچہ بڑے بڑے اہل فن نے سنن ابن ماجہ پر شروح وتعلیقات لکھی ہیں، مثلاً:

(۱) شرح ابن ماجہ از حافظ علاؤالدین بن قلیچ حنفی (متوفی ۷۶۲ھ) یہ سب سے پہلی شرح ہے لیکن نامکمل ہے، علامہ سیوطی فرماتے ہیں کہ: "ولم يكمل وقد شرعت في إتمامه"۔

(۲) شرح ابن ماجہ از حافظ رجب الحنبلی (متوفی ۷۹۵ھ) اس کا تذکرہ علامہ سندھی نے فرمایا ہے، چنانچہ وہ حدیث "من ترك الكذب وهو باطل" کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "يحتمل انه على ظاهره، وجلمة وهو باطل حال من الكذب، وهو الذي ذكره ابن رجب في شرح الكتاب"(۱) علامہ سیوطی نے بھی اس کا تذکرہ کیا ہے: "من الشارحين زين الدين عبدالرحمان بن احمد بن رجب الحنبلي"(۲) لیکن مولانا عبدالرشید نعمانیؒ نے اپنی استدراک میں ایک اور بات کہی ہے،

۱)...... ماتمس إليه الحاجة: ۴۹۔

۲)...... ذیل تذکرۃ الحفاظ للسیوطی: ۳۶۹۔

وہ یہ کہ شارح ابن رجب حنبلی نہیں بلکہ محمد بن رجب زبیری شافعی ہیں۔

(۳) ماتمس إليه الحاجة على سنن ابن ماجة از شیخ سراج الدین عمر بن علی بن الملقن (متوفی ۸۰۴ھ) صرف ایک سال کے قلیل عرصہ میں آٹھ جلدوں میں انہوں نے زوائد ابن ماجہ کی شرح لکھی ہے، ذوالقعدہ ۸۰۰ھ میں تصنیف شروع فرمائی اور شوال ۸۰۱ھ میں اس سے فارغ ہوئے۔

(۴) شرح ابن ماجہ از شیخ کمال الدین محمد موسیٰ الدمیری (متوفی ۸۰۸ھ) نامکمل ہے۔

(۵) الدیباجہ علی سنن ابن ماجہ از حافظ احمد بن ابی بکر شہاب بوصیری (متوفی ۸۴۰ھ) اس شرح کا تذکرہ علامہ سندھی نے فرمایا ہے۔

علامہ سیوطی لکھتے ہیں: "والّف تصانيف حسنة منها: زوائد سنن ابن ماجة على الكتب الخمسة"(۱)۔

(۶) شرح ابن ماجہ از حافظ برہان الدین ابراہیم بن محمد معروف بسبط بن العجمی (متوفی ۸۴۱ھ)۔

(۷) مصباح الزجاجہ از علامہ سیوطی (متوفی ۹۱۱ھ) یہ حافظ علاء الدین کی شرح کا تکملہ ہے۔

(۸) نور مصباح الزجاجہ از شیخ علی بن سلیمان مالکی دمنتی متوفی (۱۳۰۶ھ)، انہوں نے سیوطی کے حاشیہ کا اختصار کیا ہے۔

(۹) شرح سنن ابن ماجہ مسمی کفایۃ الحاجۃ از شیخ ابوالحسن محمد بن عبدالہادی سندھی حنفی (متوفی ۱۱۳۸ھ)۔

---

۱)......ذیل تذکرۃ الحفاظ للسیوطی: ۳۷۹، ۳۸۰۔

(۱۰) انجاح الحاجۃ شرح سنن ابن ماجہ از شیخ عبدالغنی مجددی (متوفی ۱۱۹۵ھ)۔

(۱۱) حاشیہ بر سنن ابن ماجہ از مولانا فخر الحسن گنگوہی (المتوفی ۱۳۱۵ھ)۔

(۱۲) مفتاح الحاجۃ برابن ماجہ شیخ محمد علوی (المتوفی ۱۳۶۶ھ) کا حاشیہ ہے۔

(۱۳) ماتمس الیہ الحاجۃ لمن یطالع سنن ابن ماجہ از شیخ عبدالرشید نعمانی۔

(۱۴) رفع العجاجۃ عن سنن ابن ماجہ از وحید الزمان بن مسیح الزمان لکھنوی (المتوفی ۱۳۳۸ھ)(۱)۔

---

۱)...... دیکھیے تفصیل کے لیے، کشف الظنون: ۲/۱۰۰۴، وماتمس إلیه الحاجة للشیخ عبدالرشید النعمانی: ۴۵ سے ۵۵ تک۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ

نسب ونسبت

هو فقيه الامة امام دارالهجرة ابو عبدالله مالك بن انس بن مالك بن ابى عامر بن عمرو بن الحارث بن غيمان بن جثليل بن عمرو بن ذى اصبح الحارث الاصبحى المدنى (۱)

حضرت شیخ الحدیثؒ نے اس نسب کو اسی تفصیل اور کچھ اختلاف کے ساتھ مقدمۂ اوجز المسالک میں نقل فرمایا ہے (۲) آپ کا تعلق چونکہ قبیلہ ''اصبح'' سے تھا جس کا یمن کے معزز قبائل میں شمار ہوتا تھا، اس لیے آپ کو اصبحی کہا جاتا ہے، آپ کے خاندان میں سب سے پہلے آپ کے جد اعلی ابو عامر مسلمان ہوئے امام صاحب کے دادا مالک بن ابی عامر کبار تابعین میں سے ہیں، ان کے تین صاحبزادے تھے، ابو سہیل، ربیع اور انس، ہم ان سب کے حالات مختصراً بیان کرینگے۔

ابو عامر

اتنی بات یقینی ہے کہ وہ مخضرمین میں سے ہیں یعنی جاہلیت اور اسلام کا زمانہ

---

۱)...... تفصیلی حالات کے لیے دیکھئے: الکامل لابن الاثیر: ۶/ ۱۴۷، تہذیب الاسماء واللغات للنووی: ۲/ ۷۵۔۷۹ وفیات الاعیان: ۴/ ۱۳۵۔ تہذیب الکمال: ۲۷/ ۹۱، رقم: ۱۲۹۷ تذکرۃ الحفاظ: ۱/ ۲۰۷ البدایہ والنہایۃ: ۱۰/ ۱۷۴ تہذیب التہذیب: ۱۰/ ۵، سیر اعلام النبلاء: ۸/ ۴۸۔

۲)...... مقدمہ اوجز المسالک: ۲۵۔

انہوں نے پایا ہے، لیکن ان کے صحابی ہونے میں اختلاف ہے، امام ذہبی نے لکھا ہے: ''لم أراحدا ذكره في الصحابة،،(۱) حافظ ابن حجرؒ نے بھی الاصابہ کی قسم ثالث میں ان کا تذکرہ لاکرامام ذہبی کے قول پر اکتفاء کیا ہے(۲)اورالاصابہ کی تیسری قسم ان حضراتؓ کے بارے میں ہے، جن کی ملاقات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کسی طرح ثابت نہ ہو (۳) لیکن ان کے برخلاف قاضی عیاض نے ابوبکر بن العلاء کا قول نقل کیا ہے کہ: ''هو صحابي جليل شهد المغازي كلها خلا بدراً''(۴) علامہ سیوطی نے بھی تنویر میں اسی کو لیا ہے(۵)

امام صاحب کے دادا مالک بن ابی عامر(۶)

ان کی کنیت ابوانس ہے اور کبار تابعین میں سے ہیں، ان کی روایت حضرت عمر، عثمان، ابوھریرۃ اور ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے، صحاح ستہ میں ان کی روایات ملتی ہیں، ۸۴ھ میں ان کی وفات ہوئی۔

---

۱)......قالہ شیخ الحدیث نقلاً عن تجرید الصحابہ للذہبی ۱/ ۱۸آ۔

۲)......الاصابۃ فی تمیز الصحابۃ: ۴/۱۴۴۔

۳)......ابن حجرؒ الاصابہ کے خطبہ میں لکھتے ہیں: القسم الثالث فيمن ذكر في الكتب المذكورة من المخضرمين الذين أدركوا الجاهلية والإسلام، ولم يردفي خبرقط أنهم اجتمعوا بالنبي صلى الله عليه وسلم ولارأوه، سواء أسلموا في حياته أم لاوهؤلاء ليسوا صحابة باتفاق من أهل العلم بالحديث۔ الاصابة: ۱/۶۔

۴)......مقدمہ أوجز المسالک: ۱/ ۱۸۔

۵)......تنویر الحوالک للسیوطی: ۳، الفائدۃ الاولی۔

۸)......دیکھئے تہذیب الکمال: ۲۷/ ۱۴۸-۱۵۰۔ تہذیب التہذیب: ۱۰/ ۲۵۔

امام صاحب کے چچا ربیع بن مالک

ان کا تذکرہ علامہ سمعانیؒ نے الانساب میں کیا ہے(۱)۔

امام صاحب کے دوسرے چچا نافع بن مالک (۲)

ان کی کنیت ابوسہیل ہے، حضرت انس بن مالک، عبداللہ بن عمر، سعید بن المسیب، عمر بن عبدالعزیز وغیرہ سے روایت کرتے ہیں، امام احمد، ابوحاتم اور نسائی رحمہم اللہ نے ان کو ثقہ قرار دیا ہے، اصحاب اصول ستہ نے ان کی روایتیں لی ہیں۔

امام صاحب کے تیسرے چچا اویس بن مالک

علامہ ابن حجرؒ اور سمعانیؒ نے ان کا تذکرہ نقل کیا ہے۔

علامہ سمعانی لکھتے ہیں: امام مالک کے والد محترم انس بن مالک سب سے بڑے بھائی، ان کے بعد اویس، ان کے بعد نافع اور سب سے چھوٹے ربیع بن مالک تھے (۳)۔

امام صاحب کی والدہ

عالیۃ بنت شریک بن عبدالرحمٰن الازدیۃ ہیں (۴)

---

۱)......الانساب: ۱/ ۱۴۷۔

۲)......تہذیب الکمال: ۲۹/ ۲۹۰۔۲۹۱، تقریب التہذیب: رقم الترجمۃ: ۷۱۰۷۔

۳)......تہذیب التہذیب: ۱/ ۳۸۵۔۳۸۶، الانساب: ۱/ ۱۸۴۔

۴)......سیر اعلام النبلاء ۸/ ۴۹۔

ولادت

اس پر اتفاق ہے کہ امام صاحب رحم مادر میں معمول سے زیادہ رہے، البتہ اختلاف مدت میں ہے لیکن اکثر مؤرخین نے تین سال اور بعض حضرات نے دوسال بتائی ہے(۱) پھر سن ولادت میں بھی اختلاف ہے ۹۰ھ، ۹۴ھ، ۹۵ھ لیکن علامہ ذہبی نے امام صاحب کے مشہور تلمیذ یحیی بن بکیر کا قول نقل کیا ہے کہ :سمعته یقول: "ولدت سنة ثلاث و تسعین" لہٰذا ۹۳ھ ہی کو راجح کہا جائے گا(۲)

وفات

امام صاحب ۲۲ دن تک صاحب فراش رہنے کے بعد ۱۷۹ھ میں دارفانی کو الوادع کہہ کر خالق حقیقی سے جا ملے، تاریخ میں اختلاف ہے۔ ۱۰، ۱۱، ۱۴ ربیع الاول، بعض نے کہا صفر میں انتقال ہوا اور بقیع میں مدفون ہوئے، کہا گیا ہے کہ حالت اختصار میں لا الہ الا اللہ پڑھ کر پھر للہ الامر من قبل و من بعد پڑھتے رہے، یہاں تک کہ روح مبارک پرواز کر گئی، رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ، نہلانے میں ان کے صاحبزادے یحیی اور ان کے کاتب حبیب اور ابن ابی زنبر اور ابن کنانہ شریک رہے، عبداللہ بن محمد نے جو اپنے باپ کی جگہ نائب والی مدینہ تھے نماز جنازہ پڑھائی، دفنانے میں بہت سے لوگ شریک تھے(۳) پسماندگان میں تین صاحبزادے یحیی، محمد، حماد اور ایک صاحبزادی فاطمہ شامل ہیں(۴)۔

---

۱)......سیر اعلام النبلاء: ۸/۴۹۔

۲)......تذکرۃ الحفاظ: ۱/۲۱۲۔

۳)......سیر اعلام النبلاء: ۸/۱۳۰۔

۴)......وفات کے متعلق اختلاف اقوال کے لیے دیکھئے: سیر اعلام النبلاء: ۸/۱۳۰۔۱۳۱۔

حلیہ ولباس

امام صاحب بہت ہی خوش پوش انسان تھے، عام طور سے روزانہ نئے کپڑے زیب تن فرماتے، بہت ہی تنومند اور قد معتدل مائل بہ درازی تھا، رنگ سفید مائل بزردی اور سر وریش کے انتہائی سفید بال چہرہ کی رونق ونورانیت کو دوبالا کرتے تھے(۱)

تحصیل علم

امام صاحب نے اس زمانہ میں آنکھ کھولی جب مدینہ منورہ میں علم وعرفان کے بے حد وحساب چشمے جاری تھے، ان کا گھرانہ خود علوم کا مرجع تھا، امام صاحب نے دس سال کی عمر میں تحصیل علم کی ابتداء فرمائی اور امام القراء نافع بن (۲) عبدالرحمٰن م ۱۶۹ھ سے علم قراءت حاصل کرکے اس کے بعد بقول علامہ زرقانی نوسو سے زائد اہل علم وفضل سے کسب فیض فرمایا، بارہ برس تک حضرت ابن عمرؓ کے خصوصی شاگرد حضرت نافعؒ کے درس میں شریک رہے(۳) اور اس دوران وہ تکالیف ومشقیں برداشت کیں جو ہرکس وناکس کا کام نہیں ہوسکتا، یہاں تک کہ گھر کی چھت توڑ کر لکڑیاں تک فروخت کرنے کی نوبت آئی۔

درس وتدریس

علامہ ذہبیؒ نے لکھا ہے کہ امام مالکؒ نے اکیس سال کی عمر میں تدریس شروع فرمائی(۴) بعض حضرات نے سترہ سال کا قول نقل کیا ہے۔

---

۱)..... سیر اعلام النبلاء: ۸/ ۶۹، ۷۰۔

۲)..... تفصیلی حالات کے لیے دیکھئے غایۃ النہایۃ فی طبقات القراء: ۲/ ۲۳۰ تا ۲۳۴۔

۳)..... مقدمہ اوجز المسالک: ۳۴۔

۴)..... سیر اعلام النبلاء: ۸/ ۵۵۔

امام صاحبؒ نے اپنے دست مبارک سے تقریبا ایک لاکھ احادیث لکھیں، ان کے دوراز ے پر شائقین علوم وسائلین مسائل کا ایسا ازدحام رہتا کہ دیکھنے والا کسی بڑے بادشاہ وقت کا دربار سمجھ بیٹھتا(۱) اور جب حاضرین زیادہ ہو جاتے تو امام صاحب پہلے اپنے خاص تلامذہ ورفقاء کو بلواتے ان سے فارغ ہو کر پھر عوام کو اجازت ملتی، اس پر کسی نے شکوہ کیا تو فرمایا: أصحابی جیران رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه و سلم(۲)

وقار مجلس درس

امام صاحب کا درس حدیث کے لیے اہتمام بھی ایک حیران کن حقیقت ہے چنانچہ مطرف کا کہنا ہے کہ جب لوگ امام صاحب کے دروازے پر پہنچتے تو ان کی ایک خادمہ ان سے پوچھتی کہ فقہ پوچھنے آئے ہو یا حدیث؟ اگر کہتے کہ فقہی مسائل پوچھنے ہیں تو اطلاع ملنے پر امام صاحب گھر سے نکل کر ان کے مسائل کا جواب دیتے، لیکن اگر حدیث کی بات ہوتی تو پہلے غسل فرماتے، نئے کپڑے پہن کر خوشبو استعمال فرماتے، عمامہ باندھ کر پھر باہر آجاتے (۳) اور درس حدیث کی مجلس میں برابر عود ولوبان کی دھونی ہوتی رہتی اور یہ اہتمام

۱)......تذکرۃ الحفاظ:۱/۲۰۸ وفیہ قال عبدالرحمن بن واقد: "رأیت باب مالك كأنه باب الأمیر"۔

۲)......مقدمہ اوجز المسالک:۳۹۔

۳)......دیکھئے محولۂ بالا، علامہ ذہبی لکھتے ہیں: "وكان مجلسه مجلس وقار وحلم، قال: كان رجلا مهيبا نبيلا، ليس فی مجلسه شی من المراء واللغط ولارفع صوت، وكان له كاتب قد نسخ كتبه ويقال له: حبيب يقرأ للجماعة، ولاينظر أحد فی كتابه ولايستفهم هيبةً لمالك وإجلاله، وكان حبيب إذا قرأ فاخطأ، فتح عليه مالك وكان ذلك قليلا": سیر اعلام النبلاء ۸/۶۵، امام صاحب کے کاتب حبیب بن ابی حبیب کے بارے میں امام احمد فرماتے ہیں: "ليس بثقة" ابن معین کہتے ہیں: "كان حبيب يقرأ على مالك وكان يسرع بالناس يصفح ورقتين ثلاثا" امام نسائی کہتے ہیں: "أحاديثه كلها موضوعة عن مالك وغيره" سیر اعلام النبلاء ۸/۶۵، حاشیہ۔

صرف زمانہ تدریس میں نہ تھا بلکہ طالب علمی کے زمانہ سے ہی حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توقیر وتعظیم دل میں موجزن تھی، علامہ ذہبی نے لکھا ہے کہ امام صاحب سے پوچھا گیا کہ آپ نے عمرو بن دینار کی حدیث کو کیوں نہیں لیا، تو جواباً فرمایا: ''أتيته، فوجدته يأخذون عنه قياماً، فاجللت حديث رسول الله صلى الله عليه وسلم أن آخذ قائماً'' (۱)۔

یعنی میں ان کی خدمت میں پہنچا تو دیکھا کہ تلامذہ کھڑے ہوکر ان سے پڑھتے ہیں، میں نے حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے بالاتر سمجھا کہ کھڑے ہوکر پڑھی جائے اور یہ تعظیم کیوں نہ ہو کہ امام صاحب کے دل میں عشق رسول علیہ الف الف تحیات کوٹ کوٹ کر بھر دیا گیا تھا، یہاں تک کہ امام صاحب مدینۃ الرسول علی صاحبہا الف الف تحیات سے اتنی محبت فرماتے تھے کہ زندگی بھر صرف ایک حج کیا اور وقت کے بڑے بڑے سلاطین کی دعوت سفر کو مسترد کر دیا (۲) کیونکہ ان کو فراقِ مدینہ قابلِ برداشت نہیں تھا اور خواہش یہ تھی کہ مدینہ میں انتقال ہو۔ مصعب بن عبداللہ کہتے ہیں کہ امام صاحب کے سامنے جب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام گرامی آتا تو ان کا رنگ متغیر ہو جاتا اور کمر جھک جاتی، اس بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا: "لو رأيتم ما رأيت لما أنكرتم" (۳)

---

۱)......دیکھئے سیر اعلام النبلاء: ۸/ ۶۷۔

۲)......اس بارے میں علامہ ذہبی لکھتے ہیں کہ خلیفہ مہدی نے دو ہزار اور بعض روایات کے مطابق تین ہزار دینار پیش کئے اس کے بعد ربیع نے حضرت امام کے پاس آ کر کہا امیر المومنین کی خواہش ہے کہ آپ ان کے ساتھ مکہ چلے جائیں، آپ نے فرمایا: قال النبي عليه الصلاة والسلام: "المدينة خير لهم لو كانا يعلمون" اور اگر امیر کو اپنے تحفہ پر ناز ہے تو وہ اسی طرح میرے پاس محفوظ ہے۔ سیر اعلام النبلاء: ۸/ ۶۲۔ ۶۳۔

۳)......دیکھئے مقدمہ التعلیق الممجد ص ۱۴۔

ابن خلکان لکھتے ہیں: امام صاحب انتہائی کمزوری کے باوجود گھوڑے پر سوار نہیں ہوتے تھے اور پیدل ہی چلتے تھے اور فرماتے: ''لاأرکب فی مدینة فیها جثة رسول الله (ﷺ) مدفونة" یہاں تک کہ آخر کار مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم علی صاحبھا الف الف تحیات میں مرنے کی تمنا پوری ہوگئی، اسی عشق ومحبت کا نتیجہ تھا کہ امام صاحب ہر رات کو خواب میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات سے مشرف ہوتے تھے، چنانچہ مثنی بن سعید کہتے ہیں: "سمعت مالكا يقول: "مابت ليلة إلا رأيت فيها رسول الله صلى الله عليه وسلم" (ا) کوئی شب ایسی نہیں گزری کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں نہ دیکھا ہو۔

ایک مرتبہ درس حدیث کے دوران ایک بچھو نے سولہ مرتبہ امام صاحب کو ڈنک مارا، جس کی وجہ سے آپ کا چہرہ متغیر ہوتا رہا لیکن درس حدیث کو بدستور جاری رکھا، حضرت عبداللہ بن مبارک نے جو آپ کے خصوصی شاگرد ہیں اس بارے میں دریافت کیا تو فرمایا حدیث رسول کی تعظیم کی وجہ سے میں نے برداشت کیا (۲)

مسائل بتانے میں کمال احتیاط

امام صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے اس وقت فتویٰ دینا شروع کیا جب ستر جید علماء نے میری اہلیت کی گواہی دی اور مسئلہ بتانے میں اس قدر محتاط تھے کہ جب تک مسئلہ میں کامل شرح صدر نہ ہوتا جواب دینے سے انکار فرماتے، چنانچہ امام مالک سے ۴۸ مسائل کے بارے میں سوال کیا گیا، تو ۳۲ مسائل میں فرمایا (لاأدری) خالد بن خداش کہتے ہیں

ا)......مقدمہ اوجز المسالک: ۳۲۔

۲)......دیکھئے مقدمہ اوجز المسالک ص ۲۳۔

کہ میں نے ۴۰ مسائل کے بارے میں امام سے سوال کیا، تو انہوں نے صرف ۵ مسائل کا جواب دیا باقی کے بارے میں فرمایا (لاأدری) (۱)۔

امام صاحب دوسرے اہل علم کی نظر میں

حدیث شریف میں ہے: "لیضربن الناس أکباد الابل فی طلب العلم فلا یحدون عالما أعلم من عالم المدینة" (۲)۔

سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں: یہ حدیث امام مالک کے بارے میں ہے (۳) امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا ہے: میں نے امام مالک سے زیادہ جلد صحیح جواب دینے والا نہیں دیکھا، امام شافعیؒ فرماتے ہیں: امام مالک آسمان علم کا وہ تابناک ودرخشاں ستارہ ہیں جس کی مثال ملنا مشکل ہے (۴)۔

ابن مہدی کا کہنا ہے کہ سفیان ثوری حدیث کے امام ہیں اور اوزاعی سنت کے امام ہیں اور مالک دونوں کے امام ہیں (۵) کسی نے امام شافعی نے پوچھا کہ جن علماء سے آپ کی ملاقات ہوئی ہے کیا ان میں کوئی امام مالک جیسا بھی ہے؟ تو فرمایا: جو حضرات علم وعمر میں ہم سے مقدم ہیں ان سے سنا ہے کہ ہم نے امام مالک جیسا عالم نہیں دیکھا تو میں امام مالک جیسا آدمی کہاں سے دیکھ سکتا؟! (۶)۔

---

۱)......سیر اعلام النبلاء: ۸/ ۷۷ وعن مالک: "جنة العالم "لاأدری" فإذا أغفلها أصيبت مقاتله"۔ نفس المرجع۔

۲)......اخرجہ الترمذی فی الصحیح کتاب العلم باب ماجاء فی عالم المدینة رقم الحدیث: ۲۶۸۰۔

۳)......سیر اعلام النبلاء ۸/ ۵۶۔

۴)......سیر اعلام النبلاء: ۸/ ۵۷۔

۵)......دیکھئے اوجز المسالک: ۲۹-۴۷۔

۶)......التعلیق المجد: ۱۴۔

حماد بن سلمہ کہتے ہیں: اگر مجھ سے کہا جائے کہ امت محمدیہ علی صاحبھا الف الف تحیات کے لیے ایسے عالم کا انتخاب کردو جس سے وہ استفادہ کرے تو میں امام مالک ہی کو اس منصب پر فائز کرونگا(۱)۔

امام مالک اور امام اعظم کے تعلقات

،عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں کہ امام اعظمؒ امام مالک کے پاس آئے، امام مالک نے ان کو نہایت اکرام واعزاز کے ساتھ اوپر بٹھایا پھر ان کے تشریف لے جانے کے بعد فرمایا: تم ان کو جانتے ہو؟ لوگوں نے کہا نہیں، فرمایا کہ یہ ابوحنیفہ نعمان بن ثابت ہیں جو اگر دعوی کریں کہ یہ ستون سونے کا ہے تو ستون ان کے قول کے مطابق نکل آئے۔ اللہ نے فقہ کو ان کے لیے ایسا آسان بنایا ہے کہ ان کو اس میں زیادہ محنت نہیں کرنی پڑتی۔ پھر سفیان ثوری آئے تو ان کو نیچے بٹھایا اور ان کے جانے کے بعد ان کے فقہ اور پرہیز گاری کا تذکرہ کیا(۲)۔

ابن دراوردی کا قول ہے کہ امام ابوحنیفہ اور امام مالک نے ایک مرتبہ نماز عشاء کے بعد سے مذاکرہ شروع کیا تو صبح کی نماز تک اسی میں مشغول رہے، جب کسی مسئلہ میں کوئی دوسرے سے مطمئن ہو جاتا تو بے تامل اسے اختیار کر لیتا تھا(۳) امام مالکؒ بہت سارے مسائل میں امام ابوحنیفہؒ کے قول کو معتبر سمجھتے تھے۔

---

۱)...... المصدر السابق

۲)...... المناقب للکردی:۱/۳۹۔

۳)...... اقوم المسالک للکوثری:۹۷،۹۸ نقلا عن ''أخبار أبی حنیفة وأصحابہ'' للصیمری۔

دورِ ابتلاء

امام صاحبؒ گردشِ زمان اور سلاطینِ وقت کے شر وفساد کی وجہ سے اس قدر دل برداشتہ ہوگئے کہ اختلاط مع الانام کو یکسر چھوڑ کر گھر میں یکسوئی اختیار فرمالی حتی کہ نماز، جنازہ اور عیادت کے لیے بھی باہر جانا پسند نہ فرماتے، کسی نے اس بارے میں پوچھا تو فرمایا: آدمی اپنا ہر عذر بیان نہیں کرسکتا۔

ابو مصعب کہتے ہیں کہ امام صاحب پچیس سال تک اس طرح عزلت ویکسوئی میں رہے کہ نماز کے لیے بھی مسجد میں نہیں آتے تھے، جب پوچھا گیا تو فرمایا اس خوف سے کہ کوئی منکر نظر آئے اور اس کو روکنے کی ضرورت پڑے (۱) (حالانکہ اس زمانۂ جور میں یہ مشکل کام ہے) حضرت شیخ الحدیثؒ غالبًا اسی وجہ کو دوسرے الفاظ میں یوں بیان فرماتے ہیں: میرے نزدیک اصل وجہ یہ ہے کہ امام مالکؒ صلاۃ خلف الفاسق کو باطل سمجھتے تھے (۲) (اور اس زمانے کے امراء جو امام بھی ہوا کرتے تھے اکثر فسق وفجور میں مبتلا تھے اور ان کو منصب امامت سے ہٹانا امام صاحب کے بس کی بات نہیں تھی) ابو العباس (۳) سفاح کے بعد جب ابو جعفر منصور خلیفہ بنا تو اس کی عدم موجودگی میں محمد بن عبداللہ بن حسن معروف بہ "نفس زکیہ" نے اس کے خلاف اعلان خلافت کر کے لوگوں سے بیعت لینی شروع کی، ابن کثیر نے بحوالہ ابن جریر کہا کہ امام مالکؒ نے محمد بن عبداللہ کے ہاتھ بیعت کرنے اور منصور

۱)......ان تمام اقوال کے لیے دیکھیے: سیر اعلام النبلاء ۶۴/۸ بعض حضرات نے لکھا ہے کہ: كان تخلفه عن المسجد لأنه سلس بوله، فقال عند ذلك: "لايجوزأن أجلس فى مسجد رسول (ﷺ) وأنا على غير طهارة، فيكون ذلك استخفافاً"۔

۲)......مقدمہ اوجز المسالک: ۳۲۔

۳)......ابو العباس اور ابو جعفر کی خلافت کی تفصیل کے لیے دیکھیے: تاریخ اسلام از شیخ حسن ابراہیم: ۲۳/۲۔

کی بیعت سے دست بردار ہونے کا فتوی دیا، لوگوں نے کہا کہ ہم پہلے منصور سے بیعت کر چکے ہیں، تو فرمایا کہ تم سے جبراً بیعت لی گئی ہے ولیس لمکرہ بیعة(۱) اور یہ مسئلہ اس بنا پر ہے کہ طلاق مکرہ امام مالک کے نزدیک صحیح نہیں، بعد میں جب ''نفس زکیہ'' مارا گیا تو منصور کے اشارے پر والی مدینہ جعفر بن سلیمان نے امام صاحب کو بلوا کر کوڑے لگوائے اور دونوں ہاتھ کھینچ کر مونڈھے اتروا دیئے گئے، جس کے بعد امام صاحب ہاتھوں کو نہیں اٹھا سکتے تھے، لیکن کوڑے لگتے وقت امام صاحب یہی کہتے رہے: ''اللھم اغفرلھم فانھم لا یعلمون'' اس واقعہ سے امام صاحب کا عوام میں ذکر خیر متاثر نہ ہوا بلکہ ان کی مزید عزت افزائی ہوئی (۲) اس تفصیل سے ان تمام اقوال میں تطبیق ہو جائے گی جس میں کوڑے لگنے کی وجہ بعض لوگوں نے ترکِ جماعت اور بعض نے قول بطلاقِ مکرہ بتائی ہے اور بعض نے کہا کہ کسی نے جعفر بن سلیمان کو یہ شکایت لگائی تھی کہ امام مالک آپ کی بیعت کو صحیح نہیں سمجھتے۔

اساتذہ

امام صاحب کے اساتذہ کی فہرست کافی طویل ہے، زرقانی کہتے ہیں کہ انہوں نے تقریباً نوسو مشائخ وقت سے استفادہ کیا (۳) خود امام صاحب نے جن اساتذہ کا نام لیا ہے وہ ۹۵ ہیں، جن کو علامہ ذہبی نے سیر اعلام النبلاء میں ذکر کیا ہے (۴) ان میں سے بعض درج ذیل ہیں: حضرت عبداللہ بن عمر کے خصوصی شاگرد نافع، ایوب سختیانی، حمید،

---

۱)......البدایۃ والنہایۃ: ۱۰/۸۴ ذکرہ فی ماحدث سنة خمس وأربعین ومائة من الحوادث۔

۲)......سیر اعلام النبلاء: ۸/۷۹۔

۳)......مقدمہ اوجز المسالک: ۳۴۔

۴)......سیر اعلام النبلاء: ۸/۴۹ تا ۵۱۔

ربیعۃ الرأی، مسلمہ بن دینار، عبداللہ بن دینار، عطاء خراسانی، زھری وغیرھم۔

تلامذہ

علامہ ذہبی نے لکھا ہے، امام مالکؒ ابھی نوجوان تھے کہ حدیث بیان کرنی شروع کردیا(۱) امام مالک کو یہ شرف بھی حاصل ہے کہ ان کے اساتذہ میں سے بعض نے ان سے روایت لی ہے، علامہ ذہبی نے سات اساتذہ کا نام لیا ہے جو امام صاحب سے روایت کرتے ہیں (۲) اور آخر میں وغیرھم لکھا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اور بھی ایسے اساتذہ ہیں لیکن قید قلم میں نہیں آئے، البتہ حضرت شیخ الحدیثؒ نے بعض کا تذکرہ کیا ہے (۳) وہ اساتذہ درج ذیل ہیں، امام صاحب کے چچا ابوسہیل، یحیی بن ابی کثیر، زھری، یحیی بن سعید، یزید بن الھاد (متوفی ۱۳۹ھ) زید بن ابی انیسہ (متوفی ۱۲۴ھ یا ۱۲۵ھ) عمر بن محمد بن زید۔ ان کے ہمعصر ساتھیوں میں سے معمر، اوزاعی، شعبہ، ثوری، سفیان بن عینیہ، عبداللہ بن مبارک کا ان کے تلامذہ میں نام لیا جاتا ہے، علامہ ذہبی نے اس فہرست میں امام ابوحنیفہ کو بھی ذکر کیا ہے (۴) لیکن صحیح یہ ہے کہ امام صاحب کی روایت امام مالک سے ثابت نہیں ہے، ابومنصور بغدادی نے کہا تھا کہ: أصح الأسانید الشافعی عن مالك عن نافع عن ابن عمر ہے، اس پر حافظ مغلطای نے اعتراض کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ابوحنیفہ اجل اور افضل ہے شافعی سے لہذا، أصح الأسانید أبو حنیفه عن مالك عن نافع عن ابن

۱)......سیر اعلام النبلاء: ۸/۵۵۔

۲)......سیر اعلام النبلاء: ۸/۵۲۔

۳)......دیکھئے مقدمہ اوجز المسالک: ۳۸۔

۴)......سیر اعلام النبلاء: ۸/۵۲۔

عمر ہونی چاہیے، علامہ ابن حجرؒ اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

أما اعتراضه بأبی حنیفة فلا یحسن؛ لأن أباحنیفة لم یثبت روایته عن مالك وإنما أوردها الدار قطنی ثم الخطیب لروایتین وقعتا لهما عنه بإسنادین فیهما مقال، وأیضاً فان روایة أبی حنیفة عن مالك إنما هی فی ماذکره فی المذاکرة ولم یقصد الروایة عنه کالشافعی الذی لازمه مدة طویلة، وقرء علیه الموطأ بنفسه (۱)

اس بے غبار عبارت سے علامہ ذہبی کے قول کا جواب ملتا ہے علامہ کوثریؒ نے بھی اس کا پرزور رد کیا ہے (۲)

تالیفات

امام مالکؒ کی موطأ کے علاوہ اور بھی کافی تالیفات ہیں جن میں سے بعض کو علامہ ذہبی اور حضرت شیخ الحدیث نے ذکر کیا ہے، وہ مندرجہ ذیل ہیں:

رسالة فی الأقضیة، رسالة الأدب والمواعظ، رسالة فی أجماع أهل المدینه، دیوان العلم، کتاب فی النجوم ومنازل القمر، کتاب المناسك، کتاب المجالسات وغیرہ (۳)۔

مؤطا کی تاریخ، وجہ تصنیف اور وجہ تسمیہ

خلیفہ منصور جب امام صاحب کے ساتھ بدسلوکی پر شرمندہ ہوا، تو امام صاحب سے درخواست کی کہ آپ ایسی کتاب لکھیں جس میں ابن عباس کے جواز، ابن عمر کے تشدد

۱)...... دیکھئے النکت علی کتاب ابن الصلاح: ۱/۶۱۔

۲)...... اقوم المسالک للکوثری ص: ۹۹، ۱۰۴۔

۳)...... سیر اعلام النبلاء: ۸/۸۸، مقدمہ اوجز المسالک: ۳۸۔

اورابن مسعود کے شواذ نہ ہو، اس میں میانہ روی کو اپنائیں اور وہی مسائل لکھیں جن پر صحابہ اور ائمہ کا اجماع ہو(۱) امام صاحب نے کام شروع کیا، لیکن یہ کام منصور کی زندگی میں ختم نہ ہوسکا اوراس کے بیٹے مہدی کی خلافت کے ابتدائی ایام میں اختتام پذیر ہوا، منصور نے ۶ ذی الحجہ ۱۵۸ھ میں وفات پائی، اس کے علاوہ مفضل بن محمد کا بیان ہے کہ مؤطا کے طرز پر سب سے پہلے عبدالعزیز بن عبداللہ بن ابی سلمہ ماجشون نے کتاب تصنیف کی جس میں صرف مسائل تھے حدیث اور آثار نہیں تھے، جب امام صاحب نے اس کا مطالعہ کیا تو فرمایا: کام تو اچھا کیا ہے لیکن اگر میں ہوتا تو شروع میں آثار لاتا، پھراس کے بعد مسائل ذکر کرتا، اس کے بعد امام صاحب کے دل میں یہ داعیہ پیدا ہوا کہ ایسی کتاب لکھ دی جائے، چنانچہ انہوں نے مؤطا کی تصنیف کی۔

امام صاحب سے جب پوچھا گیا کہ آپ نے مؤطا نام کیوں رکھا ہے؟ تو فرمایا: لکھنے کے بعد میں نے مدینہ کے ستر فقہاء کے سامنے اسے پیش کیا، سب نے میری موافقت کی تو میں نے موطا نام رکھا، ابوحاتم رازی کہتے ہیں کہ چونکہ امام صاحب نے عوام کی سہولت کے لیے اس کی تصنیف کی تھی، اسی لیے اس کو ''مؤطامالک'' کہا جانے لگا، جس طرح جامع سفیان وغیرہ کہا جاتا ہے، مؤطا کے لغوی معنی ہیں، ممھد اور مسہّل کے، ابن فہر کا کہنا ہے کہ اس سے پہلے کسی نے اس نام کی کوئی کتاب تصنیف نہیں کی (۲)

تعدادروایات

امام مالکؒ تقریباً ایک لاکھ احادیث روایت کرتے تھے، پھران میں سے دس ہزار احادیث کو منتخب کر کے مؤطا کی شکل میں جمع کیا، اور ہر سال اس میں کمی بیشی ہوتی رہی یہاں

۱)......مقدمہ اوجز المسالک:۴۳۔

۲)......تفصیل کے لیے دیکھیئے مقدمہ التعلیق المجد:۱۴۔

تک کہ موجودہ مجموعہ باقی رہا، حضرت شاہ ولی اللہ نے مصفی میں اسی کو اختیار کیا ہے، بقول ابوبکر ابہری کے جس کو حضرت شیخ الحدیثؒ نے ذکر کیا ہے(۱) موطا میں ایک ہزار سات سو بیس احادیث ہیں، جن میں سے مسند و مرفوع چھ سو، مرسل دو سو، موقوف چھ سو تیرہ، تابعین کے اقوال و فتاوی دو سو پچاسی ہیں (۲)۔

رواۃ مؤطا اور نسخوں کی تعداد

امام مالکؒ سے ایک ہزار آدمی روایت حدیث کرتے تھے، لیکن جو حضرات احادیث موطا کی روایت کرتے تھے وہ بھی کچھ کم نہیں تھے، قاضی عیاضؒ نے ایسے ۳۹ رواۃ کی ایک فہرست تیار کی ہے جنہوں نے امام صاحب سے موطا کی روایت کی ہے(۳) لیکن بظاہر رواۃ موطا کی تعداد اس سے زیادہ ہوگی، ہارون رشیدؒ نے بھی اپنے بیٹوں کے ساتھ امام صاحب سے موطا پڑھی ہے، خلیفہ مہدی اور ہادی نے بھی امام صاحب سے پڑھ کر روایت کی ہے۔ حضرت مولانا عبدالحی لکھنویؒ نے التعلیق المجد میں قاضی عیاض کا قول نقل کیا ہے کہ موطا کے بیس نسخے مشہور ہوئے، بعض حضرات نے تیس نسخوں کا ذکر کیا ہے، جن میں سے چار مستعمل ہیں، حضرت شاہ ولی اللہؒ نے سولہ نسخوں کا تذکرہ پیش کیا ہے جن کو حضرت شیخ الحدیثؒ نے مقدمہ اوجز المسالک میں درج فرمایا ہے، ہم ان کا مختصر سا تذکرہ پیش کرتے ہیں۔

(۱) نسخہ ابوعبداللہ عبدالرحمن بن القاسم المصری ۱۳۲ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۹۱ھ

---

۱)......مقدمہ اوجز المسالک:۴۲۔

۲)......مقدمہ اوجز المسالک:۴۴۔

۳)......التعلیق المجد:۱۶۔

میں انتقال ہوا، انہوں نے سب سے پہلے المدونۃ الکبری میں فقہ مالک کے مسائل کو مرتب ومدوّن کیا(۱)۔

(۲) نسخہ ابو یحیی معن بن عیسیٰ: ۱۳۰ھ کے بعد پیدا ہوئے اور ۱۹۸ھ میں انتقال ہوا، ان کو عصائے مالک کہا جاتا تھا کیونکہ امام صاحب ضعف وکمزوری کے زمانے میں ان کا سہارا لے کر چلتے تھے(۲)۔

(۳) ابو عبدالرحمٰن عبداللہ بن مسلمہ بن قعنب: ۱۳۰ھ کے بعد پیدا ہوئے اور ۲۲۱ھ میں انتقال ہوا، موطا کا نصف حصہ امام صاحب سے سن کر دوسرا حصہ امام صاحب کو پڑھ کر سنایا(۳)۔

(۴) نسخہ ابو محمد عبداللہ بن یوسف: یحیی بن معین کہتے ہیں: ''أثبت الناس فی الموطا عبداللہ بن یوسف'' امام بخاری کہتے ہیں: ''کان من أثبت الشامیین'' ۲۱۸ھ میں وفات پائی(۴)۔

(۵) نسخہ سعید بن عفیر: یہ اپنے دادا کی طرف منسوب ہیں، ان کے والد کا نام کثیر ہے، سعید بن کثیر بن عفیر ۱۴۶ھ میں پیدا ہوئے، ان کو علم تاریخ وانساب میں مہارت تامہ حاصل تھی، ابو حاتم نے ان کو صدوق کہا ہے(۵)۔

(۶) نسخہ ابو عبداللہ مصعب بن عبداللہ: ۱۵۶ھ میں پیدا ہوئے، مسئلہ خلق قرآن

---

۱)...... التعلیق الممجد: ۱۷۔

۲)...... سیر اعلام النبلاء: ۹/۳۰۴، تہذیب الکمال: ۲۸/۳۳۶۔

۳)...... سیر اعلام النبلاء: ۹/۲۵۷، تہذیب الکمال: ۱۶/۱۳۶۔

۴)...... سیر اعلام النبلاء: ۱۰/۳۵۷، تہذیب الکمال: ۱۶/۳۳۳۔

۵)...... سیر اعلام النبلاء: ۱۰/۵۸۳، تہذیب الکمال: ۱۱/۳۶۔

میں اہل توقف کے ساتھ تھے اور علم انساب کے ماہر تھے، ۲۳۶ھ میں انتقال ہوا(۱)۔

(۷) نسخہ ابوعبداللہ محمد بن المبارک الصوری: ۱۵۳ھ میں پیدا ہوئے اور دمشق کے مفتی رہے، یحییٰ بن معین کہتے ہیں: "محمد بن المبارك شيخ الشام بعد أبي مسهر" وہیں انتقال کر گئے، نماز جنازہ ابومسہر نے پڑھائی (۲)

(۸) نسخہ سلیمان بن برد: ان کے حالات غالباً پردہ خفا میں ہیں، حضرت شیخ الحدیثؒ اور مولانا عبدالحیٔ لکھنویؒ نے بھی ان کے حالات بیان نہیں کئے ہیں۔

(۹) نسخہ ابوحذافۃ احمد بن اسماعیل بن محمد: ان کو اکثر حضرات نے ضعیف قرار دیا ہے، فضل بن سہل کہتے ہیں کہ جو بھی بات کہی جائے تو فوراً کہتا ہے: "حدثني مالك عن نافع بن عمر" یہ آخری راوی ہیں جو امام صاحب سے موطا کی روایت کرتے ہیں (۳)۔

(۱۰) نسخہ ابومحمد سوید بن سعید بن سہل ابن شہریار: مسلم و ابن ماجہ کے راویوں میں سے ہیں، تاہم متکلم فیہ ہیں، بعض حضرات نے ان کی تضعیف کی ہے جیسے امام بخاری، ابن مدینی وغیرہ، البتہ امام احمد بن حنبل نے ان کو ثقہ کہا ہے، عید الفطر کے دن ۲۴۰ھ عمر کی تقریباً سو بہاریں دیکھنے کے بعد انتقال کر گئے (۴)۔

(۱۱) نسخہ امام محمد بن الحسن الشیبانیؒ: اس کا تذکرہ بعد میں آئے گا۔

(۱۲) نسخہ ابوزکریا یحییٰ بن یحییٰ بن بکر بن عبدالرحمٰن تمیمی نیشاپوری: ۱۴۲ھ میں پیدا ہوئے اور علم حدیث میں امام مانے گئے، امام بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی ان سے

---

۱)...... سیر اعلام النبلاء: ۱۱/۳۰، تہذیب الکمال: ۲۸/۳۴، تہذیب التہذیب: ۱۰/۱۶۲۔

۲)...... تہذیب الکمال: ۲۶/۳۵۲، سیر اعلام النبلاء: ۱۰/۳۹۰۔

۳)...... تہذیب الکمال: ۱۰/۲۶۶۔

۴)...... سیر اعلام النبلاء: ۱۱/۴۱۰۔ تہذیب الکمال: ۱۲/۲۴۷۔

روایت لیتے ہیں، علماء جرح وتعدیل نے ان کی زبردست توثیق کی ہے، ۲۲۶ھ میں انتقال ہوا، حاکم کہتے ہیں: ان کی تاریخ وفات کے بارے میں کوئی اختلاف سامنے نہیں آیا، جو بھی اس قول سے اختلاف کرے گا غلطی پر ہوگا، ان کی قبر کی لوح پر جو ۲۲۴ھ لکھا ہے وہ غلط ہے (۱)۔

مؤطا کے چار مشہور نسخے

(۱۳) نسخۂ ابومحمد عبداللہ بن وہب بن مسلم: ۱۲۵ھ میں پیدا ہوئے، بالاتفاق ثقہ اور صحاح ستہ کے رواۃ میں سے ہیں، ان کے علمی مقام کے لیے یہی کافی ہے کہ امام مالک جب ان کو خط لکھتے تو یہ تحریر فرماتے: "إلى عبدالله بن وهب مفتي اهل مصر" کسی اور کے لیے ایسا نہیں کرتے تھے، دو کتابیں بنام موطا صغیر وموطا کبیر تالیف فرمائی تھیں، شعبان ۱۹۷ھ میں انتقال ہوا، اس کی وجہ یہ ہوئی کہ کتاب اھوال القیامۃ ان کے سامنے پڑھی گئی، وہ بے ہوش ہوگئے اور اسی حالت میں انتقال ہوا (۲)۔

(۱۴) نسخہ ابوزکریا یحیی بن عبداللہ بن بکیر المصری: ان کو کبھی دادا کی طرف منسوب کر کے عبداللہ بن بکیر بھی کہتے ہیں، ۱۵۵ھ میں پیدا ہوئے، کئی مرتبہ امام مالک سے موطا سننے کا موقع ملا، اسی طرح لیث سے بھی کئی مرتبہ مؤطا کی سماعت کی، امام نسائی نے ان کو ضعیف کہا ہے لیکن علامہ ذہبی نے فرمایا کہ نہ معلوم نسائی کس بناء پر ان کو ضعیف قرار دیتے ہیں یہ ایک جرح مردود ہے، امام بخاری اور مسلم ان سے روایت لیتے ہیں (۳)۔

---

۱)...... سیر اعلام النبلاء: ۹/۲۲۳، تہذیب الکمال: ۱۶/۲۷۷۔

۲)...... تہذیب الکمال: ۳۲/۳۱۔

۳)...... سیر اعلام النبلاء: ۹/۲۲۳، تہذیب الکمال: ۱۶/۲۷۷۔

(۱۵) ابومصعب احمد بن ابی بکر القاسم بن الحارث: ۱۵۰ھ میں پیدا ہوئے اور امام مالکؒ سے حدیث وفقہ حاصل کیا، یہاں تک کہ ان کا شمار مدینہ کے شیوخ وقضاۃ میں ہو نے لگا، اصحاب صحاح ستہ ان کی روایت لیتے ہیں، کہا جاتا ہے کہ ان کا نسخہ سب سے آخر میں امام صاحب کے سامنے پیش ہوا اور اس میں دوسرے نسخوں کے مقابلے میں ایک سو احادیث زیادہ ہیں، رمضان المبارک ۲۴۲ھ میں داعی اجل کو لبیک کہہ کر انتقال کر گئے، وفات کے وقت ان کی عمر ۹۲ سال تھی (۱)۔

(۱۶) نسخہ ابومحمد یحیی بن یحیی کثیر الاندلسی القرطبی: ہمارے یہاں جو نسخہ متداول ومشہور ہے وہ یہی نسخہ ہے اور جب موطا مالک کہا جاتا ہے اس سے یہی نسخہ مراد ہوتا ہے، یحیی بن یحیی صحاح ستہ کے رواۃ میں سے نہیں ہیں، ابن حجرؒ نے ان کا ترجمہ تہذیب التہذیب میں تمییز کے طور پر ذکر کیا ہے، فرماتے ہیں: ذکرته للتمیّزبینه وبین الذی قبله (ای یحیی بن یحیی بن قیس) لاشتراکهما فی الروایة عنه (۱) ۱۵۱ھ یا ۱۵۲ھ میں ان کی وفات ہوئی ہے، دومرتبہ مدینہ کی طرف سفر کیا ہے، پہلی بار ۱۷۹ھ میں یعنی جس سال امام صاحب کا انتقال ہوا، اس سفر میں انہوں نے موطا کا اکثر حصہ امام صاحب سے سنا ان کی عمر اس وقت ۲۸ سال تھی بستان المحدثین میں جو ۲۰ سال کا ذکر ہے بظاہر درست نہیں ہے (۳) دوسرے سفر میں ابوعبداللہ عبدالرحمٰن بن القاسم سے فقہ حاصل کرکے اپنے وطن واپس گئے اور اندلس میں تدریس وفقہ کا کام شروع کیا، اندلس اور اس کے قرب وجوار میں ترویج مذہب مالک میں ان کا بڑا حصہ اور کردار ہے، حاکم وقت نے ان کو قضاء کا عہدہ پیش کیا لیکن انہوں نے انکار کر دیا، اس کے بعد حاکم ان سے مشورہ لیے بغیر کوئی قاضی مقرر نہیں

۱)……سیر اعلام النبلاء: ۱۰/۶۱۲، تہذیب الکمال: ۳۱/۴۰۱۔

۲)……تہذیب الکمال: ۱/۲۸۰۔

۳)……تہذیب التہذیب: ۱۱/۳۰۰، ۳۰۱۔

کرتا تھا، امام مالک نے ان کو ''العاقل'' کا لقب دیا تھا، اس لقب کی وجہ یہ ہوئی کہ انہوں نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ ہاتھی دیکھنے کے لیے جانے سے انکار کرتے ہوئے کہا تھا کہ میں آپ سے علم وفضل حاصل کرنے آیا ہوں، ہاتھی دیکھنے کے لیے نہیں آیا، امام مالک کی رائے اور مذہب کو تمام آراء پر ترجیح دیتے تھے، البتہ کچھ مسائل میں امام صاحب سے اختلاف بھی کیا ہے، ابن عبدالبر نے ان کے بارے میں کہا ہے: ''الا ان له وهماً وتصحيفا في مواضع كثيرة ولم يكن له بصر بالحديث'' ۲۳۴ھ میں ان کا انتقال ہوا۔

فضائل مؤطا

علامہ سیوطی اور ابن عربی کہتے ہیں:

''المؤطا هو الأصل الأول واللباب، وكتاب البخاري هو الأصل الثاني في الباب، وعليهما بنى الجميع'' (۱)

ابن عبدالبر نے عمر بن عبدالواحد کا قول نقل کیا ہے کہ ہم نے چالیس دن میں امام صاحب سے مؤطا پڑھی اختتام پر آپ نے فرمایا: ''كتاب الفقه في اربعين سنة اخذتموه في اربعين يوماً'' (۲) اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ امام صاحب نے اپنی زندگی کے تمام تجربات ومطالعات اس مؤطا پر خرچ فرمائے ہیں، امام صاحب سے کہا گیا کہ آپ کی طرح دوسرے علماء نے بھی مؤطا لکھی ہے آپ نے کیوں اس میں وقت ضائع کیا؟ فرمایا: وہ کتابیں لاؤ، کتابیں دیکھنے کے بعد فرمایا: ''إنه لايرتفع إلاما أريد به وجه

۱)..... بستان المحدثین: ۳۱۔
۲)..... التعلیق المجد: ۱۴۔

اللہ"(۱) مؤطا کی ایک اہم خوبی یہ ہے کہ اکثر وہ اسانید جن پر اصحیت کا حکم لگایا گیا ہے اس میں موجود ہیں (۲) اور نسخہ مصمودی کو دوسروں پر ترجیح اس لیے ہے کہ انہوں نے سب سے آخر میں امام صاحب سے سنا ہے و معلوم ان آخر السماع ارجح اسی طرح ہر باب کے تحت کافی مسائل فرعیہ بھی اس میں موجود ہیں۔

شروح

موطا امام مالک پر اتنا زیادہ کام ہوا ہے کہ اس کی تفصیل واختصار دونوں اس موقع پر مشکل ہیں، ہم بہت ایجاز کے ساتھ اس کی چند شروح کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

(۱) التمهيد لما في المؤطا من المعاني والأسانيد: یہ شرح جو ستر ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے علامہ ابن عبدالبر (متوفی ۴۶۳ھ) کی تصنیف ہے، جس کو انہوں نے شیوخ مالک کے اسماء کے حروف تہجی کے اعتبار سے ترتیب دیا ہے۔

(۲) كتاب الاستذكار لمذهب علماء الأمصار فيما تضمنه المؤطا من المعاني والأثار: یہ بھی ابن عبدالبر کی تصنیف ہے جس میں انہوں نے التمہید کو مختصر کیا ہے۔

(۳) كتاب التفصي في اختصار المؤطا: یہ بھی انہی کی تالیف ہے۔

(۴) القبس في شرح مؤطا مالك بن أنس: یہ قاضی ابوبکر بن عربی (متوفی ۵۴۶ھ) کی تصنیف ہے۔

(۵) علامہ خطابی صاحبِ معالم السنن (متوفی ۳۸۸ھ) نے بھی اس کا اختصار

---

۱)..... بحولۂ بالا۔

۲)..... بحولۂ بالا: ۱۶، اصح الاسانید کی تفصیل کے لیے دیکھئے: تدریب الراوی: ۷۶ تا ۸۷۔

کیا ہے۔

(٦) المصفی: یہ فارسی شرح حضرت شاہ ولی اللہ (متوفی ۱۱۷٦ھ) کی ہے، جس میں انہوں نے احادیث وآثار کو الگ کرکے اقوال امام مالک اور ان کے بعض بلاغات کو حذف کیا ہے۔

(۷) المسوی یہ عربی شرح بھی حضرت شاہ ولی اللہؒ کی ہے۔

(۸) أوجز المسالك إلى مؤطا مالك: یہ ایک جامع اور نفیس شرح ہے جو محتاج تعارف نہیں، حضرت شیخ الحدیث علامہ محمد زکریا (متوفی ۱۴۰۲ھ) کی تصنیفِ انیق ہے۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ

نسب ومولد

ابوعبداللہ محمد بن الحسن بن فرقد الشیبانی ہے، بعض حضرات نے دادا کا نام فرقد کے بجائے واقد لکھا ہے جو کہ غلط ہے، تمام تراجم میں فرقد ہی ہے (۱) شیبانی نسبت ہے شیبان بن ذہل بن ثعلبہ کی طرف، جو کہ مشہور قبیلہ ہے (۲) بعض حضرات نے کہا ہے کہ امام محمد کی نسبت قبیلہ شیبان کی طرف اقامۃً ہے، لیکن اکثر محققین کا قول یہ ہے کہ یہ نسبت ''ولاءً'' ہے (۳) امام محمد ۱۳۲ھ میں واسط میں پیدا ہوئے، بعض حضرات نے تاریخ ولادت ۱۳۵ھ بتائی ہے جو کہ صحیح نہیں (۴) ان کے آبائی وطن کے بارے میں بعض کا قول یہ ہے کہ فلسطین کے کسی گاؤں سے تعلق رکھتے تھے، طبقات کبری میں ہے کہ ان کا اصل تعلق جزیرہ سے تھا اور امام محمد کے والد شام کے لشکر کے ساتھ واسط پہنچے، جہاں امام صاحب کی ولادت ہوئی، خطیب نے تاریخ بغداد میں لکھا ہے کہ اصل تعلق دمشق کے گاؤں ''حرستہ'' سے ہے (۵) بعض حضرات نے ان اقوال کی یوں تطبیق کی ہے کہ اصل تعلق تو جزیرہ سے ہے لیکن چونکہ آپ کے والد شامی افواج میں تھے تو کبھی حرستہ اور کبھی فلسطین کے کسی گاؤں میں

---

۱)......بلوغ الامانی فی سیرۃ الامام محمد ابن الحسن الشیبانی:۴۔

۲)......دیکھئے الانساب:۳/۴۸۲۔

۳)......دیکھئے بلوغ الامانی:۴۔

۴)......وفیات الاعیان:۴/۱۸۴۔

۵)......الجواہر المضیۃ فی طبقات الحنفیۃ:۲/۴۲۔

رہائش پذیر ہوئے، یہ دونوں گاؤں شام کی سرزمین میں ہیں، یہاں سے کوفہ منتقل ہوئے، کسی کام سے جب واسط جانا ہوا تو وہاں امام صاحب کی ولادت ہوئی، اس کے بعد کوفہ واپس آ گئے اور یہی آپ کا مسکن رہا(۱) امام محمد علم نحو کے مشہور اور مسلّم عالم، فرّاء کے خالہ زاد بھائی تھے(۲)۔

وفات

امام محمدؒ ہارون الرشید کے حکم سے منصبِ قضاء سے برطرف کیے جانے کے کچھ مدت بعد دوبارہ قاضی القضاۃ مقرر ہوئے، اسی زمانے میں ہارون الرشید کے ساتھ سفر کر کے ''رَی'' پہنچے اور وہیں پر ۱۸۷ھ میں انتقال ہوا، بعض حضرات ۱۸۹ھ کو تاریخ وفات قرار دیتے ہیں، کہا جاتا ہے کہ اسی روز علم نحو کے مسلّم امام کسائی کا انتقال ہوا، بعض کہتے ہیں ایک دن بعد انتقال ہوا، ہارون الرشید کہا کرتا تھا ''دفنت الفقه والعربية بالری'' (۳)۔

ابتداءِ تعلیم اور امام ابوحنیفہ سے شرف تلمذ

امام محمدؒ کے زمانے میں کوفہ، علم حدیث، فقہ اور لغت کا گہوارہ بن چکا تھا، حضرات صحابہ کرامؓ کا وہاں پر قیام اور حضرت علیؓ کا کوفہ کو دارالخلافہ بنانا، مزید اس کی علمی چمک دمک میں اضافہ کر رہا تھا، امام محمدؒ قرآن کریم سیکھنے اور کچھ حصے حفظ کرنے کے بعد وہاں کی ادبی مجلسوں اور حلقہ ہائے درس میں شامل ہونے لگے، جب ۱۴ سال کی عمر کو پہنچے تو امام ابوحنیفہؒ

۱)......بلوغ الامانی:۴۔۵۔

۲)......وفیات الاعیان:۴/ ۱۸۵۔

۳)......دیکھیے وفیات الاعیان:۴/ ۱۸۵، الانساب:۳/ ۳۸۳۔

کے پاس گئے، انہوں نے امام صاحب سے پوچھا آپ ایسے نابالغ لڑکے کے بارے میں کیا فرماتے ہیں جسے عشاء کی نماز پڑھنے کے بعد رات کو احتلام ہو جائے؟ کیا عشاء کی نماز لوٹائے گا؟'' امام صاحب نے فرمایا جی ہاں! امام محمدؒ نے مسجد کے ایک کونے میں جا کر عشاء کی نماز لوٹادی، امام صاحب نے یہ دیکھ کر فرمایا: "إن هذا الصبي يفلح إن شاء الله"۔

اس واقعہ کے بعد اللہ نے فقہ کی محبت آپ کے دل میں ڈال دی، چنانچہ آپ حصول فقہ کے لیے امام ابوحنیفہؒ کی مجلس میں پہنچ گئے، امام صاحب نے فرمایا کہ پہلے قرآن کریم حفظ کرلو پھر سبق میں آجانا! سات دن کے بعد امام محمدؒ نے واپس آ کر فرمایا کہ میں نے حفظِ قرآن مکمل کرلیا ہے، پھر امام صاحب سے کسی مسئلہ کے بارے میں پوچھا امام صاحب نے فرمایا یہ سوال کسی سے سنا ہے یا خود تمہارے ذہن میں پیدا ہوا؟ فرمایا کسی سے نہیں سنا بلکہ میرے ذہن میں پیدا ہوا ہے۔ امام صاحب نے فرمایا کہ یہ تو بڑے لوگوں کا سوال ہے، آپ پابندی کے ساتھ درس فقہ میں شریک ہوا کریں اس کے بعد امام محمدؒ چار سال متواتر امام صاحب کے درس میں شریک ہوتے رہے اور مجلسِ فقہ کے تمام مسائل کے جوابات لکھ کر اُسے مرتب کرتے رہے(۱)۔

علمی انہماک

امام محمدؒ کا علمی شوق وذوق بہت ہی عجیب تھا ہر وقت حصول علم میں منہمک رہتے تھے (بسا اوقات اتنے مستغرق ہو جاتے کہ کوئی سلام کرتا تو آپ اس کو دعا دیتے پھر دوبارہ بلند آواز سے سلام کیا جاتا تو آپ وہی دعا دہرا دیتے)۔

اسی علمی ذوق اور انہماک کی وجہ سے جب امام ابو یوسفؒ کے مشورے سے امام محمدؒ کو ''رقہ'' میں منصب قضاء پیش کیا گیا اور یحییٰ بن خالد بن برمک نے امام محمدؒ کو اس کے

۱)......بلوغ الامانی: ۵۔۶۔

قبول کرنے پر مجبور کیا تو امام محمدؒ، امام ابو یوسفؒ سے نارض ہو گئے اور وفات تک ان سے کوئی بات نہیں کی، بعض حضرات امام ابو یوسفؒ کے جنازہ میں شریک نہ ہونے کی بھی یہی وجہ بتاتے ہیں، لیکن قرینِ قیاس یہ ہے کہ امام ابو یوسفؒ کی وفات کے وقت امام محمدؒ "رقہ" میں تھے اور جنازہ کے لیے بغداد پہنچنا ان کے لیے ممکن نہ تھا(۱)۔

امام محمدؒ بحیثیت فقیہ

امام ابوحنیفہؒ کی زندگی میں امام محمدؒ ہر وقت ان کی مجلس درس میں شریک ہو کر کسب فیض کرتے رہے، امام ابوحنیفہؒ کے انتقال کے بعد انہوں نے امام ابو یوسفؒ سے شرفِ تلمذ حاصل کیا، یہاں تک کہ فقہ میں امام کے درجہ پر فائز ہو گئے، انھوں نے اپنے اُساتذہ کے علوم کو زیادہ سے زیادہ عام کرنے کے لیے وہ کارہائے نمایاں سرانجام دیے کہ باقی مذاہب میں اس کی مثال نہیں ملتی، آپ کی چھ مشہور کتابیں جن کو ظاہر الروایۃ کہا جاتا ہے فقہ حنفی کی بنیاد ہیں اور یہ بات بھی آگے آئے گی کہ فقہ مالکی کی تدوین میں امام محمدؒ کے علوم وتصانیف کا بڑا دخل ہے، امام شافعیؒ نے شاگرد ہونے کی حیثیت سے امام محمدؒ کے تجربات اور علوم سے اتنا استفادہ کیا کہ درجہ اجتہاد کو پہنچ گئے، اسی طرح امام احمدؒ بن حنبل سے پوچھا گیا: "من أين لك هذه المسائل الدقيقة؟ قال من كتب محمد بن الحسن" یوں تمام فقہاء کے علومِ مدونہ کا سرچشمۂ فیض امام محمدؒ اور ان کی تصانیف ہیں، امام محمد مسائل شرعیہ کے حل کے لیے کبھی اپنے علم ودانست پر اکتفا نہ کرتے بلکہ اہل صناعت اور تاجروں کے پاس جا کر خود ان کے طریقِ کار کو دیکھتے پھر اپنے مشاہدات کو سامنے رکھ کر شرعی فیصلے فرمایا کرتے تھے اور یہی فقیہ کی شان ہوتی ہے کہ کسی بھی مسئلہ کی گہرائی تک پہنچے بغیر کوئی فیصلہ نہ کرے(۲) آپ

۱)...... بلوغ الامانی: ۳۶۔۳۷۔

۲)...... بلوغ الامانی: ۴۴۔

اکثر راتوں کو جاگا کرتے، کسی نے کہا آپ راتوں کو کیوں جاگتے ہیں؟ فرمایا: ''كيف أنام وقد نامت عيون الناس تعويلاً علينا وهم يقولون إذا وقع لنا أمر، رفعناه إليه فيكشفه لنا فإذانمنا، ففيه تضييع للدين" (۱)۔

امام محمدؒ بحیثیتِ محدث

امام محمدؒ علم حدیث کے لیے مختلف ملکوں اور شہروں میں گئے، کوفہ میں امام ابوحنیفہ، سفیان ثوری، مسعر بن کدام، امام ابو یوسف، عمر بن ذر رحمہم اللہ وغیرھم سے علم حدیث حاصل کیا۔

مدینہ میں امام دار الہجرۃ مالک بن انس، ابراہیم بن محمد، ضحاک بن عثمان، مکہ میں سفیان بن عیینہ، بصرہ میں سعید بن ابی عروبۃ، خراسان میں عبداللہ بن مبارک رحمہم اللہ وغیرہم سے سماع حدیث کیا، اسی طرح شام، واسط، یمامہ وغیرہ بھی گئے اور وہاں کے شیوخ سے استفادہ کیا، امام محمدؒ اپنے ہمعصر ساتھیوں سے بھی روایت حدیث کرتے ہیں اس بارے میں بعض دوسرے علماء کی طرح تکلف نہیں فرماتے۔ (۲)

بعض حضرات نے ان کے اساتذہ کی فہرست میں عمرو بن دینار کا نام بھی لکھا ہے، لیکن یہ صحیح نہیں اس لیے کہ عمرو بن دینار کی وفات ۱۲۶ھ میں ہوئی ہے اور اس وقت امام محمد کی عمر تقریباً تین سال کی تھی اور اس عمر میں سماع حدیث کا تصور مشکل ہے۔ (۳)

مہدی کے عہد خلافت میں جب امام مالک کی کتاب ''المؤطا'' کی شہرت عام

---

۱)......بلوغ الامانی: ۴۵۔۴۶۔

۲)......بلوغ الامانی: ۷۔۸۔

۳)......دیکھئے الجواہر المضیۃ اور اس کا حاشیہ: ۲/۴۲۔

ہوئی تو امام محمدؒ نے بھی مدینہ منورہ کا رخ کیا، وہاں امام مالک کی خدمت میں تین سال متواتر رہ کر تقریباً سات سو احادیث خود امام مالک کی زبانی سنیں اور ''مؤطا'' مرتب فرمائی۔

امام محمدؒ بحیثیت لغوی

تمام محققین کا اس پر اتفاق ہے کہ امام محمدؒ علم لغت اور عربیت پر کامل دسترس رکھتے تھے اور لغت میں ان کا قول دلیل کا درجہ رکھتا ہے، وہ خود فرماتے تھے کہ وراثت میں مجھے تیس ہزار درھم ملے میں نے پندرہ ہزار درھم فقہ اور حدیث، باقی پندرہ ہزار درھم شعر و لغت کے حصول میں خرچ کیے(۱)۔

امام محمدؒ بحیثیتِ قاضی

کہا جاتا ہے کہ جب امام ابو یوسفؒ منصب قضاء پر فائز ہو گئے تو امام محمدؒ کو یہ بات ناگوار گزری کہ امام ابو یوسف نے اپنے استاذ یعنی امام اعظم ابو حنیفہؒ کے عمل کو نظر انداز کیا اور ان کے نقش قدم کو نہیں اپنایا، امام اعظمؒ نے تمام تراذیتیں برداشت کیں اور جامِ شہادت نوش فرمایا لیکن منصب قضاء کو قبول نہیں کیا، امام ابو یوسف کو جب امام محمدؒ کے اس طرز فکر کا پتہ چلا تو فرمایا: ''لاقبض الله روحه قبل ان يبتلى بالقضاء'' چنانچہ پہلے ''رقہ'' میں قاضی مقرر ہوئے اور اس وقت بھی بڑی حق گوئی اور عدل وانصاف کا مظاہرہ کرتے رہے۔

ہارون الرشید نے یحییٰ بن عبداللہ بن حسن کو امان دی تھی لیکن چونکہ وہ ''طالبی'' تھا اس لیے اس کے امان کو کالعدم قرار دے کر ہارون اسے قتل کروانا چاہتا تھا، چنانچہ اس نے

---

۱)......بلوغ الامانی:۶۔

امام محمدؒ اور حسن بن زیاد اور ابوالبختری وہب بن وہب (جو امام قاضی ابویوسف کے بعد قاضی القضاۃ تھے) کو اپنے دربار میں بلا کر وہ ''امان نامہ'' ان کے سامنے پیش کیا، امام محمدؒ نے ''امان نامہ'' پڑھ کر فرمایا ''یہ شرعی اور مضبوط امان ہے اسے توڑنے کی کوئی وجہ نہیں'' ہارون الرشید نے امان نامہ چھین کر حسن بن زیاد کو دیا انہوں نے پڑھ کر آہستہ اور زیر لب یہی کہا کہ یہ صحیح امان ہے اور توڑی نہیں جاسکتی، پھر قاضی القضاۃ ابو البختری کو دیا گیا، اس نے ایک نظر ڈال کر کہا: میں اس امان پر راضی نہیں ہوں، یہ بدمعاش آدمی ہے جس نے مسلمانوں کے خون سے اپنا ہاتھ رنگین کیا ہوا ہے، پھر اپنے جوتے سے چاقو نکالا اور امان نامہ کو پھاڑ ڈالا اور ہارون الرشید کو مخاطب کر کے کہا ''اس کو قتل کر و اس کا خون میرے ذمہ ہے''۔

امام محمدؒ فرماتے ہیں سب حاضرین مجلس کو سخت حیرت ہوئی کہ ایک قاضی القضاۃ کس طرح ایک آدمی کا خون اپنے ذمہ لیتا ہے اور پھر اپنے جوتے میں چاقو چھپا کر گھومتا ہے! اس کے بعد کیا ہوا؟ روایات مختلف ہیں، بعض کا خیال ہے کہ ہارون الرشید نے اسے قتل نہیں کیا بلکہ طویل مدت جیل کاٹنے کے بعد وہ مرگیا، بعض کہتے ہیں کہ وہ قتل کردیا گیا۔

اس واقعہ کے بعد امام محمدؒ ہارون الرشید کی نظر میں معتوب ہوگئے اور اس نے امام محمدؒ کو منصبِ قضاء سے برطرف کر کے ان کے فتوی دینے پر پابندی لگادی، بالآخر ہارون الرشید کی بیوی زبیدہ ام جعفر کی سفارش سے یہ پابندی ختم ہوئی اور امام محمد ہارون الرشید کے مقربین میں سے ہوگئے، یہاں تک کہ اس نے آپ کو قاضی القضاۃ کے منصب کے لیے منتخب کرلیا(۱)۔

---

۱)...... تفصیل کے لیے دیکھئے بلوغ الامانی: ۴۰/۴۱۔

امام محمد کے تلامذہ

امام محمد کے تلامذہ کی فہرست طویل ہے، بعض حضرات یہ ہیں۔

ابوسلیمان موسیٰ بن سلیمان جوز جانی، امام شافعی ابوعبداللہ محمد بن ادریس، اسد بن فرات قیروانی (مدوّن مذہب مالکی)، ابوجعفر احمد بن محمد بن مہران نسوی جو مؤطا محمد کے راویوں میں سے ہیں، شعیب بن سلیمان کیسانی جو کتاب الکیسانیات کے راوی ہیں، علی بن صالح جرجانی جو کتاب الجرجانیات کے راوی ہیں۔

امام محمدؒ اور فقہ مالکی کی تدوین

اسد بن فرات ۱۷۲ھ میں قیروان سے مدینہ آ کر امام مالکؒ کے حلقۂ درس میں شریک ہوئے، وہ مختلف مسائل میں امام مالکؒ سے استفسار کیا کرتے تھے اور امام مالکؒ بھی یہ سوچ کر جواب دیتے کہ بہت دور دراز کا سفر کر کے آیا ہے، لہذا اس پر زیادہ توجہ کی ضرورت ہے، لیکن امام مالکؒ کی عادت یہ تھی کہ صرف پیش آمدہ مسائل کا جواب دیا کرتے تھے، جب اسد بن فرات کو یقین ہوگیا کہ اس طرح سے علمی پیاس بھی باقی رہ جائے گی اور دیگر شیوخ کی ملاقات سے بھی محروم رہوں گا تو وہ امام مالک کے حلقۂ درس کو چھوڑ کر عراق آ گئے امام ابویوسف، اسد بن عمرو بجلی، امام محمد بن حسن اور امام ابوحنیفہ رحمہم اللہ کے دوسرے تلامذہ سے فقہ حاصل کرنے لگے، البتہ زیادہ تر امام محمدؒ کے پاس جاتے رہتے، ایک مرتبہ انہوں نے امام محمدؒ سے کہا کہ میں مسافر ہوں (زیادہ دیر تک قیام نہیں کر سکتا) اور مسائل سے کافی ناآشنا ہوں، طلبہ آپ کے پاس زیادہ ہوتے ہیں میں کیا کروں تاکہ آپ سے زیادہ سے زیادہ استفادہ ممکن ہو سکے، امام محمدؒ نے فرمایا ''دن کو تو میں مصروف رہتا ہوں البتہ رات کا وقت آپ کے لیے خاص ہے، آ کر اپنے سوالات بیان کریں'' اسد بن فرات کہتے ہیں

کہ اس کے بعد ہر رات کو میں امام محمد کے پاس جاتا، وہ ایک برتن میں پانی بھر کر لاتے اور سبق کے لیے تشریف رکھتے، اگر کبھی مجھ پر نیند غالب آجاتی تو میرے چہرے پر پانی کا چھڑکاؤ کرتے، کچھ عرصہ کے بعد اسد بن فرات عراق سے چلے گئے اور امام محمدؒ سے سنے ہوئے تمام مسائل کو امام مالک کے خاص شاگرد ابن قاسم کے سامنے پیش کر کے امام مالک کی رائے دریافت کی، پھر ''الاسدیہ'' کے نام سے ان کو مرتب کیا، بعد میں ابن قاسم نے سحنون کے ہاتھ کچھ اس میں ترمیم کر کے فقہ مالکی کی تدوین کی، اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ فقہ مالکی کی تدوین دراصل انہی مسائل کی روشنی میں ہوئی ہے جو اسد بن فرات نے امام محمدؒ سے سنے تھے(۱)۔

امام محمدؒ اور امام شافعیؒ کے تعلقات

امام شافعیؒ شاگرد ہیں امام محمد کے، امام ابن تیمیہؒ نے منہاج السنۃ میں اس تلمذ کا انکار کیا ہے لیکن علامہ نووی وغیرہ نے اس تلمذ کو تسلیم کیا ہے(۲) امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ: ''سمعت من محمد وقر بعیر'' یعنی ایک اونٹ کے بوجھ کے برابر میں نے امام محمدؒ سے علم حاصل کیا۔(۳) یہ وہی مسائل ہیں جو صرف امام شافعیؒ نے امام محمدؒ سے سنے ہیں، باقی وہ مسائل جن کے سماع میں امام شافعیؒ کے ساتھ دوسرے تلامذہ بھی شریک تھے، وہ ان کے علاوہ ہیں (اسی طرح ساٹھ دینار خرچ کر کے انہوں نے امام محمد کی تصانیف نقل کرا کرا اپنے لیے محفوظ کرالی تھیں)(۴) ایک مرتبہ کچھ کتابیں امام محمد سے عاریۃً منگوائیں لیکن کتابیں

۱)......بلوغ الامانی:۱۴ تا ۱۸۔

۲)......دیکھئے مقدمہ التعلیق الممجد:۳۰۔

۳)......الجواہر المضیۃ:۴۳۔

۴)......بلوغ الامانی:۲۰۔

بھجوانے میں امام محمد سے تاخیر ہوگئی، امام شافعی نے یہ لکھ کر بھیجا:

قل للذی لم ترعی　ن من رآہ مثله
حتی کأنّ من رآ　ہ قد رآی من قبله
العلم ینهی أهله　أن یمنعوه اهله
لعله یبذله　لأهله لعلّه

توامام محمدؒ نے اسی وقت وہ کتابیں ارسال کردیں(۱)۔

امام شافعیؒ سے امام محمدؒ کی تعریف وتوثیق کے بارے میں قابلِ قدر جملے منقول ہیں، فرماتے ہیں:

''مارأیت رجلاً سمینا أفهم منه، مارأیت أفصح منه، کان إذا تکلم خیل لك أن القرآن نز ل بلغته، کان یملأ القلب والعین، مارأیت أعلم بکتاب الله من محمد(۲) أمَنّ الناس علیّ فی الفقه محمد بن الحسن، أعاننی الله برجلین: بابن عینیة فی الحدیث وبمحمد فی الفقه"۔

تصانیف امام محمد

امام محمد کی تصانیف بہت زیادہ ہیں، بعض حضرات کا خیال ہے ان کی تصانیف کی تعداد تقریباً نوسونوے (۹۹۰) ہے، کسی عالم نے اپنے مذہب پر اتنی کتابیں نہیں لکھیں جتنی امام محمد نے فقہ حنفی میں لکھی ہیں، (۳) ہم ذیل میں ان میں سے چند کا تذکرہ کرینگے۔

---

۱)......وفیات الاعیان:۴/۱۸۴۔

۲)......الجواہر المضیۃ:۴۳۔

۳)......مقدمۃ شرح الوقایہ(لکھنوی)ص:۴۶۔

(۱) آپ کی سب سے بڑی تصنیف ''کتاب الاصل'' ہے جو کہ ''المبسوط'' کے نام سے مشہور ہے کہا جاتا ہے کہ امام شافعیؒ نے مبسوط ہی کو سامنے رکھ کر اس کی روشنی میں ''کتاب الأم'' تصنیف فرمائی، کسی اہل کتاب نے مبسوط کا مطالعہ کیا اور یہ کہہ کر مسلمان ہو گیا کہ: ''هذا كتاب محمد كم الأصغر فكيف كتاب محمد كم الأكبر'' یعنی چھوٹے محمد کی کتاب کی یہ شان ہے تو بڑے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی کتاب (قرآن) کے کیا کہنے!۔(۱)

(۲) الجامع الصغیر: امام محمدؒ مبسوط کی تصنیف سے فارغ ہوگئے تو امام ابو یوسفؒ نے آپ سے درخواست کی کہ امام اعظمؒ سے روایت شدہ ان تمام مسائل کو جو انہوں نے امام ابو یوسف سے سنے ہیں، کتابی شکل میں جمع کریں چنانچہ آپ نے ایک مجموعہ ''الجامع الصغیر'' کے نام سے تیار کر کے قاضی ابو یوسفؒ کی خدمت میں پیش کیا، آپ نے دیکھ کر فرمایا: ''بہت بہتر ہے، البتہ ابو عبداللہ نے تین مسائل میں غلطی کی ہے'' امام محمدؒ کو معلوم ہوا تو فرمایا: میں نے کوئی غلطی نہیں کی وہ شاید بھول گئے ہیں۔

(۳) الجامع الکبیر: یہ اپنی نوعیت کی منفرد کتاب ہے، ابن شجاع کا قول ہے: ''لم يؤلف في الاسلام مثله في الفقه'' اور صرف یہی نہیں، بلکہ عربیت کے لحاظ سے بھی اس کتاب نے ائمہ لغت کو حیرت زدہ کر دیا، اخفش اور ابو علی فارسی نے اس کے ادبی پہلو کی بہت تعریف کی ہے۔

(۴) الزیادات: اس میں ان مسائل کا تذکرہ ہے جو جامع صغیر و جامع کبیر میں قیدِ قلم میں نہیں آئے تھے۔

(۵) السیر الصغیر۔

السیر الکبیر: یہ دونوں کتابیں بھی اپنے مخصوص انداز میں منفرد حیثیت رکھتی ہیں

۱)......کشف الظنون ج ۲ ص ۱۵۸۱۔

ان کتابوں میں احکامِ جہاد، غنیمت، فئی ہے، وغیرہ کو موضوعِ بحث بنایا گیا ہے ہارون الرشید نے سیر کبیر کی خصوصیات دیکھ کر اپنے دونوں بیٹوں کو یہ کتاب پڑھوائی۔

امام محمد کی یہ وہ چھ کتابیں ہیں، جو شہرہ آفاق ہیں اور ان کی روایت بھی مشہور یا متواتر طرق سے چلی آرہی ہے، ان میں مذکورہ مسائل کو ''ظاہر الروایۃ'' کہا جاتا ہے اِن کے علاوہ جو کتابیں بطریق آحاد مروی ہیں، وہ یہ ہیں: الرقیات، الکیسانیات، الجرجانیات، الھارونیات، الحجج فی الاحتجاج علی اھل المدینه، اجتهاد الرأی، کتاب الاستحسان، کتاب الخصال، الرد علی اھل المدینة، کتاب اصول الفقه (۱)، حدیث کے موضوع پر امام محمد کی تصانیف ایک تو مؤ طا ہے، دوسری آثار السنن ہے جس میں وہ امام ابوحنیفہ سے روایت کرتے ہیں۔

مؤ طا بروایت امام محمد، ایک تقابلی جائزہ، عادات وخصوصیات

پہلے کہا جا چکا ہے کہ امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ تین سال تک امام مالک کی مجلس درس میں بیٹھ کر انہوں نے مؤ طا کی روایات سنی ہیں اور پھر انہوں نے اس مجموعہ کو تیار کیا جسے عرف میں ''مؤ طا امام محمدؒ'' کہا جاتا ہے۔

البتہ مؤ طا امام مالک بروایت یحیی اندلسی کو شہرت زیادہ حاصل ہوئی اور مطلقاً جب مؤ طا کہا جاتا ہے تو اس سے وہی مؤ طا بروایت یحیی مراد ہوتا ہے، لیکن اس شہرت کے باوجود مؤ طا بروایت امام محمد کئی وجوہ سے ممتاز ہے، مولانا عبدالحئی لکھنوی نے اس پر مفصل بحث کی ہے، ان وجوہ ترجیح میں سے بعض یہ ہیں۔

(۱) یحیی اندلسی نے موطا کے بعض حصے امام مالک سے اور اکثر حصے امام مالک

---

۱)...... بلوغ الامانی: ۶۵۔۶۶۔۶۷۔

کے دوسرے تلامذہ سے سنے ہیں اور امام محمد نے پورا مؤطا امام مالک سے سنا ہے اور سماع بلا واسطہ سماع بالواسطہ سے اولی ہے۔

(۲) یحیی اندلسی امام مالک کے پاس ان کے سنہ وفات میں حاضر ہوئے اور امام محمدؒ متواتر تین سال تک شریک درس رہے اور طویل الملازمۃ کی روایت اقوی ہے قلیل الملازمۃ کی روایت سے۔

(۳) مؤطا یحیی میں مسائل فقہیہ اور اجتہاداتِ امام مالک زیادہ ہیں، بہت سارے تراجم میں تو بغیر کسی روایت یا اثر کے صرف امام مالک کا اجتہاد ہی مذکور ہے اور یہ بات مؤطا امام محمد میں نہیں، وہاں ہر ترجمہ کے تحت کوئی روایت ضرور ہوتی ہے اور احادیث غیر مخلوطہ بالرأی، افضل ہیں مخلوطہ بالرأی سے۔

(۴) مؤطا یحیی صرف امام مالکؒ کے طریق سے مروی احادیث پر مشتمل ہے اور مؤطا محمد میں دوسرے شیوخ کی روایات بھی ہیں، یہ فائدہ جلیلہ مؤطا یحیی میں نہیں ہے۔

(۵) مؤطا یحیی میں امام مالک کے مذہب کے موافق احادیث ہیں اور بسا اوقات وہ احادیث، حنفیہ کے یہاں کسی وجہ سے معمول بہا نہیں ہوتیں، لیکن مؤطا امام محمد میں اُن روایات غیر معمول بہا کے بعد حنفیہ کے یہاں معمول بہا روایات کا بھی تذکرہ ہے جو کہ حنفی حضرات کے لیے باعثِ اطمینان ہے۔(۱)

مؤطا کی روایت میں امام محمدؒ کی عادت یہ ہے کہ ترجمۃ الباب کے بعد امام مالک کی روایت لاتے ہیں چاہے مرفوع ہو یا موقوف، عنوانات میں لفظِ کتاب یا باب استعمال کرتے ہیں لفظِ فصل نہیں لکھتے" وبہ نأخذ" کہہ کر مذہب حنفیہ کی نشاندہی کرتے ہیں، اگر امام مالکؒ کی روایت حنیفہ کے مذہب کے مطابق نہ ہو تو اس پر گفتگو کر کے حنفیہ کی تائید کے

---

۱)...... دیکھئے مقدمہ التعلیق المجد: ۳۴۔۳۵۔

لیے دوسرے مشائخ کی روایات لاتے ہیں، تمام روایات میں لفظ اخبرنا ہی استعمال کرتے ہیں۔

ابراہیم نخعیؒ کے مذہب کی بھی نشاندہی کرتے ہیں، امام ابو یوسفؒ کے مذہب کے بارے میں خاموش رہتے ہیں، واجب کے مقابلہ میں لفظ ''هذا حسن، جميل مستحسن'' وغیرہ استعمال کرتے ہیں جو کہ سنت مؤکدہ وغیر موکدہ کو شامل ہے، لفظ'' لابأس به'' کو کبھی نفس جواز بتانے کے لیے استعمال کرتے ہیں، حالانکہ متاخرین کے یہاں اس کا استعمال مکروہ تنزیہی میں ہوتا ہے، کبھی لفظ ''ينبغی'' کا استعمال متقدمین کی اصطلاح کے مطابق عام معنی میں کرتے ہیں جو کہ واجب وسنت کو شامل ہے، لفظ ''اثر'' کا استعمال کبھی حدیث مرفوع وموقوف کے لیے بھی کرتے ہیں، بعض آثار کی سند بیان نہیں کرتے بلکہ "بلغنا" کہہ کر نقل کرتے ہیں اور محققین کے یہاں بلاغات محمد، مسند ہے(۱)۔

تعدادِ روایات

مولانا عبدالحیٔ لکھنویؒ موطا امام محمد کی تمام روایات کو باریک بینی سے گن کر فرماتے ہیں: موطا بروایت امام محمد میں تمام احادیث مرفوع اور آثار موقوفہ گیارہ سو اسی (۱۱۸۰) ہیں، ایک ہزار پانچ روایتیں امام مالکؒ کے طریق سے تیرہ روایتیں ابوحنیفہ اور چار روایتیں امام ابو یوسفؒ کے طریق سے اور باقی دوسرے حضرات سے مروی ہیں (۲)۔

شروح وحواشی

مؤطا بروایت امام محمدؒ کی بہت کم شرحیں دستیاب ہیں، شرح المؤطا: دوجلدوں میں

۱)......التعلیق الممجد: ۳۹۔۴۰۔
۲)......مقدمہ التعلیق الممجد: ۳۹۔

علامہ ابراہیم المعروف ''بیری زادہ'' نے لکھی۔ ملا علی قاری ہروی مکی نے دو جلدوں میں لکھی۔ اس شرح میں شارح سے تنقید رجال میں بہت زیادہ مسامحات واقع ہوئے ہیں(۱)۔

حضرت مولانا عبدالحیٔ لکھنویؒ کا بھی ایک جامع حاشیہ ''التعلیق المجد علی مؤطا محمد'' کے نام سے موجود ہے، البتہ علامہ کوثری نے دو جگہوں کی نشاندہی کی ہے جہاں سند کی بحث میں مولانا عبدالحیٔ کو دقت پیش آئی ہے، قراءۃ خلف الامام کے باب میں ایک حدیث اس سند سے موجود ہے۔

''قال محمد حدثنا الشيخ أبو علي قال حدثنا محمود بن محمد المروزي قال حدثنا سهل بن العباس الخ''(۲) اس سند میں امام محمد کے شیخ ابوعلی اور شیخ الشیخ محمود کا نام آیا ہے حالانکہ اس نام سے امام محمد کے کوئی استاذ نہیں، تو مولانا لکھنویؒ نے فرمایا: ''لم أقف إلى الآن على تشخيصهما حتى يعرف توثيقهما أو تضعيفهما''(۳) علامہ کوثری فرماتے ہیں کہ دراصل یہ حدیث مؤطا امام محمد میں نہیں ہے بلکہ یہ حدیث ابوعلی صواف کے نسخہ کے حاشیہ میں لکھی ہوئی تھی اور بعض ناسخین نے اس کو متن کتاب میں شامل کیا ہے، ابوعلی کا نام محمد بن احمد بن حسن صواف ہے اور یہ چوتھی صدی ہجری کے آدمی ہیں، دارالکتب العلمیۃ مصر میں جو نسخہ موجود ہے اس میں یہ حدیث حاشیہ میں ہے(۴)، اسی طرح باب صلوٰۃ القاعد کی آخری روایت کی سند یوں ہے:

''قال محمد حدثنا بشر حدثنا أحمد أخبرنا إسرائيل بن يونس بن أبي

۱)......مقدمۃ التعلیق الجد ۵۔۲۶۔

۲)......دیکھئے مؤطا محمد مطبوع قدیمی کتب خانہ کراچی: ۹۹۔

۳)......دیکھئے مؤطا محمد: ۱۹۹ مطبوع قدیمی کتب خانہ کراچی حاشیہ ا۔

۴)......دیکھئے بلوغ الامانی: ۹۶۔

إسحاق الخ"(۱) یہاں بھی وہی مسئلہ ہے کہ امام محمد کے استاذ کا نام ''بشر'' آیا ہے اور یہ کتب اسماء الرجال میں محفوظ نہیں ہے اس لیے مولانا عبدالحیٔ لکھنوی لکھتے ہیں:

''لم أعرف الآن تعينه وتعين شيخه أحمد"(۲)۔

علامہ کوثریؒ کہتے ہیں کہ سند کے شروع میں جو محمد ہے اس سے مراد امام محمد بن حسن نہیں بلکہ یہ وہی ابوعلی محمد بن احمد بن حسن صواف ہے اور ''بشر'' ان کے استاذ ہیں، آگے سند میں جو احمد ہے یہ احمد بن مہران نسوی ہیں جو امام محمد کے ساتھی اور مؤطا امام محمد کے راویوں میں سے ہیں اور اسرائیل بن یونس یہ امام محمدؒ کے استاذ ہیں تو بظاہر یہاں احمد اور اسرائیل کے درمیان میں لفظ محمد کاتب کی غلطی سے رہ گیا ہے، چنانچہ مصر کی مذکورہ لائبریری کے نسخے میں یہ لفظ موجود ہے(۳)۔

---

۱)......دیکھئے مؤطا محمد:۱۷ (مطبوع قدیمی کتب خانہ کراچی)۔

۲)......دیکھئے مؤطا محمد:۱۷ (مطبوع قدیمی کتب خانہ حاشیہ نمبرا)۔

۳)......دیکھئے بلوغ الامانی:٦٦۔

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ

نسب ونسبت

ابوجعفر احمد بن محمد بن سلامہ بن سلمۃ بن عبدالملک الازدی الحجری المصری الطحاوی، ابن خلکان نے آپ کے جد ثانی ''سلمۃ'' کو ذکر نہیں کیا ہے(۱) بعض حضرات نے لکھا ہے کہ علامہ سمعانی نے مختلف مقامات میں امام طحاوی کا تذکرہ کیا ہے اور ہر جگہ جدّ اول کے نام میں اختلاف ہے، سلامۃ، سلام اور سلمۃ تینوں نام ملتے ہیں(۲) لیکن یہ نقل کی غلطی ہوگی، اس لیے کہ جو نسخہ ہمارے پاس ہے اس میں اس طرح کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔

ازدی

یہ نسبت ہے ازد بن غوث کی طرف، جسے ''ازدشنوءۃ'' کہا جاتا ہے، اسی طرح ازد بن عمران بن عامر کی طرف بھی نسبت ہے اور ایک نسبت ہے حجر بن عمران کی طرف، جسے'' ازدحجر'' کہا جاتا ہے امام طحاوی کی نسبت میں جو''ازدی'' کہا جاتا ہے اس سے یہی''ازدحجر''مراد ہے(۳)۔

---

۱)......دیکھیے وفیات الاعیان:۱/۷۱۔

۲)......ابوجعفر الطحاوی واثرہ فی الحدیث:۴۱۔۴۲۔

۳)......دیکھیے:الانساب:۱/۱۲۰۔

حجری

حاء کے فتحہ اور جیم کے سکون کے ساتھ، علامہ سمعانی لکھتے ہیں کہ تین قبائل ہیں جن کو حجری کہا جاتا ہے؛ حجر حمیر، حجر رُعین اور حجر الازد، امام طحاویؒ کا تعلق آخر الذکر قبیلہ سے ہے(۱)۔

مصری

یہ مشہور ملک مصر کی طرف نسبت ہے جسے قدیم زمان میں ''بابلیون'' بھی کہا جاتا تھا، جو اس کے بانی مصر بن مصرایم بن حام بن نوح کی طرف نسبت کی وجہ سے مصر کے نام سے مشہور ہے(۲)۔

طحاوی

طحا (طاء اور حا کے فتحہ کے ساتھ) مصر کے ایک گاؤں کا نام ہے، کہا جاتا ہے کہ امام طحاوی ''طحا'' کے رہنے والے نہیں تھے بلکہ اس کے قریب ''طحطوط'' نامی گاؤں کے تھے لیکن ان کو ''طحطوطی'' کہلوانا پسند نہ تھا اس لئے ''طحا'' کی طرف نسبت کرتے ہیں (۳)۔

ولادت ورحلت

امام طحاوی کی تاریخ ولادت میں دو مشہور قول ملتے ہیں جن کا باہمی فرق کافی زیادہ ہے، ابن خلکان نے تاریخ ولادت کے بارے میں ۲۳۸ھ اور ۲۲۹ھ کو نقل کیا ہے اور

۱)...... دیکھئے: الانساب: ۲/ ۱۷۹۔

۲)...... دیکھئے: معجم البلدان: ۵/ ۱۳۷۔

۳)...... دیکھئے: معجم البلدان: ۴/ ۲۲۔

دوسرے قول (۲۲۹ھ) کو راجح قرار دیا ہے اور یہ کہا ہے کہ یہ علامہ سمعانی سے مروی ہے (۱) علامہ عبدالحیٔ لکھنویؒ نے بھی ۲۲۹ھ کے قول کو نقل کر کے ۲۳۰ھ کو "قیل" کے ساتھ بیان کیا ہے (۲) علامہ عینی نے بھی اسی قول کو راجح قرار دیا ہے (۳) لیکن علامہ ذہبی، ابن حجر، یاقوت حموی، شاہ عبدالعزیز و دیگر نے ۲۳۹ھ کو نقل کیا ہے (۴) علامہ زاہد کوثریؒ نے لکھا ہے کہ "الجواهر المضية" میں ابوسعید بن یونس کا بیان ہے: قال الطحاوی: "ولدت سنة تسع وثلاثين ومائتين" تو چونکہ یہ قول خود امام صاحب سے مروی ہے اس لیے اس کو راجح کہا جائے گا (۵) لیکن یہاں ایک بات تو یہ ہے کہ ہمارے پاس الجواہر المضیہ کے موجودہ نسخہ میں عبارت یوں ہے: قال الطحاوی: "ولدت سنة تسع وثلاثين ومائتين" اور ابن عساکر نے ابن یونس ہی سے ۲۳۹ھ کے قول کو نقل کیا ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ بہت سارے متقدمین اور متاخرین محققین نے ۲۳۹ھ کے قول کو بیان کیا ہے، بعض حضرات صاحب "الانساب" کے حوالہ سے ۲۳۹ھ کا قول بیان کرتے ہیں اور تیسری بات یہ ہے کہ "الانساب" کا جو نسخہ ہمارے پاس ہے اس میں دو جگہ طحاوی کی ولادت کا تذکرہ ہے اور ہر جگہ ۲۳۹ھ ہی مذکور ہے (۶)۔

حضرت امام طحاوی کی وفات بروز جمعرات ذوالقعدہ ۳۲۱ھ کو مصر میں ہوئی، تو پہلے قول ۲۲۹ھ کے مطابق امام صاحب کی عمر بیانوے سال ہوگی، اس حساب سے لفظ

۱)...... دیکھئے: وفیات الاعیان: ۱/۷۲۔

۲)...... دیکھئے: الفوائد البھیۃ: ۳۲۔

۳)...... الحاوی فی سیرۃ الامام الطحاوی مطبوع مع معانی الآثار: ۱/۴۔

۴)...... معجم البلدان: ۴/۲۲۔ سیر اعلام النبلاء: ۱۵/ ۲۸، بستان المحدثین: ۲۲۸۔

۵)...... دیکھئے: الحاوی: ۴۔

۶)...... دیکھئے: الانساب مطبوع دار الجنان بیروت: ۲/۱۷۹، ۴/۵۳۔
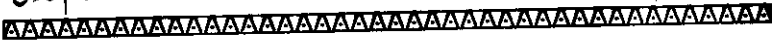
مصطفیٰ سے تاریخ ولادت ۲۲۹ھ اور محمد سے مدت عمر ۹۲ اور محمد مصطفیٰ سے تاریخ وفات ۳۲۱ھ نکلتی ہے اور دوسرے قول کے مطابق امام طحاوی کی عمر بیاسی سال ہوگی۔

امام طحاوی کی صحاح ستہ کے مصنفین سے معاصرت اور بعض اساتذہ میں مشارکت:

شیخ کوثریؒ علامہ عینیؒ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ امام طحاوی کی تاریخ ولادت ووفات سے معلوم ہوتا ہے کہ امام طحاوی کی عمر امام بخاری (متوفی ۲۵۶ھ) کی وفات کے وقت ۲۷ سال (دوسرے قول کے مطابق ۱۷ سال) امام مسلم (متوفی ۲۶۱ھ) کی وفات کے وقت ۳۲ سال (بنا بر قول ثانی ۲۲ سال) بوقت انتقال ابوداؤد (متوفی ۲۷۵ھ) ۴۶ سال (دوسرے قول کے مطابق ۳۶ سال)، امام ترمذی (متوفی ۲۷۹ھ) کی وفات کے وقت ۵۰ سال (یا ۴۰ سال)، امام نسائی (متوفی ۳۰۳ھ) کی وفات کے موقع پر ۷۰ سال (یا ۶۰ سال) اور امام ابن ماجہ (متوفی ۲۷۳ھ) کی رحلتِ آخرت کے وقت ۴۴ سال (یا ۳۴ سال) اور امام احمد بن حنبل (متوفی ۲۴۱ھ) کے انتقال کے وقت ۱۲ سال (یا ۲ سال) تھی (۱)۔

امام طحاوی امام مسلم، ابوداؤد، نسائی، اور ابن ماجہ کے ساتھ بعض مشائخ اور اساتذہ میں بھی شریک ہیں مثلاً ہارون بن سعید اجلی، ربیع بن سلمان، ابوموسیٰ یونس بن عبدالاعلی وغیرہ۔

اساتذہ وتلامذہ

امام طحاوی نے سب سے پہلے اور سب سے زیادہ اپنے ماموں ''مزنی'' سے استفادہ کیا ہے اور ان ہی کے واسطے سے مسند شافعی کی روایت بھی کرتے ہیں، علامہ کوثری

۱)......دیکھئے: تفصیل کے لیے: الحاوی مطبوع مع معانی الآثار: ۴۔

کہتے ہیں کہ امام نے اپنے والد سے بھی سماع کیا ہے، ان کے علاوہ امام طحاوی کے اساتذہ کی فہرست کافی طویل ہے جسے دیکھ کر اندازہ ہوگا کہ امام طحاوی نے مصر، یمن، بصرہ، کوفہ، حجاز، شام، خراسان اور دیگر دیار اسلامیہ کے علماء سے استفادہ کیا ہے اور حصول فقہ کے لیے دمشق گئے اور قاضی ابوخازم عبدالحمید سے خوب استفادہ کیا (۱) مصر میں علی بن ابی عمران او ربکار بن قتیبہ سے فقہ حاصل کیا، اسی طرح ایک جم غفیر نے امام طحاوی سے شرف تلمذ حاصل کیا ہے جن میں ان کے صاحبزادے علی بن احمد، ابوالقاسم سلیمان بن احمد طبرانی، ابوسعید عبدالرحمان بن احمد مصری وغیرہ شامل ہیں (۲)۔

امام طحاوی کا فقہی مسلک

امام طحاوی کے ماموں ابوابراہیم اسماعیل بن یحیی مزنی امام شافعیؒ کے کبار تلامذہ میں سے تھے اور فقہ پر کامل دسترس رکھتے تھے اور یہ بات پہلے آ چکی ہے کہ امام طحاوی نے سب سے پہلے اور سب سے زیادہ اپنے ماموں شیخ مزنی سے استفادہ کیا ہے اور طبعی طور پر وہ پہلے فقہ شافعی کی طرف مائل بھی تھے لیکن بعد میں انہوں نے یہ مسلک چھوڑ دیا اور فقہ حنفی کی طرف آ گئے، اس کی وجہ کیا بنی؟ اس بارے میں بعض کہتے ہیں کہ امام طحاویؒ کے ماموں ایک دن ان پر غصہ ہوئے اور کہا: ''واللہ لاجاء منك شی!'' جس پر امام طحاوی کو رنج ہوا اور ابوعمران حنفی قاضی مصر کی مجلس میں جانے لگے اور حنفی مسلک کو اپنایا، بعد میں جب مختصر کی

---

۱)......البدایۃ والنہایۃ اور بعض دوسری کتابوں میں دمشق کے قاضی کی کنیت ''ابوحازم'' حاء مہملہ کے ساتھ آئی ہے، حافظ ابن حجر کہتے ہیں یہ غلط ہے صحیح ''ابوخازم،، خاء معجمہ کے ساتھ ہے۔ دیکھئے: البدایۃ والنہایۃ: ۱۱/۱۷۴، ولسان المیزان: ۱/۲۷۵۔

۲)......تفصیل کے لیے دیکھئے: الحاوی: ۵۔ ولسان المیزان: ۱/۲۷۴۔

تصنیف سے فارغ ہو گئے تو فرمایا: "رحم اللّٰه أبا إبراهيم لو كان حيا لكفر عن يمينه"۔

بعض نے کہا کہ امام طحاوی حنفیہ کی کتابوں کا زیادہ مطالعہ کرتے تھے اس لیے ماموں کو غصہ آیا اور کہنے لگے: "واللّٰه ماجاء منك شئ"۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ امام طحاوی نے جو "لكفر عن يمينه" فرمایا ہے یہ امام شافعی کے مذہب کی بناء پر ہے، ورنہ حنفیہ کے نزدیک اس طرح کی قسم لغو یا غموس ہوتی ہے جس میں کفارہ نہیں آتا، علامہ عبدالحئی لکھنویؒ لکھتے ہیں کہ بعض علماء نے فعل مضارع "لا يجئ" نقل کیا ہے (۱) تو اس صورت میں ہمارے یہاں بھی کفارہ واجب ہو گا (۲) لیکن اس روایت کی کوئی معتد بہ سند نہیں ہے، دوسری بات یہ ہے کہ امام مزنیؒ خود بھی حنفیہ کی کتابوں کا کثرت سے مطالعہ کرتے تھے تو کیسے ہو سکتا ہے کہ اس بنیاد پر امام طحاوی پر غصہ کریں؟

اس بارے میں ابوسلیمان بن زبر خود امام طحاوی کا قول نقل کرتے ہیں کہ میں پہلے امام شافعی کے مسلک پر تھا کچھ عرصہ بعد احمد بن ابی عمران کی مجلس میں جانے لگا اور حنفیہ کے قول کو اپنایا (اور یہ مزنی کی وفات کے بعد کا واقعہ ہے) اسی طرح محمد بن احمد شروطی کا قول ہے کہ انہوں نے امام طحاوی سے پوچھا: "لم خالفت مذهب خالك؟ واخترت مذهب أبي حنيفة؟" تو آپ نے فرمایا کہ میں اپنے ماموں مزنی کو دیکھتا تھا کہ ہر وقت حنفیہ کی کتابوں کا مطالعہ کرتے تھے (تو میں نے بھی مطالعہ شروع کیا) اور حنفیہ کی طرف مائل ہو گیا، علامہ کوثری لکھتے ہیں: بظاہر یہ دونوں روایتیں زیادہ صحیح ہیں کہ براہ راست خود امام طحاوی سے مروی ہیں اور دوسری روایات اشکال سے خالی نہیں ہیں (۳)۔

۱)......دیکھئے: البداية والنهاية: ۱۱/۱۷۴۔
۲)......دیکھئے: الفوائد البهية في تراجم الحنفية: ۳۲، البتہ علامہ زاہد کوثری کی عبارت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ امام مزنی کی رائے کفارہ کے بارے میں حنفیہ کی رائے کے مطابق ہے کہ یمین غموس میں کفارہ نہیں ہوتا، دیکھئے: الحاوی: ۸۔
۳)......دیکھئے: الحاوی: ۸، ۹۔

طبقات فقہاء حنفیہ میں امام طحاوی کا مقام

علامہ شامی نے ابن کمال باشا کے حوالے سے لکھا ہے کہ امام طحاوی کا شمار ''مجتہدین فی المسائل'' میں ہوتا ہے جیسے کہ علامہ کرخی، خصاف، حلوانی، سرخسی، بزدوی وغیرہ ہیں، یعنی یہ حضرات اصول وفروع میں اپنے امام کی مخالفت نہیں کرتے بلکہ اپنے امام کے اصول وقواعد کو سامنے رکھ کر ان مسائل کے احکام کا استنباط کرتے ہیں جن کے بارے میں صاحبِ مذہب سے کوئی روایت نہ ہو (۱) لیکن علامہ عبدالحیٔ لکھنویؒ ''الفوائد البھیۃ'' میں اس قول کو ذکر کر کے لکھتے ہیں: یہ فیصلہ محل نظر ہے، امام طحاوی کی کتابوں کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے اصول وفروع کے کافی مسائل میں صاحب مذہب سے اختلاف کیا ہے، اس لیے وہ ''مجتہد منتسب الی ابی حنیفہ'' ہونگے یعنی وہ اصول وفروع میں کسی امام کی پیروی نہیں کرتے، البتہ اپنی نسبت کسی امام کی طرف اس لیے کرتے ہیں کہ اجتہاد میں ان کے طرز وطریقہ کو اپناتے ہیں اور اگر یہ فیصلہ تسلیم نہ ہو تو کم از کم امام طحاوی ''مجتہد فی المذہب'' ضرور ہیں جیسے کہ امام ابو یوسف اور امام محمد ہیں اور پھر انھوں نے اپنی تائید میں شاہ ولی اللہؒ کے فیصلے کو نقل کیا ہے (۲)۔

امام طحاوی بحیثیت مفسر

تفسیر قرآن کریم اور آیات احکام کی تشریح ان علوم میں سے ہیں جن میں امام طحاویؒ کو کامل دسترس تھی اور اس علم میں ان کی تصنیفات بھی ہیں، چنانچہ احکام القرآن کے

---

۱)...... دیکھیے: فتاوی شامی: ۱/ ۵۷ مطبوع مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ۔

۲)...... الفوائد البھیۃ فی تراجم الحنفیہ: ۳۱۔

نام سے بیس اجزاء میں انہوں نے تفسیر لکھی تھی، صاحب کشف الظنون نے قاضی عیاض کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ امام طحاوی کی ایک تصنیف ''نوادر القرآن'' ایک ہزار صفحات پر مشتمل تھی، امام طحاوی کی تفسیر اگرچہ ہم تک نہیں پہنچ سکی لیکن معانی الآثار کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تفسیر میں امام طحاوی کا طریقہ ان کے معاصر مفسر (ابن) جریر طبری کی طرز تفسیر سے مشابہ ہے کہ اس میں اقوال صحابہ، تابعین اور عرب کے استعمالات کو سامنے رکھ کر تفسیر کرتے ہیں۔

امام طحاوی اور علم قرات

علم قراءۃ میں بھی امام طحاویؒ نے اتنی مہارت حاصل کی کہ اپنا نام طبقات قراء میں درج کرا گئے، وہ موسی بن عیسیٰ کی قراءت کی روایت کرتے ہیں اور عاصم ابن ابی النجود کی قراءۃ کو ترجیح دیتے تھے اگرچہ تمام قراءات اور ان کے راویوں سے خوب آگاہ تھے(۱)۔

امام طحاوی اور علم لغت

امام طحاوی نے علم نحو ولغت محمود بن حسان سے حاصل کیا ہے اور اس فن میں بھی وہ درجۂ کمال کو پہنچے، چنانچہ معانی الآثار کے مطالعہ سے جابجا علم لغت میں ان کا کمال واضح ہوتا ہے۔

"لتأطرنه على الحق طرا" کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "فوجدنا أهل اللغة يحكون في ذلك عن الخليل بن أحمد أنه يقول: أطرت الشئ إذا ثنيته وعطفته وأطرّ كل شئ عطفه.......... ووجدنا هم يحكون في ذلك عن

۱)......تفصیل کے لیے دیکھئے: ابوجعفر الطحاوی واثرہ فی الحدیث: ۱۱۲۔

الأصمعي أنه قال: أطرت الشئ وآطرت: إذا آملته إليك ورددته إلى حاجتك فكان. قول الرسول: ولتأطرنه...... إى تردونه إليه وتعطفونه عليه وتميلون إليه" اسی طرح حدیث میں آتا ہے: "لايدخل الجنة ولد زنية" تو یہاں یہ خیال آسکتا ہے کہ زنا سے وجود میں آنے والے بچہ کا کیا قصور ہے کہ وہ جنت کا حقدار نہ ہو، یہ تو "لاتزر وازرة وزر أخرى" کے بظاہر خلاف ہے تو امام طحاوی فرماتے ہیں (واللہ اعلم بمرادہ) جو آدمی کسی چیز کی مہارت اور ملابست اختیار کرتا ہے تو وہ اسی چیز کی طرف منسوب ہونے کا مستحق ہوتا ہے، مثلاً جن کا مطمح نظر دنیا ہے ان کو بنوالدنیا کہا جاتا ہے مسافر کو ابن السبیل کہتے ہیں تو اسی طرح ابن زنیۃ کے معنی ہوں گے جو زنا کا ارتکاب کرتا ہے اور زنا اس پر غالب ہوتا ہے (۱)۔

امام طحاوی ائمہ فن کی نظر میں

محدثین، اہل تاریخ اور اسماء الرجال کے ماہرین و محققین نے ہمیشہ امام طحاوی کی وقیع الفاظ میں تعریف کی ہے، چنانچہ علامہ سیوطی کہتے ہیں: "الإمام العلامة الحافظ صاحب التصانيف البديعة، وكان ثقة ثبتا فقيها لم يخلف بعده مثله"۔

علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں: "هو أحد الثقات الأثبات والحفاظ الجهابذة"۔

علامہ بدرالدین عینی لکھتے ہیں: "امام طحاوی کی امانت اور ثقاہت پر سب علماء کا اجماع ہے علم حدیث، علل حدیث اور ناسخ و منسوخ میں یدطولی رکھتے تھے جن کے بعد ان کی خالی جگہ کوئی پُر نہ کرسکا"۔

علامہ کوثری یہاں لکھتے ہیں: "کہ اگر صاحب انصاف ان کی اور ان کی معاصرین کی کتابوں کا بغور مطالعہ کرے تو اس فیصلے پر مجبور ہوگا کہ وہ قرآن وحدیث سے

---

۱)......ابوجعفر الطحاوی واثرہ فی الحدیث: ۱۰۹-۱۰۸۔

استنباط احکام اور فقہ میں سب معاصرین سے زیادہ مہارت رکھتے تھے‘‘(۱)۔

امام طحاوی مخالفین کی عبارت میں

امام طحاوی پر بعض اہل علم نے تنقید بھی کی ہے، ابوبکر بیہقی کہتے ہیں کہ میں نے ابوجعفر طحاوی کی کتاب کا مطالعہ کیا سو اس میں بہت ساری ضعیف حدیثیں ہیں جن کو اس نے اپنے مذہب کی تائید کے لیے صحیح قرار دیا ہے اور جو صحیح حدیثیں ان کے خلاف جاتی ہیں ان کی وہ تضعیف کرتے ہیں، حافظ عبدالقادر قرشی کہتے ہیں کہ ہمارے استاذ (قاضی علاء الدین) نے مجھے اس بارے میں تفتیش وتحقیق کا حکم دیا اور میں نے نظر دقیق وعمیق سے معانی الآثار اور اس کی اسناد کا مطالعہ کیا، پھر حافظ قرشی قسم کھا کر کہتے ہیں: واللہ! بیہقی کی بات کا کوئی اشارہ بھی مجھے اس کتاب میں نہیں ملا، پھر حافظ مشرقی کے استاذ نے بیہقی کی کتاب ’’السنن الکبریٰ‘‘ پر تحقیق کر کے ثابت کیا ہے کہ خود امام بیہقی اپنے مذہب کی تائید کے لیے کسی راوی کی توثیق کرتے ہیں اور دوسرے ہی صفحہ میں اس آدمی کی تضعیف اس بناء پر کرتے ہیں کہ اس کی روایت ان کے خلاف جاتی ہے(۲)۔

ابن تیمیہ اپنی کتاب ’’المنہاج‘‘ میں لکھتے ہیں کہ امام طحاوی اگرچہ عالم، فقیہ اور کثیر الحدیث تھے، لیکن نقد احادیث میں اور اسناد کی صحت وسقم کی شناخت میں زیادہ نظر دقیق نہیں رکھتے تھے اور بسا اوقات قیاس کے ذریعے سے کسی حدیث کو راجح اور دوسرے کو

---

۱)...... تفصیل کے لیے دیکھئے: الحاوی: ۷۔

۲)...... دیکھئے: الجواہر المضیۃ: ۲/۴۳۲۔۴۳۱، حافظ عبدالقادر قرشی نے معانی الآثار پر جو کام کیا ہے وہ ’’الحاوی فی بیان آثار الطحاوی‘‘ اور ان کے استاذ نے سنن کبیر بیہقی پر جو تحقیق کا کام کیا ہے وہ ’’الجوھر النقی فی الرد علی سنن البیھقی‘‘ کے نام سے مشہور ہے۔

مرجوح قرار دیتے تھے۔(۱) علامہ کوثری کہتے ہیں کہ اس الزام کی بنیاد یہ ہے کہ امام طحاوی نے حدیث ''رد الشمس لعلی'' کو صحیح قرار دیا ہے جو کہ ابن تیمیہ کے نظریہ کے خلاف ہے اور یہ سوائے عناد کے اور کچھ نہیں اس لیے کہ بہت سارے محدثین نے اس کی تصحیح کی ہے، چاہے ابن تیمیہ اس پر راضی ہوں یا ناراض (۲)۔

تصانیف

امام طحاویؒ نے اپنی پایندہ تصنیف معانی الآ ثار کے علاوہ بھی بہت ساری ایسی تصانیف یادگار چھوڑی ہیں جو کہ اہل علم وتحقیق کے لیے آب حیات سے کم نہیں، ذیل میں ان میں سے بعض کا تذکرہ ہوگا۔

۱۔مشکل الآ ثار: جو کہ مشکل الحدیث کے نام سے مشہور ہے، اس میں احادیث کے درمیان ظاہری تضاد کی نفی اور احادیث سے استخراج احکام کا بیان ہے، بعد میں ابوالولید ابن رشد نے اس کی تلخیص کی اور اس پر کچھ اعتراضات بھی کیے، علامہ بدرالدین عینی کے استاذ قاضی جمال الدین یوسف بن موسی نے اس تلخیص کی تلخیص کی ہے اور تمام اعتراضات کے جوابات بھی دیئے جو کہ'' المعتصر من المختصر'' کے نام سے مشہور ہے۔

۲۔اختلاف العلماء: یہ بھی ایک مفصل کتاب تھی جس کی تلخیص ابوبکر رازی نے کی ہے۔

۳۔احکام القرآن: قاضی عیاض لکھتے ہیں کہ:''إن للطحاوی ألف ورقة فی

---

۱)......دیکھئے: منہاج السنۃ لابن تیمیہ: ۴/ ۱۸۵، ۱۹۵۔

۲)......دیکھئے الحاوی فی سیرۃ الامام الطحاوی، مطبوع مع معانی الآ ثار: ۱۳۔

تفسیر القرآن"جس سے آپ کی علم تفسیر میں مہارت کاملہ کا اندازہ بخوبی ہو جاتا ہے۔

۴۔الشروط: کے نام سے امام طحاوی کی تین کتابیں مشہور ہیں۔

۵۔شروط کبیر،۶۔شروط اوسط،۷۔شروط صغیر۔

۸۔مختصر الطحاوی: یہ فقہ حنفی کی کتاب ہے، جس کی شرح امام ابوبکر رازی جصاص، شمس الائمۃ سرخی اور دیگر نے کی ہے، علامہ ابن حجر نے اس نام کی دو کتابوں کا تذکرہ کیا ہے، مختصر صغیر و مختصر کبیر۔

۹۔النوادر الفقہیہ ،۱۰۔النوادر والحکایات ،۱۱۔حکم ارض مکۃ ،۱۲۔قسم الفئ والغنائم ، ۱۳۔النقض علی الکراسی ،۱۴۔شرح جامع صغیر،۱۵۔شرح جامع کبیر، ۱۶۔ سنن شافعیؒ، ۱۷۔کتاب المحاضر والسجلات وغیرہ۔

۱۸۔عقیدۃ الطحاوی: ایک مختصر مگر جامع و مانع کتاب ہے جس کی صحت پر تمام اہل علم متفق ہیں۔

مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ نے "بروکلمان" کی کتاب "ادب عرب کی تاریخ" کے حوالہ سے ایک اور تصنیف "صحیح الآثار" کے نام سے اضافہ کیا ہے لیکن یہ غلط ہے۔

درحقیقت یہ کتاب معانی الآثار ہی ہے جسے بروکلمان نے غلطی سے صحیح الآثار سمجھا ہے، اسی طرح مولانا محمد یوسف صاحب نے شرح المعنی کا نام لیا ہے اور ثبوت میں حافظ ابن حجر عسقلانی کا حوالہ دیا ہے کہ موصوف نے " باب اذا صلی فی الثوب الواحد فلیجعل علی عاتقه" میں تصریح کی ہے کہ طحاوی نے بھی شرح المعنی میں اس موضوع پر ایک باب باندھا ہے لیکن دراصل فتح الباری میں لفظ "معانی" کا الف رہ گیا ہے یہ طباعت کی غلطی ہے جیسا کہ معانی الآثار سے ظاہر ہے، لہذا یہاں بھی شرح معانی الآثار صحیح ہے، شرح المعنی غلط ہے۔

معانی الآ ثار کا مختصر تعارف

امام طحاویؒ کو اللہ تعالیٰ نے علم حدیث کا جو ملکہ اور استعداد عطا فرمائی تھی وہ بے مثال تھی، ناسخ ومنسوخ کا علم، تطبیق بین الروایات اور ترجیح راجح کے باب میں وہ امام ومقتدیٰ تھے، معانی الآ ثار جسے شرح معانی الآ ثار بھی کہا جاتا ہے اس بات پر شاہد عدل ہے، اس کے مقدمہ میں امام طحاوی فرماتے ہیں: ''سألني بعض أصحابنا من أهل العلم أن أضع له كتاباً أذ كر فيه الآثار الما ثورة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم في الأحكام الخ"۔

اس پوری عبارت میں وہ کئی باتوں کی طرف اشارہ فرمارہے ہیں۔

۱۔ان کی کتاب صرف احادیث احکام پر مشتمل ہوگی۔

۲۔اس میں حدیث مرفوع، موقوف، آ ثار صحابہؓ وغیرہ سب کا تذکرہ ہوگا۔

۳۔فقہاء کے اختلافات اور ان کی مستدلات کا تذکرہ ہوگا۔

۴۔کتاب اللہ، سنت، اجماع، صحابہ وتابعین کے آ ثار متواترہ کے ذریعہ سے ترجیح راجح کا اہتمام ہوگا۔

۵۔ناسخ ومنسوخ کی تعیین کرکے احادیث کے ظاہری تضاد کو رفع کیا جائے گا، بسا اوقات روایات میں کمی بیشی ہوتی ہے اور روایۃ بالمعنی اور اختصار کے سبب بھی روایات میں اختلاف آجاتا ہے، اس لیے جب تک اس باب سے متعلق تمام احادیث اور فقہاء صحابہ وتابعین کے آراء سامنے نہ ہوں تو پورا اطمینان حاصل نہیں ہو سکے گا، اس لیے امام طحاوی نے ہمعصر دوسرے ارباب علم کی طرز تصنیف سے ہٹ کر اس بات کا التزام کیا کہ باب میں تمام روایات وآ ثار سامنے آجائیں۔

امام طحاوی معانی الآ ثار میں عموماً پہلے فریق مخالف کے مستدلات لاتے ہیں پھر

اپنے نقطہ نظر کے موافق احادیث وآ ثار کو لاتے ہیں اور ان کی وجہ ترجیح بتاتے ہیں اور عمل صحابہ اور تابعین سے اس کی تائید پیش کرتے ہیں اور آخر میں ''نظر'' سے بھی اس کی ترجیح ثابت کرتے ہیں اور ہر وقت بحث کے آخر میں یہ تصریح کرتے ہیں کہ جس رائے کو انہوں نے راجح قرار دیا ہے یہ امام ابوحنیفہ اور صاحبین کا مذہب ہے اور اگر ان حضرات میں اختلاف ہو تو اس کو بھی ذکر کرتے ہیں۔

البتہ فریق مخالف کا نام نہیں لیتے صرف ''ذهب قوم إلى هذه الآثار وخالفهم في ذلك آخرون،، کہہ دیتے ہیں، آثار مختلفہ میں امام طحاوی کی پہلی کوشش یہ ہوتی ہے کہ کسی طرح ظاہری تعارض واختلاف کو ختم کر دیں اور ایسی تعبیر اور مفہوم پیش کر دیں کہ دونوں اخبار پر عمل ممکن ہو سکے، اگر جمع ممکن نظر نہ آئے تو اگر یہاں نسخ کا مسئلہ ہو تو وہ بیان کر کے تعارض کو ختم کر دیتے ہیں، اگر یہ بھی نہ ہو تو وجوہ ترجیح سے کسی ایک کی ترجیح ثابت کرتے ہیں، امام طحاویؒ حسب معمول معانی الآثار میں بھی وہ منفرد طریقہ ترجیح اپناتے ہیں جس کے وہ خود موجد ہیں اور ان سے پہلے کسی کی رسائی وہاں تک نہ ہو سکی، وہ یہ کہ ترجیح روایات میں صرف راویوں کے جرح وتعدیل پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ احکام منصوصہ سے اپنے قواعد کلیہ کا استخراج واستنباط بھی کرتے ہیں جس کے تحت مختلف مسائل فرعیہ آسکتے ہوں، اس کے بعد اگر کسی راوی کی روایت سے معلوم شدہ حکم ان جزئیات کے خلاف ہو تو امام طحاوی اسے علت قادحہ شمار کرتے ہیں جس کو عرف طلباء میں ''نظر طحاوی'' کہا جاتا ہے اور یہ ترجیح بالرای نہیں کہلائے گی بلکہ جس اصل کلی میں مختلف جزئیات ونظائر آتے ہیں وہ متواتر کے حکم میں ہوتا ہے اور جو روایت اس کے خلاف ہو وہ شاذ شمار ہوگی اور اعتبار کے اس درجہ تک نہیں پہنچ سکے گی کہ قابل استدلال ہو تو یہ "الأخذ بأقوى الحجج" کے قبیل میں سے ہے(۱)۔

---

۱)......دیکھیے الحاوی: ۱۱۔

شروح معانی الآثار

معانی الآثار پر تخریج احادیث، شرح روایت، رجال اسناد، تلخیص وغیرہ کے اعتبار سے ہر زمانہ میں کام ہوتا آرہا ہے چنانچہ ہم یہاں اس پر ہونے والے کام کی کچھ تفصیل ذکر کرتے ہیں۔

۱۔علامہ بدالدین عینیؒ نےمعانی الاخبار فی رجال معانی الآثار کے نام سے اس کے رجال پر بحث کی ہے پھر مزید دو جامع شروح بھی لکھی ہیں۔

۲۔نخب الافکار فی شرح معانی الآثار۔

۳۔مبانی الاخبار فی شرح معانی الآثار۔

۴۔ حافظ عبدالقادر قرشی صاحب ''الجواہر المضیۃ'' نے احادیث کی تخریج کر کے ''الحاوی فی تخریج احادیث الطحاوی'' کے نام سے کتاب لکھی ہے۔

۵۔حافظ ابو محمد نے بھی معانی الآثار کی شرح لکھی ہے۔

۶۔حافظ ابن عبدالبر نے معانی الآثار کی تلخیص کی ہے۔

۷۔حافظ زیلعی صاحب ''نصب الرأیۃ'' نے بھی اس کی تلخیص کی ہے۔

۸۔علامہ قاسم قطلوبغا نے رجال طحاوی پر ''الایثار برجال معانی الآثار'' کے نام سے کتاب لکھی ہے۔

۹۔مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ نے امانی الاحبار کے نام سے شرح لکھی ہے لیکن آپ کے انتقال کی وجہ سے یہ شرح باب الوتر سے آگے نہیں جاسکی (۱)۔

۱)......مولانا محمد عاشق الٰہیؒ بلندشہری (متوفی ۱۴۲۲ھ) نے بھی مجانی الاثمار کے نام سے شرح لکھی ہے اور تصحیح الراوی کے نام سے احادیث کی تخریج کی ہے، اسی طرح مولانا محمد ایوب مظاہری نے بھی احادیث کی تخریج اور رجال معانی الآثار پر مشتمل ایک حاشیہ لکھا ہے جو کہ مکتبہ حقانیہ ملتان سے معانی الآثار کے ساتھ چھپا ہے۔